بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کے تصورات

ایک موضوعاتی مطالعہ

(A Topical Study- Concepts of Quran:Translation)

مصنف:

ڈاکٹر محمد فتحی عثمان

مترجم:

عدیل اختر

پبلشر

زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا

Quran Ke Tasawwuraat (Part 1)
1st Edition : 2019
ISBN: **978-1-7338210-2-5**
©Zakat Foundation of India

نام کتاب : **قرآن کے تصورات** : ایک موضوعاتی مطالعہ (جلد اوّل)
مصنف : ڈاکٹر محمد فتحی عثمان
مترجم : عدیل اختر
سن اشاعت : 2019 عیسوی بمطابق 1441 ہجری
تعداد اشاعت : ایک ہزار (1000)
زر تعاون : -/395 روپے

Publisher:
Zakat Foundation of India
A-11,Khajoori Road, Jogabai Extension
Jamia Nagar, New Delhi– 110025
Phone: 011-26982781, 011-26984269
Email: info@zakatindia.org
Web: www.zakatindia.org

مصنف کا تعارف

محمد فتحی عثمان (پ۔۱۷مارچ ۱۹۲۸ء، و۔۱۱ستمبر ۲۰۱۰) مصر کے ایک مشہور اسلامی اسکالر تھے۔انھوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کیا اور اسکندریہ یونیورسٹی سے وکالت کی تعلیم حاصل کی۔امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی سے انھوں نے مشرقی علوم میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔مصر کی جامعہ ازہر اور سعودی عرب کی امام محمد بن سعود یونیورسٹی میں انھوں نے تدریس کی خدمات انجام دی ہیں۔

جناب فتحی عثمان نے زمانہ طالب علمی میں اخوان المسلمون میں شمولیت اختیار کی تھی لیکن بعد میں تحریکی اور سیاسی سرگرمیوں کو چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف اور تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔وہ مغربی دنیا میں پائے جانے والے جدید معاشرتی افکار اور تہذیبی رویوں کے تناظر میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو سمجھنے اور سمجھانے کی طرف مائل تھے۔ ۱۹۶۰ میں ان کی پہلی تصنیف ''اسلامک تھاٹ اینڈ چینج'' شائع ہوئی۔عربی اور انگریزی میں انھوں نے ۴۰ سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سب سے زیادہ ضخیم، اہم اور مشہور تصنیف A Topical Study:Concepts of Quran ہے جو پہلی بار ۱۹۹۷ میں لاس اینجلس (امریکہ) سے۔شائع ہوئی۔دو سال بعد ۱۹۹۹ میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔۱۰۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل اس تصنیف میں انھوں نے زندگی کے جملہ تصورات کے حوالے سے قرآن کی آیات کو یکجا کیا ہے اور ان کی مدبرانہ تشریح کی ہے۔انسانی دریافتوں اور سائنسی معلومات وحقائق کو بیان کرتے ہوئے ان کے بارے میں اپنے قارئین کو قرآن کے بیانات سے واقف کرا کر انھوں نے گویا انسانی معلومات وفہم اور قرآن کے بیانات کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔اپنی تشریحات میں انھوں نے قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے۔

مصنف کی دیگر اہم کتابوں میں "Individual in Muslim Society: Mutual Rights and Obligations" (1963) اور "Human Rights in Western Thought and Islamic Law" (1981) شامل ہیں۔

پروفیسر فتحی عثمان کی زندگی کا آخری بڑا عرصہ کیلی فورنیا میں گزرا، وہیں رہ کر انھوں نے کتاب ہذا اور دیگر اہم کتابیں تصنیف کیں۔وہ یونیورسٹی آف ساؤدرن کیلی فورنیا کے ''سینٹر فار ریلیجن اینڈ سِوک کلچر'' میں سینئر ریسرچ فیلو بھی رہے۔

❀ ❀ ❀

مندرجات

پیش لفظ	ڈاکٹر سید ظفر محمود	13
تعارف	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	15
عرض مترجم	عدیل اختر	18
دیباچہ	ڈاکٹر محمد فتحی عثمان	21
باب اول:	ابتداء -الفاتحہ	39
باب دوم:	عقیدہ (۱)	42
	تخلیق سے خالق تک: کائنات وحیات میں غور کرنے کی دعوت	42
	☆ کائنات	45
	☆حیات: غیر انسانی	65
	- عام تصورات	65
	- نباتات وحیوانات	69
	- پرندے	78
	- آبی مخلوقات	79
	- کیڑے مکوڑے	79
	☆بنی نوع انساں	83
	- انسان کی تخلیق	83
	- انسان: طبعی، نفسیاتی، عقلی اور روحانی پہلوؤں سے	95
	- معاشرے، تہذیبیں اور سیاسی وحاکمانہ طاقتیں	136
	- ایک عالم گیر مخلوق	140
	☆ انسانی دسترس سے ماوراء مخلوق	143

(الف) فرشتے	143
- اللہ کے بندے نہ کہ اس کے شریک	143
- اللہ کا پیغام انسانوں کو پہنچانے کے لئے فرشتوں کو زمین پر بھیجنے کے خلاف دلائل	147
- فرشتوں کی کچھ خصوصیات	149
- دنیا کی اس زندگی میں فرشتے کس طرح کام کرتے ہیں	150
- دنیا کے خاتمے کے وقت اور آخرت کی زندگی میں فرشتوں کا رول	162
- فرشتوں پر ایمان: عقیدے کا ایک حصہ	165
(ب) نظر نہ والی مخلوق ''الجن''	169
- جنوں کی فطرت و ماہیت	167
- خدا نہیں بلکہ خدا کی مخلوق	169
- ذمہ داری اور صلہ	170
- جنوں اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان خصوصی تعلق کا بیان	173
- جنوں کا قرآن سننا	174
(ت) ابلیس اور شیاطین	177
- پیدائش	177
- انسان سے شیطان کی دشمنی	180
- شیطان کا کردار	183
- شیطان کس طرح بہکاتا ہے	185
- شیطان اور پیغمبر	195
- شیطان سے تحفظ	197
باب سوم: عقیدہ (۲)	200
الہ واحد اور آخرت کی زندگی	200
- اللہ واحد پر ایمان	200
- آخرت کی دائمی زندگی	257

❀ ❀ ❀

باب چہارم: عقیدہ (۳)

پیغامِ الٰہی

☆ اللہ کا عام پیغام

☆ اللہ کے رسول اور انبیاء

- آدم علیہ السلام
- ادریس علیہ السلام
- نوح علیہ السلام
- عرب بادیہ (قدیم) میں اللہ کے پیغمبر
  - ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام
  - ہوم اور قوم عاد، صالح اور قوم ثمود
  - شعیب اور قوم مدین
- ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور لوط علیھم السلام
  - ابراہیم علیہ السلام عراق میں
  - ابراہیم علیہ السلام کی دو اولادیں اسماعیل و اسحاق اور ان کے بھتیجے لوط
  - ابراہیم و اسماعیل علیھیم السلام عرب میں
- یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام وان کے برداران
  - الاسباط (قبائل)
- ایوب علیہ السلام
- موسیٰ اور ہارون علیہھما السلام
  - موسیٰ: پیدائش سے بعثت تک
  - موسیٰ کی مصر واپسی اور فرعون کو اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینا
  - موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل صحرائے سینا میں
  - قارون
  - تورات
  - موسیٰ علیہ السلام اور تجلی الٰہی
- داوٗد اور سلیمان علیہھما السلام
- یونس علیہ السلام
- الیاس اور الیسع علیہھما السلام
- ذکریا اور یحیٰی علیہھما السلام

- عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
- محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ماحول

نزول وحی

ابتدائی مخالفتیں

قرآن

دعوت الی اللہ کا اعلان عام اور منکرین سے ٹکراؤ نیز ان کی طرف سے ظلم و زیادتیاں

مکہ سے مدینہ ہجرت

مسلمانوں کو جنگی حملوں کا سامنا

جنگ بدر ــــــ، جنگ احد ــــــ، بنو نضیر ــــــ

جنگ احزاب اور بنو قریظہ ــــــ، الحدیبیہ ــــ

مکہ کو واپسی (فتح مکہ)، جنگ حنین

تبوک اور شمالی سرحدیں ــــ، منافقین ــــــ

بدو

حدود حرم سے مشرکین کا اخراج

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کردار

☆ تمام پیغمبروں کا ایک ہی پیغام: اللہ کی بندگی

باب پنجم: عبادت

☆ قرآن میں عبادت کا تصور

☆ عمومی تعلیمات

☆ صلوٰۃ (نماز)

- صلوٰۃ اور عقیدہ
- سبھی پیغمبروں کے لائے ہوئے دین میں صلوٰۃ
- عبادت گاہیں
- صلوٰۃ اور صبر
- صلوٰۃ اور اعمال صالحہ
- صلوٰۃ اور کتب ہدایت
- صلوٰۃ اور زکوٰۃ

- عقیدے اور عبادت کی آزادی کا دفاع
- قیامِ صلوٰۃ

☆ زکوٰۃ

☆ روزے

☆ حج

☆ عبادت کے دوسرے اعمال

- دعا
- اللہ کو یاد کرنا اور اس کی حمد بیان کرنا
- تکبیر و تسبیح اور ذکر، توبہ و استغفار
- تلاوتِ قرآن
- نذر ماننا

باب ششم: اخلاقی قدریں اور آداب

☆ تعارف: اخلاق دین کا جوہر

☆ اخلاقی قدریں: خاندان، پڑوس، سماج اور تمام انسانیت کے ساتھ برتاؤ کے لئے

☆ آدابِ حسنہ

باب ہفتم: شریعت (۱)

☆ اللہ کے دین میں شریعت کی ضرورت کیوں ہے؟

- اخلاقی قدروں کی حفاظت، انسانی اختلافات سے اوپر اٹھنا اور اجازت و پابندیوں کی حدود
- ایک عقیدہ، مختلف قوانین اور اعمال
- ضروری اختیارات اور نظمِ عامہ

☆ عام اصول

- کچھ محدود اور مخصوص پابندیوں کے ساتھ سبھی کچھ جائز
- کوئی جبر نہیں: اہلیت کے مطابق ذمہ داری
- لازمی عوامی بیداری
- انسانی تعصّبات سے اوپر
- مشکلات کو رفع کرنا
- ضرورت کے بموجب ہی کم سے کم قوانین
- انفرادی ذمہ داری
- ریاست کی حکم برداری اور طاقت کا استعمال

☆انسانی وقار

☆حاکم ومحکوم کے درمیان تعلقات

- ایمانداری
- قیادت کے لئے اخلاق اعمال کی لازمیت
- حکمراں عوام کے درمیان سے ہونا جنہیں عوام ہی ذمہ داری تفویض کرتے ہیں
- مردوں وعورتوں کی مساوی سماجی ذمہ داریاں
- حکومت کی اخلاقی ذمہ داری
- رائے عامہ کی روشنی میں
- پالیسی میکنگ میں عوامی حصہ داری (شوریٰ)

☆سماج واقتصادی انصاف

- ضرورت مندوں کو دینا اوران پر خرچ کرنا
- استحصال سے آزادی؛ پچھلے گناہوں پر سزا نہیں
- مساوی مواقع
- نجی ملکیت اور مفاد عامہ
- فریقین کے لئے مناسب فوائد اور سبھی کی ایما ضروری
- واجب سماجی بہبود ''زکوۃ''
- عیش پرستی اور لذت کوشی
- فضول خرچی نہیں

☆مسلم سماج اور حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت

- تعارف
- انسانی تنوع اور تبدیلی
- عقیدے کے معاملے میں کوئی جبر نہیں
- پہلے کے مسلمانوں (اہل کتاب، بالخصوص یہود و نصاریٰ) سے یہ استدلال کہ ان کے پاس جو تعلیمات آچکی ہیں اس پر عمل کریں
- ایک ہی جوہر، اور پیغام الٰہی میں مختلف انسانی حالات کی رعایت
- محمد ﷺ نے یہ تاکید کی کہ ان پر ایمان لانے والوں کے لئے پچھلے پیغمبروں اور ان کی تعلیمات پر ایمان لانا ضروری ہے
- قریبی تعلقات: مل جل کر کھانا اور کنبہ بنانا

اہل کتاب
دیگر غیر مسلم
اہل کتاب بیویوں کے حقوق

- انصاف اور رحم دلی: سماج اور حکومت میں دوسروں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں لازمی اصول
- انسانی حقوق، خصوصاً سیاسی حقوق
اظہار اور اجتماع کے سیاسی حقوق
عوامی عہدے
گواہیاں
شہری حقوق: سماجی و اقتصادی سرکاری خدمات
پینل لاء
لباس، سواری اور گھر کے بارے میں بیان
جزیہ
☆ عائلی قوانین
- کنبہ بنانے کا فطری انسانی رجحان
- نکاح کرنا
زوج کا انتخاب، معاہدہ، جہیز
- خانگی زندگی
- طلاق
- نکاح کو برقرار رکھنے یا ختم کر دینے کے معاملات
- بیوائیں
- اولاد کے ساتھ والدین کے تعلقات
- والدین کے ساتھ اولاد کے تعلقات
- بھائی اور بہنیں
- یتیم
- وصیت اور وراثت
☆ سماج میں خواتین

باب ہشتم: شریعت(۲)

☆ شہری اور کاروباری معاملات

- عام اصول
- خوردونوش کے ضوابط
- اعمال کا دارومدار نیت پر
- افراد اور سماج کے مفادات کو برتنے میں توازن
- شرکاء کاروبار کو مناسب نفع اور تمام شرکاء کی باہمی رضامندی
- سود
- قرض کے لین دین میں گواہی
- معاہدوں کو پورا کرنا
- دھوکہ دھڑی سے اجتناب
- منصوبہ بندی، کنٹرول اور بحران سے نمٹنا
- دھات کا استعمال اور کام کی تنظیم
- عدالتی قابلیت
- روحانی، اخلاقی اور مادی معاملات میں توازن

☆ جرمانے، حدود و قصاص اور تعزیر

- عام اصول
- قتل عمد (جان بوجھ کر قتل کرنا)
- قتل غیر عمد (غیر ارادی طور سے قتل ہو جانا)
- مجرمانہ گروہ بندی، ڈاکہ زنی، سلسلہ وار قتل
- خودکشی
- طفل کشی
- چوری
- زنا کاری اور فحاشی
- بہتان تراشی
- بغیر شہادت بیوی پر بدکاری کا الزام لگانا
- نشہ خوری اور جوا بازی
- استحصال، بدعنوانی اور طاقت کا بے استعمال، دھوکہ دھڑی اور دیگر مالی جرائم
- جھوٹی گواہی اور غلط بیانی

- افواہ پھیلانا
- زبان، قلم اور اظہار کے دیگر طریقوں سے اپنا دفاع کرنا

☆عالم گیر تعلقات

- امن کا قیام ایک عام قانون
- معاہدوں کو پورا کرنا
- مسلمانوں کا متحد رہنا
- دوسروں کے ساتھ تعلقات
- دنیا کی ترقیات سے باخبری
- جنگ: ایک استثنائی ضرورت

باب نہم: دعائیں

ضمیمہ

مکہ میں نازل ہونے والی سورتیں

ترتیب نزول کے مطابق نشان دہی

مدینہ میں نازل ہونے والی سورتیں

ترتیب نزول کے مطابق نشان دہی

❁ ❁ ❁

پیش لفظ

ڈاکٹر فتحی عثمان مرحوم سے میری پہلی ملاقات اپریل ۲۰۰۴ میں ہوئی۔اسی موقع پر انھوں نے مجھے اپنی کتاب ''کانسپٹس آف قرآن :اے ٹاپکل اسٹڈی'' کی ایک کاپی ہدیہ کی تھی۔اس شاندار تصنیف کا مطالعہ میرے لئے بہت روح افزاء رہا۔قرآن کریم کے پیغام کو سمجھنے کی ترغیب تو والدین کی طرف سے بچپن سے ہی ملتی رہی ہے اوراس ترغیب نیز توفیق الٰہی کی بدولت قرآن کی مختلف تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی سعادت راقم السطور کوالحمدللہ حاصل رہی ہے۔تاہم ڈاکٹر فتحی عثمان کی اس تصنیف نے قرآن کریم کے مطالعہ سے ایمان میں بالیدگی اور فکرو نظر کو حاصل ہونے والی بصیرت کا ایک نیا لطف واحساس دیا۔چنانچہ یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے ہم عصروں اورنئی نسل کے تعلیم یافتہ مردوں وخواتین کواس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے۔

دراصل، ہم مسلمانوں کا یہ ایک عام مسئلہ ہے کہ ہم اسلام کواپنا دین مانتے ہیں، اپنے ایمان کوعزیز رکھتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اوراس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کا تعلق دل میں رکھتے ہیں، قرآن کریم سے ہماری عقیدت بھی شبہ سے بالاتر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سمجھنے کے لئے اس کی کتاب کے مطالعہ اوراس سے استفادے کی طرف ہماری توجہ نہیں ہونے کے برابر ہے۔جب کہ علامہ اقبال کے بقول:

اس کے ہر نکتہ میں پوشیدہ ہیں اسرار حیات   رہنمائے فطرت انساں ہے قرآن مجید

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: فیہ ذکرکم (اس کتاب میں تمھارا ذکر ہے ۲۱:۱۰)۔یعنی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے بارے میں بات کی ہے۔انسان کے بارے میں، انسان کے مسائل اورضروریات کے بارے میں، انسان کی زندگی کے آغاز و انجام کے بارے میں، زندگی میں کیا رویہ اور کیا طرز عمل صحیح ہے اور کیا غلط اس کے بارے میں بات کی گئی ہے۔پھر جب ہم اس قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ خاص طور سے ہم مسلمانوں کے لئے رہنما کتاب ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین ہے کیا اور دین دار ہونے کا مطلب ہے کیا۔دین صرف نماز، روزہ اور چند ضروری عبادات کا یا زبان سے ذکر الٰہی کرنے کا ہی نام نہیں ہے۔دین کی بنیاد اگرچہ پانچ چیزوں پر ہے (۱) لاالہ الا اللہ اور محمد الرسول اللہ کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا (حدیث)۔لیکن ان بنیادوں پر زندگی کا پورا عملی ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔ اگر پوری عمارت تیار نہیں کی جائے اور صرف بنیادیں قائم کر کے چھوڑ دی جائیں تو اسے عمارت نہیں کہتے اور بغیر عمارت تعمیر کئے خود بنیادیں بھی ضائع ہوجاتی ہیں۔چنانچہ ہماری زندگی کا پورا عملی رویہ اور ہمارے فکرواخلاق کا پورا نظام اگر تعلیمات قرآن کے مطابق ہے تو تبھی ہم صحیح

معنوں میں دین دار بن سکتے ہیں۔

دین داری کو اللہ تعالیٰ نے دوحصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔ اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اوپر اپنے حق کے معاملہ میں تو رعایت سے کام لینا پسند کرتے ہیں لیکن بندوں کے حق کے معاملہ میں معافی اور رعایت کا اختیار اللہ نے کسی حد تک خود بندوں کو ہی دے رکھا ہے۔ زندگی میں خاص عبادات کے علاوہ باقی سارا معاملہ بندوں کا بندوں سے ہی ہوتا ہے۔ اس آپسی تعامل اور تعلق کو اگر ہم ان اصولوں کی بنیاد پر استوار کریں جو اللہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی تعلیم کے ذریعہ ہمیں سکھائے ہیں تو ہماری عملی زندگی دین داری کی زندگی ہوگی۔ اس میں اگر تھوڑی بہت بھول چوک یا کمی بیشی کبھی کبھار ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں کرتے ہیں، لیکن اگر ہمارا رویہ عام طور سے ان اصولوں کے مطابق نہ ہو تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں عملی طور پر دین دار قرار نہیں پائیں گے۔

پھر یہ بات بھی توجہ دینے کی ہے کہ انسانوں کے باہمی معاملات کے لئے خود انسانوں نے اپنے طور پر جو اعلیٰ معیارات اپنانے کی کوشش کی ہے وہی اللہ تعالیٰ کی تعلیم میں ہیں۔ مثال کے طور پر معاملات صاف ستھرے رکھنا، ایمان داری سے کام کرنا، سچ بولنا اور سچ لکھنا، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کرنا، کسی کے اوپر جبر نہ کرنا، کسی کے نجی دائرہ اختیار میں مداخلت نہ کرنا، اپنے وسائل کا استعمال صرف اپنے اوپر نہ کرنا بلکہ کمزوروں اور محروموں کے لئے بھی ان کو استعمال کرنا، ناتوانوں کو تقویت دینا، پچھڑ جانے والوں کو آگے آنے کے لئے سہارا دینا، استحصال نہ کرنا، خدمت گاروں کو مناسب اجرت وقت پر دینا، اجتماعی معاملات میں مشورہ کرنا، شفافیت قائم رکھنا اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کام کرنا؛ بے ایمانی، رشوت خوری بدعنوانی سے دور رہنا، اور اسی پر قیاس کرکے دیگر تمام طرح کے معاملات۔ اس طرح دین کی تعلیمات انسان کو ایک بہتر سے بہتر انسان بنانے کا اخلاقی پیمانہ ہیں۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے اور اس سے بار بار اپنے لئے یاددہانی لیتے رہنے سے ہمارے اندر ایسا کرنٹ جاری رہتا ہے جو ہمیں ایک اچھا انسان اور ایک اچھا مسلمان بنے رہنے کے لئے توانائی دیتا رہتا ہے۔

ڈاکٹر فتحی عثمان کی یہ تصنیف قرآن کے پیغام کو اور قرآن میں انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے بارے میں کیا کچھ بتایا گیا ہے اس کو سمجھنے میں ایک بہت مفید کتاب ہے۔ خاص طور سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اس میں دل چسپی اور اپنے ایمان ویقین کو تازہ کرنے کا کافی سامان موجود ہے۔ بہت سے دقیانوسی خیالات کو بھی یہ کتاب صاف کرتی ہے کیوں کہ اس میں قرآن کے بیانات میں موجود بہت سے ایسے اہم نکتوں کو اجاگر کیا گیا ہے جن پر عام طور سے ہم لوگوں کی توجہ نہیں ہے اور روایتی خیالات چلے آرہے ہیں۔

لہٰذا، اس کتاب سے اردوخواں طبقہ کو مستفید ہونے کا موقع دینے کے لئے زیڈ ایف آئی میں ہم سب کے رفیق کار جناب عدیل اختر صاحب کے ذریعہ کیا گیا اس کا اردو ترجمہ زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے۔ فی الحال اس ترجمہ کی پہلی جلد منظر عام پر آرہی ہے، عن قریب پوری کتاب تین جلدوں میں مکمل ہوکر دستیاب ہوگی، ان شاء اللہ۔ اردو کے بعد ہندی میں بھی اس کا ترجمہ شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے استفادے کا موقع دے، آمین۔

بقول علامہ اقبالؒ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان   اللہ کرے تجھ کو عطا جدّت کردار

ڈاکٹر سید ظفر محمود

صدر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا

سی آئی ایس آر ایس ہاؤس، ۱۴- جنگ پورہ، نئی دہلی ۱۱۰۰۵۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تعارف

محمد رضی الاسلام ندوی
معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، سکریٹری اسلامی اکیڈمی دہلی

قرآن مجید کا موضوع انسان ہے۔ اس میں کائنات، خالقِ کائنات اور انسانوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کائنات کے مظاہر: زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، چرند، پرند، نباتات، پھل پھول وغیرہ کا تذکرہ تفصیل سے کرنے کے ساتھ اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں اپنے خالق پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ انھیں بہت سی ہستیوں نے نہیں بنایا ہے، بلکہ پیدا کرنے والی صرف ایک ہستی ہے۔ قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام مظاہر کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے اور ان کی تخلیق ایک خاص مقصد سے کی ہے۔ اس دنیا میں انسان آزمائش کی حالت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ نعمتوں کو پاکر وہ انھیں عطا کرنے والوں کو فراموش کر دیتے ہیں یا اس کی پسندیدہ راہ پر چلتے اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ قرآن انسانی تاریخ پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ انسانوں کی رہ نمائی کے لیے اس نے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ نمائندے بھیجے، جنھیں رسول کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا۔ کچھ لوگوں نے ان کی بات مانی تو کچھ نے ان کا انکار کیا اور ان کی دعوت کو رد کر دیا۔ قرآن میں اس دنیا کے خاتمے اور ایک دوسری دنیا آباد کیے جانے کا عقیدہ بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس کے عقلی دلائل دیے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں عقائد و ایمانیات، عبادات، معاشرت و معاملات، اخلاقیات و آداب، قانون و شریعت، سماجیات، بین الاقوامی امور و مسائل اور دیگر مباحث تفصیل سے مذکور ہیں۔ قرآن نے اپنے زمانۂ نزول میں چیلنج کیا تھا کہ اگر لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ انسانی کاوش کا نتیجہ ہے تو اس جیسا دوسرا کلام لاکر دکھائیں۔ یہ چیلنج اب بھی باقی ہے۔ نہ ماضی میں اس جیسا دوسرا کلام پیش کیا جاسکا تھا، نہ آئندہ قیامت تک پیش کیا جاسکے گا۔ قرآن پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل کرکے انسانوں کے نت نئے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے اور انھیں صحیح رہ نمائی فراہم کی جاسکتی ہے۔

قرآن کے زمانۂ نزول ہی سے اس کی مخالفت بھی شروع ہوگئی تھی۔ اسے سحر، کہانت اور شاعری کہا گیا۔ اس کے بعض بیانات کو چیلنج کیا گیا اور ان میں تاریخی غلطیاں نکالنے کی کوشش کی گئی۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ اب یہ کہا جانے لگا ہے کہ اس کی تعلیمات فرسودہ (Out of date) ہوگئی ہیں۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی وہ اہلیت نہیں رکھتا۔ ان حالات میں یہ اہل اسلام کی ذمے داری ہے

کہ وہ قرآن کی صداقت کے دلائل فراہم کریں، اس کی روشنی میں انسانی مسائل ومشکلات کا حل پیش کریں، اس کے بیانات کو سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ثابت کریں اور واضح کردیں کہ وہ تا قیامت انسانوں کے لیے ایک 'گائیڈ بک' کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلم علماء اور دانش وروں نے اس ذمے داری کو قبول کیا ہے اور قرآنی تعلیمات کی توضیح وتشریح پر مشتمل قیمتی لٹریچر کو جود بخشا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اس زرّیں سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد فتحی عثمان (م ۲۰۱۰ء) کا شمار دورِ جدید کے ان مسلم دانش وروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر انگریزی اور عربی میں قابل قدر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی پیدائش مصر میں ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ گزشتہ صدی کی چوتھی دہائی میں وہ اخوان المسلمون سے وابستہ ہوگئے تھے اور سید قطب کے ساتھ مل کر اخوان کے ہفتہ وار جریدہ میں کام کیا تھا، لیکن بعد میں انھوں نے اس سے علٰیحدگی اختیار کرلی تھی اور تدریس اور تصنیف وتالیف کے لیے یکسو ہوگئے تھے۔ انھوں نے امریکا کی پرسٹن یونی ورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض، سعودی عرب میں تدریسی خدمت انجام دیں۔ یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۸۲ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی دعوت پر رابطہ ادب اسلامی کا بین الاقوامی سمینار ہوا تھا۔ اس میں ڈاکٹر فتحی عثمان بھی تشریف لائے تھے۔ ان دنوں میں فضیلت کا طالب علم تھا۔ ہم طلبہ کو سمینار کے انتظامات میں شریک کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر موصوف کو سننے کا موقع ملا تھا۔ بعد میں وہ کیلی فورنیا (امریکہ) چلے گئے، جہاں یونی ورسٹی آف ساودرن کیلی فورنیا کے سینٹر 'مسلم جیوش انگیجمنٹ' میں ریسرچ فیلو رہے۔ وہیں ۲۰۱۰ء میں ۸۲ر برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ڈاکٹر فتحی عثمان نے انگریزی اور عربی میں تین درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی سب سے مشہور کتاب Concepts of Quran: A Topical Study ہے۔ یہ بڑے سائز کے تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نو (۹) ابواب کے تحت عقائد: توحید، رسالت، آخرت، عبادات: نماز، زکوۃ، روزہ، حج، سماجیات، عائلی قوانین، اخلاقیات، شریعت، حدود وتعزیرات، بین الاقوامی امور وغیرہ پر قرآنی تعلیمات کی توضیح وتشریح کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے بہت عام فہم اور سلیس انداز میں قرآنی پیغام کی وضاحت کی ہے۔ حسب ضرورت قدیم اور جدید مفسرین کے حوالے دیے ہیں اور سائنسی معلومات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ اس اہم اور قیمتی کتاب کا اردو ترجمہ زکوۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے۔ ترجمہ کی خدمت زکوۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کے مجلہ 'زکوۃ انڈیا' کے ایڈیٹر برادر مکرم جناب عدیل اختر شمسی نے انجام دی ہے۔ وہ صحافت اور ترجمہ وتصنیف کے پیشہ سے طویل عرصہ سے وابستہ ہیں اور تحریر وتصنیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ ماہ نامہ افکار ملی نئی دہلی اور ای ٹی وی نیوز حیدرآباد میں بھی سب ایڈیٹر اور نیوز ایڈیٹر رہے ہیں۔ مختلف رسائل وجرائد میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور سوشل میڈیا پر بھی ان کی تحریریں پڑھنے میں آتی ہیں۔ دعوتی میدان میں بھی وہ عملی طور پر سرگرم ہیں اور زکوۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کے شعبہ دعوت وتبلیغ Propagation of Scriptural and Prophetic Tradtions کے ڈائرکٹر ہیں۔

''کانسیپٹس آف قرآن'' کا اردو ترجمہ ''قرآن کے تصورات'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ ہے۔ جلد اول، جو اس وقت پیش خدمت ہے، ابتدائی تین ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں عقائد کا بیان ہے۔ میں نے اس کتاب کو جستہ جستہ دیکھا ہے اور اس کے مباحث کو مفید پایا ہے۔ ترجمہ ماشاء اللہ رواں اور عام فہم ہے۔ امید ہے کہ اردو خواں حلقہ میں بھی اسے پذیرائی ملے گی اور اس سے

استفادہ کیا جائے گا۔

میں اس خدمت پر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا اور مترجم کتاب برادر موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو نافع بنائے۔ آمین!

محمد رضی الاسلام ندوی

معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ
سکریٹری اسلامی اکیڈمی (مرکز جماعت اسلامی ہند، دہلی)

۳/اگست ۲۰۱۹ء

❁ ❁ ❁

عرض مترجم

''کانسیپٹس آف قرآن'' مصنفہ محمد فتحی عثمان کو اردو میں ترجمہ کرنا میرے لئے جہاں ایک اہم علمی کاوش رقم کرنے کا شرف ہے، وہیں قرآن کریم کے پیغام کی اشاعت میں عقلی وقلمی تعاون کی سعادت کا حصول ہے۔ اس قرآنی تصنیف کا ترجمہ کرنے کی تجویز جب میرے سامنے آئی تو میں نے ابتداءً پیشہ وارانہ دل چسپی کے ساتھ اسے پسند کیا تھا، لیکن اس کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس کا ایک سرسری جائزہ لینے اور پھر بعد میں ترجمہ کرتے ہوئے اس کے مضامین اور مباحث کو سمجھنے سے میری علمی اور فکری دل چسپی بھی اس میں شامل ہوتی گئی۔ قرآن کریم کی جن تفاسیر سے استفادہ کی سعادت ابھی تک حاصل ہوئی ہے اور ان سے قرآن کے فلسفہ زندگی کی جو سمجھ راقم کو ابھی تک ملی تھی، اس کتاب کے مطالعہ سے اس میں مزید اضافہ واضح طور سے محسوس ہوا اور فہم قرآن کو مزید پختگی اور گہرائی حاصل ہوئی۔ مترجم کے نزدیک یہ الگ اہمیت کا مطالعہ قرآن ہے اور قرآن کے مطالعہ سے شغف رکھنے والے ہر فرد کے لئے اس میں قیمتی نکات ہیں جن سے فہم کو وسعت حاصل ہوتی ہے۔

مصنف نے زندگی کے جملہ تصورات، معاملات اور امور کی ایک فہرست مرتب کی ہے اور ہر موضوع کے تحت قرآن کی آیات میں مضمر واضح یا مخفی نکات کو اجاگر کیا ہے۔ انسانی علوم کی تقسیم موٹے طور سے سائنس اور سماجیات کے دائرے میں ہے۔ پھر ان علوم کی متعدد شاخیں ہیں، جن میں زندگی کی حقیقت اور شروعات سے لے کر کائنات میں کارفرما قوانین اور کائنات کے جملہ مظاہر کی دریافت و معلومات بھی شامل ہے نیز زندگی کی بقاء اور ترقی کے رازوں کو تلاش کرنا، زندگی کو نقصان پہنچانے والے عوامل کی شناخت اور ان سے بچنے کی تدابیر کی تلاش وتحقیق بھی شامل ہے، مثلاً انسانی صحت کی حفاظت اور امراض سے لڑنے کا علم یعنی طب اور اس ماحول اور فضائے بسیط کی حفاظت جس میں زندگی سانس لیتی اور حرکت کرتی ہے یعنی ماحولیات، طبعیات اور علم کیمیا۔ سماجیات کے دائرے میں انسانی معاشرے کی تاریخ، معاشرت کے حقائق، باہمی تعلقات کے اصول، فرد اور معاشرے کی ذمہ داریاں، معاشرے کو منظم و مستحکم کرنے کا شعور یعنی عمرانیات، تہذیب وتمدن اور ثقافت، سیاست، قومی اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ شامل ہیں۔

علوم اور تصورات کی اس تہہ در تہہ زمرہ بندی کے تحت جو مسائل ومباحث انسانی فکر کا موضوع بنتے ہیں ان میں سے اکثر معاملات کے لئے قرآن کے پیغام میں اشارے اور کنائے یا واضح ارشادات موجود ہیں۔ مصنف نے اسی کو اپنی توجہ کا موضوع بنایا ہے اور ان معاملات پر قرآنی آیات کے حوالے چسپاں کئے ہیں۔ لیکن مصنف کا طرز نگارش قرآن سے استدلال کرنے والا نہیں ہے بلکہ قرآن کے پیغام کو واضح کرتے ہوئے ان معلوم حقائق اور معاملات زندگی کا احاطہ کرنا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کائنات یا زندگی کی ابتداء کا موضوع شروع کرتے ہیں تو پہلے قرآن کے بیانات کو پیش کرتے ہیں اور ان کی وضاحت وتشریح کرتے ہیں اور پھر اسی ذیل میں انسانی معلومات اور حقائق کا حوالہ بھی دیتے چلتے ہیں۔

مصنف نے اپنی تصنیف، وجہ تصنیف اور طرز تصنیف کا ذکر خود تصنیف کے دیباچہ میں کیا ہے جو خاصا طویل بھی ہے اور دل چسپ بھی۔ اس میں انھوں نے ان قدیم وجدید تصانیف وتفاسیر کا ذکر بھی کیا ہے جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہے یا ان کے حوالے دئے ہیں۔ قدماء میں ضحاک، زمخشری، ابن کثیر، الرازی اور غزالی وغیرہ کا ذکر ہے اور جدید مفسرین میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ رشید رضا، محمد عبدہٗ، علامہ محمد اسد اور یوسف علی وغیرہ کا ذکر ہے۔ قرآنی آیات کے ترجمہ میں انھوں نے زیادہ تر محمد اسد کے ''میسیج آف دی قرآن'' کا سہارا لیا ہے۔ محمد اسد کے تفسیری حاشیوں کا حوالہ بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ ایک دعوتی اسلوب میں لکھی گئی کتاب ہے جس کا مقصد جدید دنیا کے روشن خیال افراد کو قرآن کے پیش کردہ عقیدے، فلسفے اور تعلیم سے آشنا کرنا ہے اور اس کی معنویت کا قائل کرنا ہے۔ مشرق ومغرب کے غیر مسلم عقلاء او علماء کو یہ کتاب براہ راست مخاطب کرتی ہے تاہم خود تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے بھی یہ اتنی ہی ضروری اور مفید ہے اور انہیں قرآن کے پیغام سے آشناء کرنے والی ایک بہترین کاوش ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے مسلم طلباء وطالبات اس کتاب سے خاص طور سے استفادہ کرسکتے ہیں اور مدارس دینیہ کے طلباء یا فارغین کے علم اور ذہنی افق کو وسیع کرنے کے لئے بھی یہ ایک مفید علمی سرمایہ ہے۔ اسی مقصد سے اس کا ترجمہ شائع کیا جارہا ہے۔ اصل کتاب بڑے سائز کے ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، تاکہ قارئین کے لئے اس کا حصول اور اس سے استفادہ آسان ہو۔ فی الحال پہلی جلد شائع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کانسیپٹس آف قرآن کو اردو قالب میں ڈھالتے ہوئے مترجم یعنی راقم السطور نے پوری کوشش کی ہے کہ مصنف کی تحریر کو انگریزی عبارت کی ترتیب اور اس میں استعمال کئے گئے الفاظ کی زیادہ سے زیادہ پابندی کرتے ہوئے اردو کے تحریری اسلوب میں ترجمہ کیا جائے تاکہ ترجمہ کا حق بھی حتی الامکان پورا ہو اور اردو عبارت کی روانی بھی برقرار رہے۔ مصنف کی انگریزی تحریر نسبتاً آسان اور سہل البیان ہے تاہم وہ انگریزی زبان کے ایک کہنہ مشق ادیب اور مصنف ہیں اور ان کی زبان عامیانہ نہیں بلکہ خاصی معیاری ہے۔ اسی کا لحاظ کرتے ہوئے اردو میں بھی تحریر کو سہل اور سلیس رکھنے کی کوشش کے ساتھ الفاظ کے استعمال میں اعلیٰ ذوقِ مطالعہ کے حامل اردو خواں حضرات کے معیار کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ قرآنی آیات کو کمپیوٹرائزڈ متن سے نقل کیا گیا ہے اور ان کا ترجمہ ان پیج اردو سافٹ ویر میں موجود مستند ترجمہ سے لیا گیا ہے۔ ترجمہ کی صحت کو دوسرے اہم اور معروف مترجمین قرآن کے ترجموں سے ملا کر دیکھ لیا گیا ہے۔

میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے یہ اہم اور مبارک علمی خدمت میرے حصہ میں لکھی۔ اور پھر اپنے کرم فرما جناب ڈاکٹر سید ظفر محمود صاحب صدر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے اس اہم علمی خدمت کا موقع دیا۔ زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا مسلمانان ہند کے ہمہ جہتی ایمپاورمنٹ کی کوششوں میں سرگرم ہے۔ ''قرآن کے تصورات: ایک موضوعاتی مطالعہ'' کی اشاعت ملت اسلامیہ ہند کی روحانی تقویت کاری کے لئے ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرے اور زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ افراد اس کتاب سے استفادہ کرکے قرآن کے پیغام کو سمجھنے کا موقع پائیں۔ اللہ تعالیٰ زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کی طرف سے اس کام کو قبول فرمائے اور اس کے ترجمہ واشاعت میں صدر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا کی ذاتی دل چسپی کا بہترین صلہ انہیں عطا فرمائے۔ آمین

عدیل اختر

ایڈیٹر: زکوٰۃ انڈیا؛ انچارج: شعبہ دعوت وتبلیغ زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا (پی ایس پی ٹی)

دیباچہ

’’۔۔۔ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ اللہ عدل و احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو‘‘ (القرآن ۱۶:۸۹،۹۰)۔

قرآن وہ کتاب ہے جو اللہ کے پیغام کو، جو کہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، لانے والے نبی اور پیغمبر محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے بتدریج نازل کی۔ نزول قرآن کا یہ سلسلہ ۶۱۰ عیسوی میں شروع ہوا جبکہ محمد ﷺ کی عمر مبارک ۴۰ سال تھی، اور ان کی وفات یعنی ۶۳۲ عیسوی تک یہ سلسلہ چلا۔ یہ پیغام جس عقیدہ کو اپنانے کی دعوت لوگوں کو دیتا ہے اسے اسلام کہا جاتا ہے جس کا مطلب عربی میں ’’اللہ کے حضور خود سپردگی‘‘ ہے اور یہ لفظ قرآن میں اللہ کے تمام پیغامات کے لئے استعمال ہوا ہے جو پیش رو پیغمبروں کے ذریعہ آیا، مثلاً حضرت نوحؑ (Noah)، ابراہیمؑ (Abraham)، یعقوبؑ (Jacob)، یوسفؑ (Joseph) اور دیگر پسماندگان یعقوب، موسیٰ (Muses)، سلیمان (Soloman)، عیسیٰ (Jesus)، دیکھیں آیاتِ قرآنی ۲:۱۲۸، ۱۳۰ ـ ۱۳۳، ۳:۵۲، ۴۴:۱۱۱، ۷:۱۲۶، ۱۰:۷۲، ۱۲:۱۰۱، ۳۳:۸۷، ۲۷:۴۴، ۲۸:۵۳)۔ اس طرح وہ آیاتِ قرآنی جو اسلام کو ایک ایسے عقیدے کے طور پر پیش کرتی ہیں جو اللہ کے نزدیک مقبول ہے، سمجھی جانی چاہئیں۔ [جیسے: ۳:۱۹، ۸۵، ۶:۱۲۵، ۳۹:۲۲، ۶۱:۷] اللہ کے حضور خود سپردگی یا ’’اسلام‘‘ کو اس وسیع مفہوم میں تمام انسانیت اور تمام مخلوقاتِ الٰہی کے لئے قرآن میں بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ [جیسے: ۲:۱۱۲، ۳:۸۳، ۴:۱۲۵، ۶:۱۷، ۳۱:۲۲، ۳۹:۵۴، ۴۱:۳۳، ۴۳:۶۹، ۴۶:۱۵، ۵۱:۳۶، ۶۸:۳۵، ۷۲:۱۴]۔

’قرآن‘ ایک عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ’’پڑھی یا قرائت کی جانے والی کتاب‘‘ (۷۵:۱۷،۱۸)۔ یہ لفظ اس کتاب کے لئے پوری کتاب میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے (۲:۱۸۵، ۴:۸۲، ۵:۱۰۱، ۶:۱۹، ۷:۲۰۴، ۹:۱۱۱، ۱۰:۱۵، ۳۷، ۶۱، ۱۲:۳، ۱۵:۱، ۸۷، ۹۱، ۱۶:۹۸، ۱۷:۹، ۴۱، ۴۵ تا ۴۶، ۶۰، ۷۸، ۸۲، ۸۸ تا ۸۹، ۲۰:۲، ۱۱۴، ۲۵:۳۰، ۳۲، ۲۷:۶، ۷۶، ۹۲، ۲۸:۸۵، ۳۴:۳۱، ۳۶:۲، ۶۹، ۴۱:۲۶، ۴۳:۳۱، ۴۷:۲۴، ۵۰:۱، ۴۵، ۵۴:۱۷، ۵۵:۲، ۵۶:۷۷، ۵۹:۲۱، ۷۳:۴، ۲۰، ۷۶:۲۳، ۸۴:۲۱، ۸۵:۲۱)۔ یہ عربی میں نازل ہوئی اور خود اس وحی میں ہی اسے ایک عربی کتاب کہا گیا ہے (۱۲:۲، ۲۰:۱۱۳، ۳۹:۲۸، ۴۱:۳، ۴۴، ۴۲:۷، ۴۳:۳)۔ اسے ’’الکتاب‘‘ (The Book) بھی کہا جاتا ہے، اور اسے محمد ﷺ کی پیغام کی صداقت کے لئے ایک ناقابل

تردید دلیل قرار دیا گیا ہے جس کے سامنے کسی مادی معجزہ کی ضرورت نہیں ہے: ’’اور وہ کہتے ہیں کہ اُس کے اوپر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزاتی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ان سے کہو،نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبردار کرنے والا ہوں۔۔۔‘‘(۲۹:۵۰،۵۱)۔قرآن یا اس کی کسی حصہ کے مشابہ کوئی چیز لانے کا چیلنج بھی ان آیات میں دیا گیا ہے (۲:۲۳، ۱۰:۳۸، ۱۱:۱۳، ۱۷:۸۸)۔

قرآن کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر رسالت ختم ہوگئی اور ان کے ذریعہ آنے والا الٰہی پیغام حتمی ہے [۳۳:۴۰]؛ اور اس طرح یہ کتاب ہی ان کے پیغام کی مستقل اور دائمی شہادت ہے جبکہ کوئی مادی معجزہ یا نشانی اپنا اثر اور تاثر صدیاں بیت جانے کے بعد کھو سکتی ہے۔قرآن کی ابتدائی آیاتِ وحی پڑھنے اور سیکھنے پر زور دیتی ہیں: ’’پڑھو اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم عطا کیا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا‘‘ [۹۶:۳ تا ۵]۔کسی مادے معجزے کے بجائے قرآن اپنے قارئین کو مشاہدے اور اللہ کی تمام تخلیقات میں موجود اس کی نشانیوں نیز خود قرآن اور اس میں بیان کردہ اللہ کے پیغام پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن کو ’’الذکر‘‘ بھی کہا گیا ہے یعنی یاد دہانی کرانے والی یا نصیحت کرنے والی کتاب، کہ یہ نوع انسانی کو یہ توجہ دلاتی ہے کہ پوری کائنات اور اس کے خالق کے ساتھ اس کا رشتہ کیا ہے [۳:۵۸، ۱۵:۶، ۹، ۱۶:۴۴، ۳۶:۶۹، ۴۱:۴۱]۔چوں کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغام کو پیش کرتی ہے اور ان کی صداقت کی گواہی دیتی ہے اس لئے یہ اللہ کی نشانیوں اور اس کی تخلیق اور اس کی نازل کردہ کتاب میں دی گئی ہدایت پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے انسانوں کو اپنی عقل استعمال کرنے کی دعوت دیتی ہے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ جو لوگ اپنی عقل استعمال کرتے ہیں اور غور وفکر کرتے ہیں انہی کو علم حاصل ہوتا ہے اور وہی درحقیقت اس پیغام کو سمجھتے ہیں (’۲:۷۳، ۲۴۲، ۳:۱۱۸، ۱۲:۲، ۲۴:۶۱، ۵۷:۱۷، ۲:۲۱۹، ۳:۱۹۱، ۷:۱۷۶، ۱۸۴، ۱۰:۲۴، ۱۶:۴۴، ۳۰:۸، ۲۱، ۵۹:۲۱، ۲:۱۹۷، ۲۶۹، ۳:۱۹۰، ۱۹۱، ۵:۱۰۰، ۱۲:۱۱۱، ۳۸:۲۹، ۶۵:۱۰، ۲:۲۲۱، ۲۶۹، ۱۴:۲۵، ۱۷:۴۱، ۲۸:۴۳، ۵۱، ۳۹:۲۷، ۴۴:۵۸، ۲:۱۰۲ تا ۳، ۲۳۰، ۷:۳۲، ۱۲:۴۰، ۲۱:۲۴، ۲۹:۶۴، ۳۴:۲۸، ۳۹:۹، ۶:۶۵، ۶۳:۳]

قرآن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات تک کئی سالوں پر محیط ان کی رسالت کے دوران بتدریج نازل ہوا۔اس طرح حصہ بہ حصہ نازل ہونے کی وجہ بھی قرآن بیان کرتا ہے کہ اس پیغام اور پیغام بر کے بدلتے ہوئے حالات کو مخاطب کیا جائے: ’’اور جو لوگ حق کا انکار کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس پر ایک بارگی کیوں نہ نازل کیا گیا؟ ہاں ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمھارے ذہن نشیں کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لئے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے) کہ جب کبھی وہ تمھارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے کر آئیں تو اس کا ٹھیک ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی‘‘ (۲۵:۳۲، ۳۳؛ مزید دیکھیں ۵:۱۰۱، ۱۶:۱۰۱ تا ۳، ۱۷:۱۰۶، ۲۰:۱۱۴، ۷۵:۱۶، ۱۷)۔تاہم قرآن مجموعی طور پر اپنے زمانہ نزول کی ترتیب سے یا مضمون وار مرتب نہیں کیا گیا۔پوری وحیِ قرآن ۱۱۴ ابواب میں تقسیم ہے جنہیں سورۃ کہا جاتا ہے، جو آیات پر مشتمل ہیں اور آیات کی تعداد پوری کتاب میں ۶،۲۰۰ ہے۔آیات کی لمبائی اور ان کی تعداد مختلف سورتوں میں مختلف ہے۔

افتتاحی سورۃ (الفاتحہ) جو ہر نماز میں کم سے کم دو بار دوہرائی جاتی ہے جامع طور پر اللہ اور یوم آخرت پر یقین کو پیش کرتی ہے اور اللہ سے انسان کے صحیح تعلق کو ظاہر کرتی ہے یعنی یہ کہ انسان صراط مستقیم پر چلنے کے لئے اللہ سے ہدایت کی استدعا کرتے ہیں۔سورہ فاتحہ کے

بعد قرآن میں بقیہ سورتوں کی ترتیب عام طور سے ان کے سائز کے مطابق رکھی گئی ہے؛ سب سے لمبی سورۃ سب سے پہلے آتی ہے، جن کے بعد درمیانی سورتیں آتی ہیں اور پھر مختصر سورتیں آخری حصہ میں آتی ہیں۔ جو سورتیں اس زمانے میں نازل ہوئیں جب محمد ﷺ مکہ میں تھے وہ عام طور سے چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہیں اور قرآن کی مختصر سورتیں زیادہ تر مکہ میں ہی اتریں۔ مکی سورتوں میں زیادہ زور عقیدے کی بنیادوں، صبر واستقامت اور دیگر اخلاقی قدروں پر دیا گیا ہے جو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو اپنے اندر پیدا کرنی ضروری ہیں، اور اللہ کی طرف سے پہلے آچکے پیغامات اور ان لوگوں کے انجام کا تذکرہ ہے جنھوں نے ڈھٹائی کے ساتھ حق کو جھٹلا دیا، نیز ان انعامات کا تذکرہ ہے جو اللہ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ایمان اور عمل صالح کو اختیار کرنے والے ہیں۔ حق کو قبول کرنے اور ایمان پر قائم ہونے کو ہمیشہ صالح اعمال اور دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ پیش آنے سے جوڑا گیا ہے کہ قرآن کی ۵۷ آیتوں میں یہ عناصر لا ینفک طریقے سے بیان ہوئے ہیں۔ مکہ میں نازل ہونے والی وحی ان عبادات سے بھی تعلق رکھتی ہے جو کہ معبودیت کی ابتدائی اور بنیادی شکلیں ہیں جو ایک مسلمان سے مطلوب ہیں، ساتھ ہی ساتھ غرباء کو زکوٰۃ دینے کی تعلیم بھی اس میں دی گئی ہے اگرچہ اس کی تفصیلات اس میں نہیں ہیں۔

مدینہ میں جہاں مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اپنی پہلی ریاست قائم کی، قرآن نے افراد، خاندان، سماج اور ریاست کے سلوک کو منظم کرنے کے لئے بتدریج رہنمائی فراہم کی اور اسی کے ساتھ ان بنیادی تعلیمات پر زور دیا جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ یا ان میں سے کچھ موضوعات مکہ یا مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں ساتھ ساتھ آتے ہیں، اس طرح کہ ایک سورۃ مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہے اور کسی بھی سورۃ کا قاری اللہ کے پیغام کو بخوبی جان سکتا ہے اور ان متعدد موضوعات سے مستفید ہوتا ہے جن سے پوری سورۃ میں ان کا باہمی ربط، روانی اور ہم آہنگ ادائیگی میں کوئی کمی نہیں آتی: ''اور بے شک ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا (۵۴:۱۷)۔ اس طرح کوئی بھی سورۃ قرآن میں پیش کردہ اسلام کے پیغام کی حکمت، باہمی ربط اور وحدت کی مثال پیش کرتی ہے (مثلاً خالق اور مخلوق کا تعلق، تخلیق کے اجزائے ترکیبی کا باہمی تعلق، انسانوں کا باہمی تعلق اور ان کا کائنات اور کائنات کے خالق سے تعلق؛ اس جہاں کی زندگی اور آخرت کی زندگی کا باہمی تعلق وغیرہ۔۔۔)

قرآن کو اس کی پوری تفصیلات کے ساتھ کلام الٰہی ماننے کا اور یہ یقین رکھنے کا کہ یہ ایک طریقہ زندگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس کی خاص باتوں کا احاطہ اس میں کر لیا گیا ہے، مطلب یہ نہیں ہے کہ اس آسمانی کلام کو سمجھنے، اس کی وضاحت کرنے، اس سے نتائج نکالنے، عام اصولوں کے مطابق اسے فروغ دینے اور اسے منطبق کرنے کے لئے اس کلام میں غور وخوض کرنے کی کوئی گنجائش انسانی عقل کے لئے نہیں ہے۔ اللہ کا کلام عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور زبان میں کسی لفظ کے مختلف لسانی معنوں کے اعتبار سے اس کی مختلف توضیحات کی گنجائش ہوتی ہے [مثلاً عربی کا لفظ 'قُرْ' (۲۲۸:۲) ہے جس کا مطلب عورت کے دوران حیض کے ایام 'سرخ' یا دو حیض کے دوران کا عرصہ 'سفید' ہوتا ہے، یا کسی لفظ کی تفہیم کے لئے اس کے متعدد ممکنہ لغوی معنیٰ ہو سکتے ہیں یا کوئی لفظی یا استعاری طرز ادائیگی سے اس کا مطلب مختلف ہو سکتا ہے [مثلاً پانی کی موجودگی میں غسل کی وجہ کے لئے ''عورت کو چھونا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں (۴۳:۴، ۶:۵)، اب اس کے لغوی معنیٰ محض چھونا لئے جائیں یا استعارۃً اس کا مطلب جماع کرنا ہے؟] عقل انسانی کو اس کے ممکنہ متبادل معنیٰ لینا ہوں گے اور قرآن میں دوسرے مقامات پر متعلقہ متن اور سنت مصدقہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور کلام کے مقصد و مدعا کو سمجھتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اس حکمت الٰہی کے نزول سے اس کی زیادہ سے زیادہ مطابقت کیا ہو سکتی ہے، لفظ کا سب سے زیادہ قابل قبول مطلب متعین کرنا ہوگا۔ متعدد مقامات پر یکساں یا متعلقہ متن اور سنت مصدقہ کے درمیان ممکنہ باہمی تعلق کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے اور عقل انسانی سے اس

بات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کوئی عمومی یا مطلق قاعدہ کیا ہوسکتا ہے اور کوئی مخصوص یا تحدیدی معاملہ کیا ہوسکتا ہے۔قرآن کی ترجمانی، وضاحت اور اسے توسیع دینے و منطبق کرنے کے لئے یہ عقلی کاوشیں ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہیں اور ایک ہی شخص کے لئے تبدیلی زمانہ کے لحاظ سے بھی اس میں فرق ہوسکتا ہے۔انسانی ذہن سماجی وثقافتی حالات سے متاثر ہوتا ہے اور اس لئے ایسی عقلی کاوشیں مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر الگ الگ نتیجوں تک لے جاسکتی ہیں۔چنانچہ قرآن جس سماجی وثقافتی پس منظر میں نازل ہوا اسے سمجھنے کے لئے رسول اللہؐ کے زمانے میں عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ کے سماجی وثقافتی حالات کو جاننا ضروری ہے۔نیچرل اور سوشل سائنس اور ہیومن اسٹڈیز ہمیں قرآن کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں کیوں کہ قرآن کے بیانات اور ہدایات میں باہمی تعلق ہے، وہ محض کچھ منتشر الفاظ نہیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ سمجھا جائے۔ایک مثال پر غور کیجئے: قدرت، افراد اور سماج کے بارے میں اپنے معاصر علم کی روشنی میں ہم ان آیات کو آج کس طرح سمجھ سکتے ہیں اور ان کی تشریح کر سکتے ہیں جو سیاسی اور سماجی اقتصادی قوتوں کے سلسلے کو رات اور دن آنے جانے اور زندگی و موت کے حوالے سے پیش کرتی ہیں [۳:۲۶، ۲۷]۔کسی بھی متن کے فہم اور اس کی ترجمانی کے لئے اس کے ہر لفظ کے تاسیسی معنوں سے کہیں زیادہ علم کی ضرورت ہوتی ہے، ہدف کے تئیں ایک مناسب عقلی طریقہ اختیار کرنے کے لئے لسانی تناظر اور سماجی وثقافتی پس منظر کا علم ناگزیر ہے۔

یہ بات کسی بھی طرح قرآن کے پیغام اور اس کی ہدایت کے دائمی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔قرآن اپنے آفاقی پیغام پر بار بار زور دیتا ہے [مثلاً ۱۲:۱۰۴، ۲۱:۱۰۷، ۲۵:۱، ۶۸:۵۲، ۸۱:۲۷]۔چنانچہ یہ مجموعی طور پر تمام ''بنی آدم'' کو بار بار مخاطب کرتا ہے [۷:۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲؛ ۱۷:۷۰، وغیرہ]، اسی طرح ''یا ایھا الناس'' کہہ کر مجموعی طور سارے انسانوں کو خطاب کرتا ہے [۲:۲۱، ۵، ۴۹، ۷۳؛ ۳۱:۳۳؛ ۳۵:۳، ۵، ۱۵؛ ۴۹:۱۳، وغیرہ]۔تاہم قرآن کا پیغام ساری انسانیت کو ایک انسانی ذریعہ سے ہی اور ایک خاص وقت اور مقام سے ہی پہنچنا ہے: ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے [۶:۱۲۴]، ''اور درحقیقت یہ (پیغام) تمھارے لئے اور تمھاری قوم کے لئے ایک بہت بڑا اشرف ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی [۴۳:۴۴] ۔چنانہ اللہ کے فیصلہ اور منصوبے کے مطابق ساری انسانیت کے لئے اس کے آخری اور حتمی پیغام کو پہنچانے والا ایک عرب بنا [۳۳:۴۰]، اور اس آخری آسمانی وحی کی زبان عربی ہوئی۔اس پیغام کے اولین مخاطب عرب تھے کہ یہ ان کے درمیان نازل ہوا، پھر عربوں کے ذریعہ وہ دوسرے لوگ اس کے مخاطب ہوئے جنھوں نے اسے پہلے پہل قبول کیا، پھر سارا عالم انسانیت اور مختلف مقامات پر بسی مختلف انسانی نسلیں۔پیغام کا مضمون اور اس کا جوہر آفاقی ہے، البتہ یہ ضروری تھا کہ اس کی شکل اور ڈھانچہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عرب مخاطبین کے لئے لائق فہم ہوتا کہ وہ اس پیغام کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے اہل ہوں اور تاکہ خود یہ پیغام بھی باقی رہ سکے اور عربوں کے درمیان یہ پھیل جائے۔اس آخری الٰہی پیغام کو بخوبی سمجھنے کے لئے اور کسی بھی ممکنہ ابہام سے، جو کبھی پیدا ہوسکتا ہو، بچنے کے لئے ان دونوں حقائق کو لاینفک طریقے سے ایک ساتھ ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

مثال کے طور پر، آیات ۵۴:۱۶، ۱۷ کو پوری سورۃ میں کئی بار دوہرایا گیا ہے اور آیت ۵۵:۱۳ اسی سورۃ میں ۳۱ بار دوہرائی گئی ہے، لیکن اس گردان کو فضول نہیں سمجھا جاسکتا اگر یہ ذہن میں رکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس کے اولین مخاطب عرب لوگ اپنی ثقافت اور ادب میں اس طرح کی تکرار کے عادی تھے اور اس سے متاثر ہوتے تھے۔وہ اپنی شاعری میں ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف چلے جانے اور پھر کسی کہی ہوئی بات کی طرف دوبارہ پلٹ آنے کے عادی تھے، ایسا نہ ہوتا تو تب کوئی سوچتا کہ

پیغمبر ﷺ ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف جا کر طوالت اختیار کرتے ہیں۔ محمد اسد، اللہ ان کی مغفرت کرے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے، جو اگرچہ غیر عرب تھے لیکن عربی زبان کا گہرا علم انھوں نے حاصل کیا تھا، انھوں نے اپنی کتاب ''دی میسیج آف قرآن'' کے پیش لفظ میں اس عربی اسلوب کو بڑی خوبصورتی اور درستگی سے اخذ کیا ہے۔ شاہکار عربی ادب میں عرب کی ثقافتی روایات سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ اس طرح قرآن کو اس کی ساخت اور اسلوب میں ''ذہن نشین کرنے کے لئے آسان'' [۵۴:۱۷] بنایا گیا ہے۔ قرآن کے ایک سنجیدہ طالب علم کو نزول قرآن کے زمانے کے، عرب، عرب کے باشندوں اور عربی زبان کو جاننا ہوگا اور جیسا کہ اسد نے اپنے پیش لفظ میں مختصراً اس کی نشان دہی کی ہے اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ قرآن کے کچھ بیانات، خصوصاً غیر مرئی تصورات سے متعلق الفاظ کے مطالب وقت گزرنے کے ساتھ بدل گئے ہیں۔ عظیم اسلامی اسکالر محمد عبدہٗ نے اس نکتہ کو اجاگر کیا ہے کہ کچھ معروف یا زبان دانی کے اعتبار سے قابل بھروسہ مفسرین قرآن بھی کہیں کہیں اس لحاظ سے بہک گئے ہیں۔ دوسری طرف، ''ایلپٹیزم'' عربی محاوروں کی، اور اسی لئے قرآن کی زبان کی، ایک ناقابل تنسیخ خصوصیت'' رہی ہے جیسا کہ اسد نے لکھا ہے۔

قرآن کی ان دو جہتوں یعنی آفاقی نوعیت اور مخصوص نوعیت کے لحاظ سے اس کا اصلاحی پیغام اولین طور پر اس وقت کے عرب معاشرے اور اس کے بعد تدریجی طور پر ہر اس معاشرے کے لئے ہے جہاں تک یہ کبھی بھی پہنچے۔ بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کا خطاب ہمارے زمانے کے واضح ترین اور قابل فہم انداز میں خود ہماری عصری ضروریات سے بحث کرتا ہے۔ چنانچہ، ہم اس بات کی طرف دھیان نہیں دیتے کہ پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں اس وقت کے عرب لوگ کس طرح ایک ایسے پیغام سے متاثر ہوئے ہونگے، اس پر ایمان لائے ہوں گے، اسے سمجھا ہوگا اور اسے دوسروں تک پہنچایا ہوگا، جس کا مطلب ان کے لئے بہت بعید از فہم تھا۔ کیا قرآن نے ان مخصوص مخاطبین اور اس زمان و مکان کو جو اس کے آفاقی اور ابدی پیغام کے لئے ایک درمیانی واسطہ تھے آفاقیت اور ابدیت کے لئے قربان کر دیا؟ کیا یہ عربوں کے دل و دماغ تھے، جو بعد میں دوسرے مقامات پر دوسروں کے دل و دماغ جیتنے کے لئے باقی نہیں بچے، اور اس طرح اس نے حال اور مستقبل دونوں کو گنوا دیا۔ اور آخر یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ جو بات آج ہمارے ذہنوں اور ہماری ضروریات سے موزونیت رکھتی ہے، آنے والی دہائیوں اور صدیوں میں ماورائے فہم نہیں ہو جائے گی۔

آج کی دنیا میں، ہمیں یہ لگ سکتا ہے کہ قرآن نے اگر غلامی، جنگ اور عورتوں یا کسی خاص نسل یا فرقے یا کسی خاص عقیدے کے تئیں تفریق و ناانصافی جیسے موضوعات پر صاف لفظوں میں قدغن لگا دیا ہوتا تو وہ سب لوگوں کے دلوں اور دماغوں کے قریب تر ہوتا۔ لیکن قرآن کو اپنی تعلیمات اس طرح براہ راست اور متعین طریقے سے کیوں پیش کرنی چاہئیں اور ذہن انسانی کے رول اور ذمہ داری کو کیوں نظر انداز کر دینا چاہئے جسے عمومی اہداف اور اس پیغام کے اصولوں، اور اس کے مطلوبات و استرداد کی مختلف سطحوں، اور مستقل ہدایت الٰہی و تغیر پزیر انسانی حالات کے درمیان باہمی تعلق اور تعامل سے ہمیشہ جستجو رکھنی ہے؟ کیا انسانی ذہن اللہ کی دوسری بخششوں۔ مثلاً آسمانی ہدایت۔ کی طرح انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا تحفہ وعطیہ نہیں ہے جسے اس کے پیغام کو سمجھنے کے لئے اور اسے منطبق کرنے کے لئے تعامل کرنا ہے؟ قرآن سماجی و ثقافتی ترقی کے فطری قوانین کو کیوں نظر انداز کرے اور اس پیغام کے زمانہ و مقام نزول میں انسانی ذہن کے ابہام اور استرداد کا خطرہ مول لے؟ عقل انسانی ایک قیمتی شے ہے، اسے اللہ نے، جس نے انسان کو عقلی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور قرآن کو اس کے ہمہ جہت اور پیچیدہ ڈھانچہ کے ساتھ تغیر پزیر حالات کو انگیز کرنے کے لئے نازل کیا ہے، قرآن کا گہرا اور وسیع فہم حاصل کرنے کا مکلف بنایا ہے۔ غلامی کو آج قرآنی اصولوں کی روشنی میں مطلقاً یا بالواسطہ طریقے سے یا تدریجاً ممنوع سمجھا جا سکتا ہے، لیکن یہ فہم ہمیں انسانی ذہن اور

سماجی وثقافتی ارتقا کی بدولت ہی حاصل ہوا ہے۔ یہ علماء کی مستقل ذمہ داری ہے کہ مختلف زمانوں اور مقامات میں انسان کے دماغ اور دل کو قرآن کے جوہر اور مافیہا سے روشناس کریں، حالانکہ قرآنی انداز میں اس پر درک حاصل کرنا مشکل لگتا ہے۔قرآن کا اعجاز دائمی ہے اور اسے ذہن انسانی کی حرکیات سے، جو کہ انسانیت کے نام اللہ کے حتمی پیغام کے جوہر کو سمجھنے کے لئے مزید گہرائی اور گیرائی میں جاسکتا ہے، بار بار سمجھا جاسکتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے عبداللہ یوسف علی کی تصنیف ''دی مینگ آف دی قرآن'' کے دیباچہ میں یہ بصیرت افروز الفاظ لکھے ہیں:''قرآن ایک بےنظیر کتاب ہے۔۔۔(اسے پڑھنے والا) یہ دیکھتا ہے کہ یہ کتاب عقیدے سے بحث کرتی ہے، اخلاقی ہدایات دیتی ہے،قوانین دیتی ہے،لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتی ہے، ایمان نہ لانے والوں کو خبردار کرتی ہے، تاریخی واقعات سے درس عبرت دلاتی ہے، برے انجام سے ڈراتی ہے اور اچھے انجام کی بشارت دیتی ہے۔۔۔ یہ ساری چیزیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس میں ایک دوسرے سے وابستہ کرکے پیش کی گئی ہیں۔ایک ہی مضمون کو مختلف انداز سے بار بار دوہرایا گیا ہے اور ایک کے بعد دوسرا مضمون بغیر کسی ظاہری مناسبت کے چلا آتا ہے۔خطیب، مخاطب اور خطاب کا رخ بغیر کسی پیشگی تمہید کے ایک دم بدل جاتا ہے۔کہیں بھی ابواب یا مضامین کی تقسیم کی کوئی علامت نہیں دی گئی ہے۔فلسفہ اور مابعدالطبیعات کے مسائل کو ان مضامین کی درسی کتابوں سے بالکل مختلف انداز میں چھیڑا گیا ہے۔انسان اور کائنات کا ذکر نیچرل سائنس سے بالکل مختلف انداز میں کیا گیا ہے۔اسی طرح یہ ثقافتی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کے حل میں خود اپنے طریقے کی پیروی کرتی ہے اور قانون کے اصول وضوابط سے ماہرین سماجیات، وکلاء اور ججوں سے بالکل مختلف انداز میں بحث کرتی ہے۔ اخلاقیات کا درس اس طرح دیا گیا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔۔۔قرآن کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کے لئے اس کتاب کے انداز، اس کے مرکزی مضمون اور اس کے مقاصد واہداف کو سمجھنا ضروری ہے۔قرآن کے قاری کو اس کے اسلوب، اصطلاحوں اور طرز ادا سے بھی بخوبی مانوس ہونا چاہئے۔قاری کو وہ پس منظر اور حالات بھی ذہن میں رکھنے چاہئیں جس میں کوئی خاص حصہ نازل ہوا ہے۔''

''قرآن کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کتاب ہدایت ہے۔۔۔اس کا مخاطب انسان ہے: یہ انسان کی زندگی کے ان پہلوؤں سے بحث کرتی ہے جو اس کی حقیقی کامیابی یا حقیقی ناکامی کا ذریعہ بنتے ہیں۔اس کا مرکزی موضوع ''حقیقت زندگی'' کو عیاں کرنا اور اس بنیاد پر ''صحیح راستہ'' کی دعوت دینا ہے۔۔۔اس کا مقصد اور مدعا آدمی کو صحیح راستہ کی طرف بلانا اور راہ ہدایت کو واضح کردینا ہے۔۔۔آدمی کو ان سماجی، تاریخی اور دیگر عوامل یا حالتوں کو جاننا چاہئے جو کسی خاص مضمون کی وضاحت میں مددگار ہوسکتے ہیں۔قرآن کسی مبسوط کتاب کی طرح نازل نہیں ہوا۔۔۔علاوہ ازیں یہ عام روایتی انداز کا کوئی ادب پارہ بھی نہیں ہے۔۔۔قرآن اس اسلامی تحریک کی رہ نمائی کے لئے جو اللہ کے رسول ﷺ نے شروع کی تھی خود اپنا ایک منفرد اسلوب اختیار کرتا ہے۔۔۔مدینہ میں جیسے جیسے حالات تبدیل ہوتے گئے، اور ہر بدلی ہوئی حالت کے کچھ اپنے مخصوص مسائل تھے، اللہ نے پیغمبر ﷺ پر موقع ومحل کی ضرورت کے لحاظ سے مخصوص قسم کے طرز عمل کے لئے وحی نازل کی۔۔۔ان میں کہیں ایک متنبہ کرنے والی شعلہ افشانی ہے اور کہیں ایک حاکم کے شاہانہ فرمان ہیں۔کہیں ایک استاد ومربی اور مصلح کا انداز اختیار کیا گیا ہے؛ اور ایک جماعت کو منظم کرنے، ایک ریاست قائم کرنے، اور زندگی کے مختلف معاملات کو برتنے کے لئے ایک اچھی تہذیب وتمدن کی تشکیل کے طریقے اور اصول سکھائے گئے ہیں۔کہیں اسلامی ریاست کی پناہ میں آجانے والے منافقین اور کفار کے ساتھ سلوک کی ہدایات دی گئی ہیں۔ پھر ایک طرف مسلمانوں کو یہ سکھایا گیا کہ وہ اہل کتاب، مخالف قوتوں اور ان کے اتحادیوں کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھیں۔دوسری طرف انہیں مالک کائنات کے نائب کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے تعلیم وتربیت

دی گئی اور ان کی تنظیم کی گئی۔ کہیں ان کی رہ نمائی کے لئے ہدایات دی گئیں، اور ان کی کمزوریوں پر انہیں متنبہ کیا گیا اور انہیں اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ابھارا گیا۔ تو دوسری طرف انہیں وہ اخلاق سکھائے گئے جس کی ضرورت انہیں شکست و فتح میں، بدحالی وخوش حالی میں اور جنگ و امن میں تھی۔۔۔ قرآن کے مختلف حصے اس تحریک کے مختلف مراحل میں پیش آنے والی ضروریات کے لحاظ سے نازل ہوئے۔ چنانچہ اس طرح کی کسی کتاب میں رسمی کتابوں کی طرح اسلوب کی یکسانیت نہیں ہوسکتی۔۔۔ یہ اپنے بنیادی نظرئے اور اصولوں کو مناسب مقامات پر دوہراتی رہتی ہے۔۔۔ گوکہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے یہ کتاب نازل ہونا تھی لیکن اس کا نزول ۲۳ سال میں مختلف مراحل کی ضروریات اور مطلوبات کے مطابق ٹکڑوں میں ہوا۔ مطالعہ قرآن کے کسی مرحلے پر (نظم قرآن میں) یک طرفہ پن سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مکی سورتیں مدنی سورتوں کے درمیان میں۔۔۔ اور بعد میں نازل ہوئی سورتیں پہلے نازل ہوچکی سورتوں کے درمیان میں وارد ہوں تاکہ مکمل اسلام کی پوری صورت ہمیشہ قاری کے سامنے رہے۔ قرآن پوری نوع انسانی کی ہدایت کا دعوے دار ہے لیکن قاری یہ دیکھتا ہے کہ اس کا خطاب خاص طور پر ان عربوں سے ہے جو اس کے نزول کے وقت موجود تھے۔ گوبعض اوقات یہ دوسرے لوگوں اور عمومی طور پر تمام انسانوں کو بھی مخاطب کرتا ہے لیکن خاص طریقے سے یہ ان چیزوں کا تذکرہ کرتا ہے جو کہ عربوں کے ذوق کو اپیل کرتی تھیں اور ان کے ہی ماحول، تاریخ اور رسوم وروایات سے ان کا تعلق تھا، اس کے باوجود قرآن عرب کے دین مخالف لوگوں کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ ہر زمانے میں اور ہر مقام پر پائے جانے والے اس طرح کے لوگوں کے لئے بھی پوری طرح صحیح ہے۔ اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایسے آفاقی پیغام وحی کو ایک مقامی یا وقتی قرار دے کر مسترد کردیا جائے صرف اس لئے کہ اس نے کسی خاص زمانہ میں کسی خاص قوم کو مخاطب کیا۔ دنیا میں کوئی فلسفہ، کوئی طریقہ زندگی اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو شروع سے آخر تک مجملہ طور پر ہر بات کو بغیر کسی مخصوص معاملے اور متعین مثال کے پیش کرتا ہو۔۔۔۔۔۔۔'' [pp.xxi, xxiii, xxv, xxvi, xx, xxxii, xxxvii, xxxviii]-

درحقیقت قرآن کا کثیر جہتی طریقہ اور ایک سورۃ کے اندر متعدد مضامین کا بیان مختلف قسم کے رویوں اور مزاج والے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے: ''ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لئے بیان کردی ہیں، لیکن انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے (۱۸:۵۴، مزید ملاحظہ کریں ۱۷:۴۱،۸۹؛ ۲۴:۵۰)؛'' اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں تاکہ وہ انہیں ذہن نشین کریں'' (۳۹:۲۷، مزید ملاحظہ کریں ۳۰:۵۸)۔ تاہم اس طرح متعدد قسم کے انداز بیان اور مضامین سے کسی سورۃ یا پوری کتاب کی روانی، تسلسل اور ہم آہنگی متاثر نہیں ہوتی: ''اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ((۴:۸۲)۔

قرآن کا مستقل آفاقی پیغام فرد اور سماج کی اصلاح کے لیے اس کے پیش کردہ اصولوں میں ہے۔ ابتدائی طور پر اگرچہ اس کا خطاب اس کے نزول کے وقت عربوں سے تھا تاہم اس کا روئے سخن کسی خصوصی طبقہ کی طرف نہیں ہے جو غالب ہو اور دوسروں پر اپنی گرفت رکھتا ہو تاکہ اسے اپنے ماتحت لوگوں پر اثر انداز ہونے کا موقع ملے، جیسے مذہبی پیشوا، حکمراں لوگ، قائدین اور دولت مند اشرافیہ۔ اس کے برعکس قرآن اپنی سمت خود طے کرنے کے لئے فرد (مرد یا عورت) کی اور مجموعی طور پر پورے سماج کی انفرادی ذمہ داری پر زور دیتا ہے (مثلاً ۶:۹۴؛ ۱۷:۱۳،۱۴؛ ۱۹:۸۰،۹۵؛ ۳۴:۴۶)، اور طاقتور لوگوں کی نقالی اور پیروی کی مذمت کرتا ہے (۴:۹۷ تا ۱۰۰؛ ۷:۷۵،۷۶؛ ۱۴:۲۱؛ ۳۳:۶۶،۶۷،۶۸؛ ۳۴:۳۱ تا ۳۸؛ ۴۰:۴۷،۴۸)۔ اسی طرح قرآن کا پیغام کسی خاص نسل، خاص گروہ

یا خاص جنس کے لئے نہیں ہے(۳۰:۲۲؛ ۴۹:۱۳؛ ۹:۶۷،۶۸،۷۱،۷۲؛ ۳۳:۳۵؛ ۶۰:۱۰تا۱۲؛ ۶۶:۱۰تا۱۲)۔قرآن بار بار ہر فرد انسانی کو اس کی اپنی فطرت کے لحاظ سے، اور مجموعی طور پر تمام بنی آدم کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے(مثال کے لئے - ۴:۲۸؛ ۱۰:۱۲؛ ۱۱:۹؛ ۱۲:۵؛ ۱۴:۳۴؛ ۱۶:۴؛ ۱۷:۱۱، ۱۳، ۱۴، ۶۷، ۸۳، ۱۰۰؛ ۱۸:۵۴؛ ۲۹:۸؛ ۴۱:۴۹؛ ۴۲:۴۸؛ ۴۶:۱۵؛ ۵۳:۳۹،۴۰،۴۱،۴۲؛ ۷۰:۱۹تا۲۸؛ ۷۵:۱۴،۱۵،۳۶تا۴۰؛ ۷۶:۱تا۳؛ ۸۰:۲۴تا۳۲؛ ۸۲:۶،۷،۸،۸۴،۸۵،۸۶؛ ۸۶:۵؛ ۹۰:۴تا۱۰؛ ۹۵:۴،۵،۶؛ ۹۶:۶،۷؛ ۱۰۰:۶،۷،۸؛ ۱۰۳:۲،۳؛ ۲:۸،۱۳،۲۱،۴۴،۸۳،۱۲۴،۱۲۵،۱۶۴، ۱۶۵،۱۶۸، ۲۰۰،۲۰۱،۲۰۲، ۲۰۴تا۲۰۷،۲۱۳،۲۱۹،۲۵۱،۲۶۴؛ ۳:۴،۱۴،۲۱،۹۶، ۱۱۰،۱۳۴،۱۴۰؛ ۴:۱،۳۷،۳۸، ۵۸،۱۰۵،۱۱۴،۱۳۳،۱۶۱؛ ۵:۳۲؛ ۶:۹۱،۱۲۲،۱۲۸؛ ۷:۱۵۸،۱۷۹؛ ۱۰:۴۴،۵۷،۹۹؛ ۱۱:۸۵،۱۱۸،۱۱۹؛ ۱۴:۱،۶۱؛ ۱۷:۸۹؛ ۲۲:۱تا۵،۱۱،۴۰،۷۳،۷۷،۷۸؛ ۲۹:۲؛ ۳۰:۳۰،۳۹،۴۱،۵۸؛ ۳۱:۱۸،۳۳؛ ۳۴:۲۸؛ ۳۵:۲،۱۵،۲۸، ۴۵؛ ۴۰:۵۷؛ ۴۲:۴۲؛ ۴۹:۱۳؛ ۵۱:۵۶؛ ۵۵:۳۳؛ ۵۷:۲۴،۲۵؛ ۷۲:۶؛ ۸۳:۲تا۶؛ ۹۹:۶،۷،۸؛ ۱۱۰:۱،۲؛ ۱۱۴:۱تا۶؛ ۷:۲۶،۲۷،۳۱،۳۵،۱۷۲؛ ۱۷:۷۰؛ ۳۶:۶۰،۶۱)۔ قرآن کو وہ آیات جو نفس انسانی اور اس کی فطرت سے اپیل کرتی ہیں وہ پوری کتاب میں متعدد مرتبہ آئی ہیں (جیسے ۲:۲۸۱،۲۸۶؛ ۳:۲۵،۳۰؛ ۴:۱؛ ۶:۹۸،۱۰۴،۱۵۲،۱۶۴؛ ۷:۴۲؛ ۱۲:۵۳؛ ۱۷:۱۵؛ ۲۱:۴۷؛ ۲۳:۶۲؛ ۳۱:۲۸،۳۴؛ ۳۲:۱۳؛ ۳۵:۳۲؛ ۳۹:۶،۴۱؛ ۴۷:۳۸؛ ۵۰:۱۶؛ ۵۹:۹،۱۸؛ ۶۵:۱،۷؛ ۷۴:۳۸؛ ۷۵:۲،۱۴؛ ۷۹:۴۰؛ ۸۲:۱۹؛ ۸۶:۴؛ ۸۹:۲۷؛ ۹۱:۷،۸،۹)

مزید برآں،قرآن کا پیغام جس کا خطاب پہلے پہل ایک قبائلی سماج سے تھا،خاندان،سماج اور ریاست و اس کے حکمرانوں سے بھی مستقلاً تعلق رکھتا ہے۔اس میں ''قبائل'' کو جمع کے صیغے میں ''شعوب'' (افراد کے گروہ) کے ساتھ جو کہ خود بھی جمع کے صیغے میں ہے،ذکر گیا ہے اور متعدد انسانی جماعتوں کے بطور صرف ایک ہی بار ذکر کیا گیا ہے،اور مقصد یہ بیان کیا گیا ہے انہیں ایک دوسرے سے واقفیت رکھنی ہے تا کہ انسانیت کے مشترکہ یا اجتماعی مفاد کے لئے وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں (۴۹:۱۳)۔مردوں اور عورتوں کو اسی طرح یکساں طریقے سے مخاطب کیا گیا ہے جیسے وہ یکساں طریقے سے پیدا کئے گئے ہیں اور برابر سے ذمہ دار ہیں (۴:۱؛ ۷:۱۸۹؛ ۹:۶۸،۷۱، ۷۲؛ ۳۳:۳۵،۳۶؛ ۳۹:۶؛ ۶۰:۱۰،۱۱، ۱۲؛ ۶۶:۱۰،۱۱، ۱۲)۔انسانوں کے درمیان باہمی اختلاف انسانی فطرت کا حصہ ہے اس لئے اس سے بچا نہیں جا سکتا،اور ہدایت الٰہی نے تکثیریت پر زور دیا ہے کہ یہی واحد طریقہ ہے جو انسانی فطرت سے میل کھاتا ہے اور اسی سے باہمی فرق واختلاف کا فائدہ ایک منظم،تعمیری اور اخلاقی انداز میں حاصل کیا جا سکتا ہے:''اگر تم میں کسی بات پر باہمی اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان رکھتے ہو'' (۴۹:۵۹)،اور ''اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا،لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو تمھیں دیا گیا ہے اس میں تمھیں آزمائے۔پس تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرو؛تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے،پھر وہ تمہیں ہر چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو'' (۵:۴۸؛ مزید باہمی اختلاف کے آداب کے لئے ملاحظہ کریں ۲:۴۴؛ ۱۶:۱۲۵؛ ۲۹:۴۶؛ ۴۲:۱۵؛ ۴۹:۶،۹تا۱۳؛ ۶۱:۲،۳)،''اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر ایک گروہ کر دیتا،وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے؛سوائے ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے،انہیں تو اسی لئے پیدا کیا گیا ہے'' (۱۱:۱۱۸،۱۱۹)۔اگر مختلف افراد اور گروہ ایک دوسرے سے مکالمہ اور تعاون کریں تو انسانی سماج کے اس تنوع سے نوع انسانی کا بھلا ہو (۳:۱۰۴،۱۱۰؛ ۴:۱۱۴؛ ۵:۲؛ ۳۰:۲۲؛ ۴۹:۱۳)۔عقائد اور خیالات کے اختلافات کو دبایا

نہیں جانا چاہئے کیوں کہ دباؤ سے حقیقی رضا مندی اور سچا اتحاد قائم نہیں ہوتا(۲:۲۵۶؛ ۱۰:۹۹؛ ۱۱:۲۸)۔لوگوں کو اپنے اختلافات انسانی تنوع کو تسلیم کرتے ہوئے اور تکثیریت کے نظرئے سے کام لے کر اخلاقی طریقے اور مناسب ڈھنگ سے برتنا چاہئیں۔صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کے دن ان اختلافات کا فیصلہ کرسکتا ہے، وہی ہر آدمی کی نیت اور اس کے حالات کو بخوبی جانتا ہے(۲:۱۱۳؛ ۳:۵۵؛ ۴:۱۴۱؛ ۵:۴۸، ۱۰۵؛ ۶:۶۰، ۱۰۸، ۱۶۴؛ ۷:۸۷؛ ۱۶:۲۳، ۱۲۴؛ ۲۲:۶۹؛ ۲۸:۷۰، ۸۸؛ ۲۹:۸؛ ۳۱:۱۵، ۲۳؛ ۳۹:۳، ۷)۔ اس دنیا میں انسانوں کے باہمی تعلقات میں جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ ہے اچھے اعمال اور حقیقی تعاون(۲:۶۲، ۱۷۷، ۲۰۳ تا ۲۰۷؛ ۳:۷۵، ۷۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵؛ ۶۰:۷، ۸، ۹)

قرآن اسلام کے مخالفین کی باتوں کو سامنے رکھتا ہے اور ان کے جوابات دیتا ہے اور اس طرح انسانی تنوع کے تئیں قیمتی رہ نمائی فراہم کرتا ہے(۲:۸۰، ۸۱، ۸۲، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳؛ ۳:۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۸۱؛ ۴:۱۲۳، ۱۲۴؛ ۳۶:۴۷؛ ۴۵:۲۴)۔اس باب میں قرآن کی رہ نمائی یہ ہے کہ جوابی دلائل کو بھی بہترین طریقہ سے اخلاقی اور معروضی انداز میں پیش کیا جانا چاہئے(۱۶:۱۲۵؛ ۲۹:۴۶؛ ۴۲:۱۵)؛مشکل ترین صورت حال میں بھی اچھے اور معیاری بحث وجدال کے نمونہ کے لئے ملاحظہ کریں: ۲:۱۳۹؛ ۳:۶۴؛ ۶:۱۳۵؛ ۱۰:۴۱؛ ۱۱:۹۳، ۱۲۱، ۱۲۲؛ ۳۴:۲۴، ۲۵، ۲۶؛ ۲۸:۵۵؛ ۳۹:۳۹؛ ۴۲:۱۵)۔قرآن مسلمانوں اور غیر مسلموں کی فتوحات و شکستوں اور مثبت ومنفی پہلوؤں کو بیان کرتا ہے اور ہر ایک بیان سے اخلاقیات اور برتاؤ کا سبق سکھاتا ہے(۲:۸۳ تا ۸۶، ۹۶، ۱۳۴ تا ۱۳۹، ۱۴۸، ۲۱۶؛ ۳:۷۵، ۷۶، ۱۰۳ تا ۱۰۸، ۱۱۲ تا ۱۱۵، ۱۱۸ تا ۱۲۳، ۱۳۵، ۱۴۰ تا ۱۴۸، ۱۵۲ تا ۱۶۱؛ ۴:۹۵ تا ۱۰۰، ۱۰۴ تا ۱۱۵؛ ۹:۲۳ تا ۲۷، ۳۸، ۳۹، ۴۲ تا ۵۹، ۸۱، ۸۲، ۹۳ تا ۱۰۲، ۱۱۷، ۱۱۸؛ ۲۴:۱۱ تا ۲۵؛ ۳۳:۱۰ تا ۲۰؛ ۴۷:۳۸؛ ۴۸:۱ تا ۷، ۱۱ تا ۱۲، ۱۵، ۱۸ تا ۲۱، ۲۷، ۲۸، ۲۹؛ ۴۹:۲ تا ۵، ۷، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۷)۔اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ انصاف ہونا چاہئے، البتہ انصاف سے بھی بالاتر چیز ہے عفوودرگزر، مہربانی، نرمی اور خیر خواہی، اس پر ہمیشہ زور دیا گیا ہے اور اس پر اللہ مہربان کی طرف سے بہترین انعام کا وعدہ ہے(۴:۵۸، ۱۳۵؛ ۵:۸، ۴۲؛ ۴۹:۹؛ ۵۷:۲۵؛ ۲:۱۰۹، ۱۷۸، ۲۲۹، ۲۳۷؛ ۳:۱۳۴، ۱۵۹؛ ۵:۱۳؛ ۱۵:۸۵؛ ۱۶:۹۰؛ ۳۵:۳۲؛ ۴۲:۳۷، ۴۰ تا ۴۳؛ ۴۱:۳۴، ۳۵؛ ۴۳:۸۹؛ ۶۰:۸؛ ۶۴:۱۴)۔نیکیوں (اچھے کاموں) میں مقابلہ اور مسابقت کو پسند کیا گیا ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے(۲:۱۴۸؛ ۳:۱۲۳؛ ۵:۴۸؛ ۲۳:۶۶؛ ۳۵:۳۲؛ ۵۶:۷ تا ۱۰، ۴۰؛ ۵۷:۱۲؛ ۸۳:۲۶)۔

قرآن میں قدرتی نظام اور قوانین پر زور دیا گیا ہے اور ایمان والوں کو اسے سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی تاکید کی گئی ہے(۶:۹۶؛ ۱۳:۸؛ ۱۵:۱۹، ۲۱، ۲۲؛ ۱۶:۶۶، ۶۸، ۶۹؛ ۲۱:۳۰؛ ۲۳:۹۶؛ ۵۲:۲، ۵۳؛ ۳۶:۳۷ تا ۴۰؛ ۳۵:۲۷، ۲۸، ۴۳؛ ۳۶:۳۷ تا ۴۰؛ ۳۹:۶، ۹؛ ۴۱:۵۳؛ ۴۸:۲۳؛ ۵۱:۲۰، ۲۱؛ ۶۵:۳؛ ۶۷:۳، ۴؛ ۸۲:۶، ۷، ۸؛ ۸۷:۲، ۳؛ ۹۰:۸، ۹، ۱۰؛ ۹۱:۱ تا ۱۰؛ ۹۶:۱ تا ۵)۔اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی چیز اچانک یا بغیر کسی منصوبے کے وجود میں نہیں آتی نہ اسے محض عقیدت سے سمجھا جاسکتا ہے:''وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے، بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کردیں تاکہ تم اس سے سالوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو، اللہ نے یہ سب کچھ برحق پیدا کیا ہے،۔۔۔(۱۰:۵)، ''اور اس نے (نظام آسمانی میں) چاند کو (منعکس ہونے والا) نور اور سورج کو (روشنی دینے والا) چراغ بنایا(۷۱:۱۶)، ''نہ سورج چاند کو پار کرسکتا ہے نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے، سب کے سب (اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس نظام کے تحت) اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں(۳۶:۴۰)، ''۔۔۔تم

رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ بار بار پلٹ کر دیکھو، کہیں کوئی خلل تمھیں نظر آتا ہے؟ (۶۷:۳)، ''۔۔۔اور ہم نے اس (زمین) میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔۔۔'' (۱۵:۱۹)، ''اور وہی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر (اپنی منشاء کے مطابق) اس کی ایک تقدیر مقرر کی (۲۵:۲)، ''تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت (اس کے بنائے ہوئے قوانین) کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے (۳۵:۴۳)۔

انسان خدا نہیں بلکہ خدا کی تخلیق ہے۔ اسے (مرد یا عورت کو) جسمانی، روحانی و اخلاقی اور عقلی و نفسیاتی استعداد کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اور اس کے وقار و اکرام کا ہر طرح سے لحاظ رکھا گیا ہے (۲:۳۰ تا ۳۹؛ ۱۶:۷۰؛ ۵۵:۳، ۴؛ ۸۲:۶، ۷، ۸؛ ۹۰:۸، ۹، ۱۰؛ ۹۱:۷، ۸، ۹، ۱۰؛ ۹۶:۳، ۴، ۵)۔ عورت اور مرد کے درمیان طبعی و نفسیاتی تعلق فطری ہے اور اسے شادی کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے۔ خاندان سماج کی اکائی ہے اور یہ انسانی ترقی کا اولین سماجی واسطہ ہے۔ زوجین کے درمیان اور والدین و اولاد کے درمیان باہمی تعلقات پورے سماج کے لیے نمونہ ہونے چاہئیں (۱۵:۱۷)۔ جہاں ایک طرف یہ بات ہے کہ آپسی میل ملاپ اور محبت سے خاندان مضبوط ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ طبیعتوں کا فرق و اختلاف ایک امر واقعی ہے اور مطلوب ہے اور سے بہترین طریقے سے برتا جانا چاہئے۔ اگر ناگزیر اسباب کی بنا پر ازدواجی تعلق ختم ہونے کی نوبت آ جائے تو بہترین اور شریفانہ طریقے سے علیحدگی کا حکم ہے اور اس عمل میں بچوں کے حقوق کی حفاظت کی تاکید ہے (۳۰:۲۱؛ ۲:۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۱؛ ۴:۶ تا ۱۰، ۲۱، ۳۵؛ ۶۵:۶، ۷)۔ بچوں کی پرورش اس انداز سے کی جانی چاہئے کہ ہر پہلو سے ان کی انسانی شخصیت کا ارتقا ہو اور خود اعتمادی اور اظہار خودی کی صلاحیت ان کے اندر پیدا ہو (۳۱:۱۲ تا ۱۹)۔ اگر فرد کو گھر یا خاندان میں صاف اور شائستہ طریقے سے اظہار خیالات کی تربیت نہ دی جائے تو اس سے سماج میں واضح اور شائستہ انداز سے اپنی بات کہنے کی توقع نہیں کی جاسکتی (۳:۱۰۴ تا ۱۱۰)۔ دولت سے محروم لوگوں کا دولت مندوں کے مال میں حق ہے کیوں کہ دولت کمانا اور اسے بڑھانا ایک ایسا عمل ہے جس میں پورا سماج شریک ہوتا ہے۔ فلاح و بہبود کے مقدس واجبات یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کو پورے قرآن میں عبادت (صلوٰۃ) سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مناسب طریقے سے دولت کمانا اور دنیا کی اس زندگی میں اچھی چیزوں سے مستفید ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے لیکن انسانوں کی اشیائے ضرورت کی تقسیم میں انصاف اور سب کے لئے مساوی مواقع کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ عیش و عشرت میں مست رہنے اور غریبوں و محروموں کو نظرانداز رکھنے کی سخت مذمت قرآن میں کی گئی ہے اور متعدد جگہ اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے (۷:۳۱، ۳۲، ۳۳؛ ۹:۳۴؛ ۱۱:۱۱۶؛ ۱۶:۱۱۶؛ ۱۷:۱۶، ۲۶، ۲۷، ۲۹؛ ۲۱:۱۳؛ ۲۵:۶۷؛ ۳۴:۳۴؛ ۴۳:۲۳؛ ۵۶:۴۵، ۴۶؛ ۵۹:۷ تا ۱۰؛ ۶۸:۱۷ تا ۳۳؛ ۹۳:۶ تا ۱۰؛ ۱۰۴:۱ تا ۳؛ ۱۰۷:۱ تا ۷)۔

انسانی ترقی کے یہ سارے تصورات وضاحت و جامعیت کے ساتھ اور مختلف النوع قسم کے تمام لوگوں کے لئے ان کے عقائد اور طریق عبادت اور اخلاقی قدروں کے تذکرہ کے ساتھ مختلف سورتوں میں قرآن پڑھنے اور سننے والوں کے لئے ساختیاتی اور صوتی ہم آہنگی کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے پروئے گئے ہیں (۲۵:۳۲، ۷۳:۴)۔ قرآن یقینی طور کوئی شاعری نہیں ہے (۳۶:۶۹)، لیکن اس کی ہم آہنگ روانی (مثلاً لمبی آیتوں والی سورتوں میں بیشتر آیات یا ان کے خاص حصوں کی لمبائی اور پوری سورۃ میں صوتی کھنچاؤ کا اہتمام) میں متاثر کن شاعرانہ کردار موجود ہے۔ اسی طرح قانونی ضابطوں اور تاریخی حقائق کے بیان میں نثری لچیلا پن ہے (۲:۲۱۹ تا ۲۴۲، ۲۷۴ تا ۲۸۳؛ ۳:۱۵۲ تا ۱۷۵؛ ۴:۱ تا ۳۵، ۱۰۱ تا ۱۲۵؛ ۸:۱ تا ۲۸، ۴۱ تا ۷۵؛ ۹:۱ تا ۲۹؛ ۳۸:۱۲۷؛ ۶۵:۱ تا ۷)۔ اس طرح کے قانونی اور تاریخی کلام کو مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کے پہلو بہ پہلو بڑی خوبصورتی اور پختگی سے پیش کیا گیا ہے۔ قرآنی سورتوں کی ساختیاتی ہم

آہنگی قاری کو اس کے مختلف مضامین کو سمجھنے، انہیں ذہن نشین کرنے اور ہر لفظ کو یاد کر لینے میں مدد دیتی ہے(۵۴:۱۷)۔نزول قرآن کے وقت سے لے کر اب تک عربوں کے درمیان اس پر تقریباً اتفاق رائے رہا ہے کہ قرآن بے مثال و بے نظیر ہے اور اس کی نقل نہیں کی جا سکتی، حالانکہ اس میں کسی بھی ممکنہ نقل یا اس کے کسی بھی حصہ کی مثال لانے کا چیلنج دیا گیا ہے(۱۰:۳۸؛ ۱۱:۱۳؛ ۱۷:۸۸)۔

قرآن کے علاوہ، جو کہ اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے پیغمبر محمد ﷺ پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب ہے، خود محمد ﷺ کے اقوال و افعال کی روایتیں یعنی''سنت'' بھی موجود ہے جو اس پیغام ربانی کا دوسرا ذریعہ ہے۔'سنت' عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے 'طریقہ' یا 'طریقہ عمل'، چنانچہ پیغمبر ﷺ کی سنت کا مطلب ہوا اللہ کے پیغام کی تشریح اور تطبیق کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال: ''اور یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اتاری گئی ہے، اور تا کہ لوگ خود بھی غور و فکر کریں''(۱۶:۴۴)، ''جو کچھ رسول ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہی''(۵۹:۷)، ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کر لو''(۴۷:۳۳)؛[مزید ملاحظہ کریں ۳:۳۲، ۱۳۲؛ ۴:۱۳، ۵۹، ۶۹، ۸۰؛ ۵:۹۲؛ ۸:۱، ۲۰، ۴۶؛ ۹:۷۱؛ ۲۴:۵۲، ۵۴، ۵۶؛ ۳۳:۳۳، ۷۱؛ ۴۹:۱۴؛ ۵۸:۱۳؛ ۶۴:۱۲]، ''ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے سو اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی سے اس کی اطاعت کی جائے''(۴:۶۴)، ''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے''(۳۳:۲۱)۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو کچھ کہا گیا یا کیا گیا اور اس پر انھوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اسے نبی ﷺ کی توثیق و تائید مانا جاتا ہے اور اس لئے اسے بھی سنت میں شمار کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر سنت کو اس کے پس منظر میں سمجھا جاتا ہے کہ آیا وہ کوئی حکم ہے یا محض ترغیب و تشویق ہے یا یہ کہ وہ کوئی امتناع ہے یا محض ناپسندیدہ بات ہے یا مباح ہے۔اس لحاظ سے سنت کو اس کے الفاظ، متعلقہ صورت حال اور قرآن اور سنت کے کسی متعلقہ بیان سے تعلق کی روشنی میں سمجھا جاتا ہے۔سنت یا حدیث مستند ہونا چاہئے، حالانکہ اس کے معنیٰ اور اس کے احکام و امتناع میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔قرآن خود بھی مسلمانوں کے ایمان کے مطابق ایک مستند کتاب ہے لیکن اس کی بہت سی آیات کا الگ الگ مطلب اور تعبیر علماء بیان کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے وہ اقوال و افعال جن کا تعلق پیغام الٰہی سے ہے وہ بھی وحی الٰہی ہے، البتہ جو اقوال و افعال محض ایک بشر ہونے کی حیثیت سے محمد ﷺ سے صادر ہوئے ہیں وہ وحی الٰہی نہیں ہیں۔قرآن کریم کے الفاظ و مندرجات اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے جبکہ سنت کی شکل میں آنے والی وحی رسول اللہ ﷺ کے انسانی کلام میں بیان ہوئی ہے۔اگرچہ ان زبانی روایات کا اسلوب بھی بہت اعلیٰ پایہ کا ہے تاہم اس کے اور قرآن کے اسلوب میں پایا جانے والا فرق بہت واضح اور نمایاں ہے۔تمام سنتوں کو وحی الٰہی نہیں قرار دیا جا سکتا کیوں کہ محمد ﷺ بہرحال ایک بشر تھے اور ان پر جو آسمانی وحی اتری اس نے انہیں فوق البشری (دیوتائی) فطرت نہیں بخشی، نہ ہی ان کی انسانی فطرت کو اس نے جدا (ختم) کر دیا ''اے نبیؐ! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود بس ایک ہی الٰہ واحد ہے''(۱۸:۱۱۰، مزید ملاحظہ کریں ۱۷:۹۳؛ ۲۱:۳۴؛ ۴۱:۶؛ ۴۲:۵۱)۔اسی طرح محض ایک انسانی عادت کے طور پر نبیؐ سے جو کچھ منقول ہے (مثلاً کھڑے ہونے یا بیٹھنے کا ترجیحی انداز، پسندیدہ غذائیں یا مشروب، پسندیدہ رنگ وغیرہ)، یا ان کا تجربہ اور رائے (مثلاً فوجی منصوبہ بندی وغیرہ میں)، یا مخصوص طور پر ان کے لئے جو کچھ روا تھا تمام مسلمانوں کے لئے

نہیں، یہ ساری چیزیں ان پر ایمان لانے والوں کے لئے ایک لازمی ضابطہ نہیں ہیں۔ نبیؐ کی احادیث میں ہم پڑھتے ہیں: ''میں تو صرف ایک انسان ہوں؛ اگر میں تمھیں تمھارے دین سے متعلق کوئی ہدایت دوں تو اس پر تمھیں عمل کرنا ہے، لیکن اگر میں تمھیں کوئی بات محض اپنی رائے سے بتاؤں تو میں محض ایک انسان ہوں'' (مسلم، نسائی)، ''میں تمھاری طرح ایک انسان ہوں، اور انسانی خیال صحیح یا غلط ہوسکتا ہے، لیکن جب میں کہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے، تو میں اللہ کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا'' (ابن حنبل، ابن ماجہ)، ''میں تو ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے معاملے تصفیہ کے لئے لاتے ہو تو تم میں سے کوئی اپنی بات پیش کرنے میں زیادہ لفاظ اور چرب زبان ہوسکتا ہے، اور میں شہادت کے مطابق فیصلہ کردیتا ہوں۔ اس طرح میرے فیصلہ کے تحت تم میں سے جو کوئی دوسرے کا حق لے جاتا ہے تو وہ اس کے لئے آگ کا شعلہ ہے وہ چاہے تو اسے لے لے چاہے تو اسے چھوڑ دے'' (بخاری، مسلم، ابن حنبل، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)، ''تم دنیاوی معاملات میں مجھ سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے ہو'' (مسلم)

جب کسی معاملے میں قرآن یا حدیث سے براہ راست کوئی رہ نمائی نہ ملے جسے اس معاملے میں منطبق کیا جاسکتا ہو تو اس کے لئے فقہائے اسلام نے کچھ خاص عقلی طریقے وضع کئے ہیں جو ایسے معاملوں میں رہ نمائی کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ جب کسی زیر غور معاملے میں اسباب وعلل کی نوعیت قرآن یا حدیث میں بیان کردہ کسی معاملے کے اسباب وعلل کی نوعیت سے مماثل ہو تو اس کے لئے ''قیاس'' سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی زیر غور معاملے میں دو مختلف قیاس لگائے جاسکتے ہوں تو زیادہ تر لوگوں کے لئے جو قیاس زیادہ معاون ومفید ہو اسے دوسرے قیاس پر ترجیح دی جائے گی (اسے استحسان کہا جاتا ہے)۔ اس کے علاوہ یہ عام اصول کہ جب تک کسی چیز کی ممانعت کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو وہ مباح ہے (استصحاب) اپنایا جائے گا۔ لوگوں کا محدود عام فائدہ (مصلحہ، مرسلہ، استصلاح) بھی ایک دیگر اصول ہے جسے ذریعہ کے طور پر لیا جاتا ہے۔ شریعتِ اسلام کے مقاصد وقوانین اور ان قوانین کے عام اصول جو کہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، مستقلا بدلتے ہوئے حالات سے ابھرنے والے مختلف قسم کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے، جن کے لئے قرآن وحدیث سے کوئی نص صریح نہیں ملتی، ایک اہم ترین ذریعہ ہیں۔ متعلقہ معاملے کے ممکنہ نتائج کو پیش نظر رکھنے سے بھی اس معاملے کا تصفیہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ کسی فرض کام کی ادائیگی کے لئے جو چیز ذریعہ یا سبب ہے اس کا حصول فرض ہے اور کسی ممنوع یا حرام کام کے لئے جو چیز واسطہ بنتی ہے وہ خود حرام ہے۔ اس طرح کی عقلی تعبیرات کو اجتہاد کہا جاتا ہے جن کی بنیاد نبیؐ کی ان احادیث پر ہے جن سے حسب ضرورت اس طرح کی کوششوں کے لئے ترغیب ملتی ہے (ابن حنبل، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، الدرمی)

یہ آفاقی پیغام جو مختلف مضامین پر مشتمل سورتوں کے ساتھ نبیؐ کے زمانے میں عربوں کو دیا گیا، عام قاری کے دل اور دماغ میں جگہ بنا سکتا ہے۔ کسی محقق یا بعض قارئین کی یہ خواہش ہوسکتی ہے کہ کسی ایک مضمون سے متعلق تمام آیات ایک ہی جگہ پائی جائیں تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ کسی خاص موضوع پر قرآن میں مجموعی طور پر کیا کہا گیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک یا کئی مضامین پر کچھ نئے لوگوں نے کام کیا ہے لیکن وہ متعلقہ مضمون پر ایک جامع مطالعہ فراہم کرنے کے لئے عموماً قرآن، احادیثِ رسول، فقہاء کی تعبیرات وتشریحات اور مولفین کے خیالات کو ایک جگہ جمع کردیتے ہیں۔ علاوہ ازیں، اس طرح کی کاوشوں سے قرآن کے تمام خاص تصورات کا احاطہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کی دلچسپی ان میں سے کچھ مضامین میں ہی ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کی قدر وقیمت اور عام قارئین وتحقیق کاروں کے لئے ان کی مستقل افادیت کا اعتراف ہے تاہم بعض دیگر لوگ مختلف مضامین سے متعلق خود قرآنی آیات کو ہی دیکھنا چاہتے ہوں گے، اور اس طرح سے قرآن کے تمام تصورات کا احاطہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوں گے۔ تقریباً دو دہائیوں پہلے اس طرح کی کاوشوں سے یہ ضرورت اجاگر

ہوئی۔تھامسن بالنٹائن ایرونگ،خورشید احمد اور محمد مناظر احسن نے ۱۹۷۹ میں ’’دی قرآن: بیسک ٹیچنگ‘‘ (اسلامک فاؤنڈیشن،لیسسٹر، انگلینڈ) شائع کی، جسے انھوں نے ’’جدید انگریزی میں ترجمہ شدہ قرآن کے کچھ منتخب اقتباسات کے ایک مجموعہ‘‘ کے طور پر پیش کیا ہے اور ’’قرآن کے پیغام کا تعارف‘‘ کرایا ہے۔فضل الرحمٰن کی کاوش ’’تھیمس آف دی قرآن‘‘ ۱۹۸۰ میں شکاگو سے شائع ہوئی۔اس رخ پر کچھ مزید نئی کتابیں بھی آئی ہیں جیسے ولیم مونٹگمری کی کتاب ’’کمپینین آف دی قرآن‘‘، فاروق شریف کی کتاب ’’اے گائڈ ٹو دی کانٹینٹس آف دی قرآن‘‘ اور محمد عبدالحلیم کی کتاب ’’انڈراسٹینڈنگ دی قرآن: تھیمس اینڈ اسٹائل‘‘، وغیرہ۔عربی میں مصر کے سابق وزیر اوقاف اور جامعہ ازہر کے سابق صدر ڈاکٹر محمد البہی مرحوم اور مصر کے ہی سابق نائب وزیر اوقاف شیخ محمد الغزالی نے بھی اس میدان میں کام کیا ہے۔مختلف زبانوں میں ہونے والی ان کاوشوں میں فی زمانہ نئی مسلم نسل کے لئے،خصوصاان لوگوں کے لئے جو مغرب میں پیدا ہوئے ہیں یا وہاں رہ رہے ہیں اور مغربی ملکوں کے علمی حلقوں،صحافیوں،طلبا اور دیگر طبقوں کے لئے شدت سے محسوس کی جانے والی ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ملیشیا میں مقیم فل برائٹ وزیٹنگ فیلو ڈاکٹر پیٹر ہیتھ نے ایک بار یہ بات کہی کہ قرآن کا ’’غیر بیانیہ‘‘ یا نیم بیانیہ انداز ان قرآن پڑھنے والوں کے لئے کتنا اجنبی ہے جو مذہبی صحائف کے بیانیہ انداز سے زیادہ مانوس ہیں (نیو اسٹرائٹ ٹائمس،کوالالمپور،۱۸ اگست ۹۵)

چنانچہ اس کاوش کا مقصد اسی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔اس کام کی ابتداء قرآن کا ایک مختصر موضوعاتی مطالعہ تیار کرنے کی خواہش سے ہوئی،جس کی تائید وحمایت لاس اینجلس میں دوستوں کے ایک گروپ نے کی تھی،لیکن یہ ایک وسیع کام بن گیا۔یہ کتاب قرآن پر ہی مرکوز ہے لیکن اس میں تجزیہ کئے گئے قرآنی تصورات کا احاطہ فی الحال موجود کاوشوں کی بہ نسبت زیادہ جامعیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔قرآنی آیات کی تفسیر وضاحت اور تشریح کے ساتھ لیکن آیات پر توجہ سے کسی بھی طرح صرف نظر کئے بنا کی گئی ہے۔کسی بھی تصور پر بحث کرتے ہوئے میں نے متعلقہ آیات صحف قرآنی کی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے پیش کی ہیں،جبکہ آیات کو موضوعات کے لحاظ سے جمع کیا گیا ہے۔جہاں کہیں کسی موضوع پر کئی آیات ایک ہی انداز سے آئی ہیں تو غیر ضروری تکرار سے بچنے کے لئے ان میں سے ایک ہی آیت کی تشریح لی گئی ہے اور بقیہ آیات وان کی سورتوں کے نمبر کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ہر موضع یا تصور پر آیات کی ترتیب نزول کی پیروی مسلم قارئین کو قرانی سورتوں کے نظم ترتیب سے دور لے جائے گی جس سے وہ بخوبی مانوس ہیں،تاہم مکی دور میں نازل ہونے والی آیات کی نشان دہی کتاب میں کعبہ کی ایک مہین سی علامت کے ذریعہ کردی گئی ہے جو کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ذریعہ مکہ میں قائم کی گئی لازوال عبادت گاہ ہے۔یہ علامت مکی آیات کے شروع میں لگادی گئی ہے۔جو آیات مدنی دور میں نازل ہوئیں ان کی نشان دہی اسی طرح مدینہ کی مسجد نبوی کے گنبد کی علامت بنا کر کی گئی ہے۔کتاب کے آخر میں قارئین کے لئے ایک ٹیبل دی گئی ہے جس میں قرآنی سورتوں کو ان کے نزول کی ترتیب سے دیا گیا ہے۔میں نے ترجمہ قرآن کے لئے جدید ترین انگریزی ترجمہ کو استعمال کیا ہے۔ڈاکٹر حسان اے مارجی مولف ’’ٹو ورڈس این انٹرنیشنل سوسائٹی فار دی ہولی قرآن: انٹروڈکشن اینڈ ببلیوگرافی‘‘ کے بقول عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ پہلی بار ۱۹۵۵ میں آیا،محمد ایم پکتھال نے ۱۹۴۰ میں کیا،اے جے آربری نے ۱۹۵۵ میں،جبکہ محمد اسد کا ترجمہ پہلی بار ۱۹۸۰ میں شائع ہوا۔تھامس بی ایرونگ،اللہ ان کی مغفرت کرے،کے ترجمہ کی جو کاپی میرے پاس ہے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۹۸۵ میں شائع ہوا۔عبداللہ یوسف علی نے اپنی تالیف کے پہلے ایڈیشن کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ’’۔۔۔متن کا ترجمہ کرتے ہوئے میں نے اپنے خیالات کو کوئی جگہ نہیں دی ہے بلکہ معتبر مفسرین کو نقل کیا ہے۔جہاں ان میں اختلاف رائے ہے تو میں نے اس بات کو لیا ہے جو ہر لحاظ سے مجھے سب سے زیادہ منطقی رائے لگی‘‘۔پکتھال نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ’’اس کاوش کا مقصد کلام قرآن کے اس

مطلب کو جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمان سمجھتے ہیں انگریزی قارئین کے لئے پیش کرنا ہے۔ یہ بات منطقی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ کسی بھی مذہبی صحیفے کی درستگی کے ساتھ ترجمانی کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہیں ہوسکتی جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اس کے پیغام سے متاثر نہ ہو؛ چنانچہ یہ ایک ایسے انگریز کے ذریعہ کیا گیا قرآن کا پہلا ترجمہ ہے جو خود مسلمان ہے۔'' اسی طرح، ایرونگ کا ترجمہ کسی امریکی کے ذریعہ کیا گیا پہلا امریکی ترجمہ ہے۔ ''دی میسیج آف دی قرآن'' کے پیش لفظ میں محمد اسد نے لکھا ہے کہ ''یہ کارکردگی جو میں لوگوں کے سامنے اب پیش کر رہا ہوں میرے زندگی بھر کے مطالعہ پر مبنی ہے اور کئی سال کے اس عرصہ پر محیط ہے جو میں نے عرب میں گزارا ہے۔ یہ قرآن کے پیغام کو ایک یوروپی زبان میں واقعیت کے ساتھ اور توضیحی تشریح کے ساتھ پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔۔۔اور غالباً پہلی کوشش ہے۔ پھر بھی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے قرآن کا ''ترجمہ'' اس انداز سے کیا ہے جس انداز سے پلاٹو یا شیکسپیئر کے کلام کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی دوسری کتاب کے برخلاف قرآن کے مطالب اور اس کی لسانی ادائیگی مل کر اسے ایک لاینفک مجموعہ بناتے ہیں۔ اس کے جملوں میں الفاظ کی جداگانہ نوعیت، نغمگی اور اس کے کلمات کا صوتی حسن ولفظی بناوٹ، اس کا تعبیری و استعاری انداز۔۔۔ یہ سارے عناصر مل کر اسے بالآخر بے نظیر اور قابل فہم بناتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جسے پچھلے متعدد مترجمین نے اور تمام عرب اسکالرز نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ قرآن کو اسی کے انداز میں کسی دوسری زبان میں تصنیف کرنا ناممکن ہے، اس کے پیغام کو ان لوگوں کے لئے جو مغربی ملکوں کے باشندوں کی طرح عربی سے بالکل سے واقف نہیں ہیں، یا جیسا کہ اکثر غیر عرب تعلیم یافتہ مسلمانوں کا معاملہ ہے کہ وہ اسے بغیر واسطہ کے ٹھیک سے نہیں سمجھ سکتے، قابل فہم انداز میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مترجم کو نزول قرآن کے زمانہ میں استعمال ہونے والی زبان کا فہم ہونا ضروری ہے اور یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا لازمی ہے کہ اس کے بعض بیانات۔۔۔ بالخصوص وہ جن کا تعلق غیر مرئی تصورات سے ہے۔۔۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عام آدمی کے ذہن میں ان کا مطلب کسی قدر بدل چکا ہے، اور اس لئے ان کا ترجمہ اس معنیٰ میں نہیں کیا جانا چاہئے جو انہیں بعد کے زمانہ میں استعمال ہونے والی زبان سے معلوم ہوا ہے۔۔۔ دوسری بات (کہ وہ بھی کم اہم نہیں ہے) جس کا مترجم کو پوری طرح خیال رکھنا چاہئے وہ ہے قرآن کا اعجاز: ایک انوکھے قسم کا بیضاوی انداز، جس میں کسی خیال کو ممکن حد تک جامع اور مختصر طریقہ سے ادا کرنے کے لئے جملہ ہائے معترضہ کو عموماً ترک کر دیا جاتا ہے۔۔۔ لسانی نزاکتوں سے قطع نظر، میں نے ترجمانی کے دو بنیادی ضابطوں کی مستقل پابندی کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلا یہ کہ قرآن کو جداگانہ احکامات وتعلیمات کی مدون شدہ کتاب کے طور پر نہیں دیکھا جانا چاہئے بلکہ ایک مکمل مجموعہ سمجھنا چاہئے۔۔۔ دوسرا یہ کہ قرآن کے کسی بھی حصہ کو خالص ایک تاریخی نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جانا چاہئے کہ زمانہ رسالت مآب ﷺ کے یا آپؐ سے پہلے کے تاریخی حالات وواقعات کے تمام حوالے انسان کی حالت کا ایک بیان ہیں نہ کہ ان کا تاریخی وتحقیقی تجزیہ ہیں۔

میں نے بڑی حد تک محمد اسد اور بعض دیگر مترجمین کے ترجموں سے استفادہ کیا ہے لیکن چوں کہ عربی میری مادری زبان ہے اس لئے بعض مقامات پر مجھے محسوس ہوا کہ مذکورہ بالا انگریزی ترجموں میں کسی خاص عربی لفظ کا بالکل درست طور پر انگریزی متبادل گرفت میں نہیں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سلسلے میں میری کوشش یقینی طور پر کامیاب ہے لیکن بہرحال میں نے اپنی حد تک اس کی پوری کوشش کی ہے۔ قرآن کا ترجمہ کرنے میں ایک خاص مشکل یہ پیش آتی ہے کہ بعض اوقات کسی عربی لفظ کے ایک سے زیادہ معنیٰ ہوتے ہیں، اور فطری طور پر یہ نہیں ہوسکتا کہ انگریزی میں بھی اس کا متبادل مخصوص لفظ اسی طرح ذو معنیٰ ہو۔ کسی مقام پر کوئی عربی لفظ یا جملہ یا تو خاص اپنے معنیٰ رکھتا ہے یا جس تناظر میں وہ آیا ہے اس کی وجہ سے وہاں اس کی اہمیت کسی دوسری زبان میں اس کے متوازی لفظ سے زیادہ ہوسکتی ہے۔

یوسف علی نے لکھا ہے کہ وہ کلاسیکی مفسرین کے مختلف ترجموں میں سے اس ترجمہ کو منتخب کرتے تھے جس کی صحت کے وہ زیادہ قائل ہوتے تھے۔محمد اسد نے عربی زبان کا اچھا علم رکھنے اوراپنے استدلالی انداز کی بنا پر قران کے متن کو سمجھنے اوراسے سمجھانے کا اپنا ایک مخصوص ڈھنگ اپنایا ہے۔میں نے اپنی حدتک پوری کوشش یہ کی ہے کہ قرآن کا کوئی خاص عربی متن اپنے جس مخصوص تناظر میں آیا ہے اس سے ملنے والے تاثر سے ممکن حدتک قریب ترین لفظ میں، میں اسے بیان کروں۔

ترجمہ میں یہ مشکل سب سے زیادہ 'اسمائے حسنیٰ' یا اللہ تعالیٰ کی صفات کے انگریزی معنیٰ تلاش کرنے میں ہوتی ہے جن کی تعداد احادیث میں ۹۹ بتائی گئی ہے (ترمذی، ابن حبان، الحاکم ،بیہقی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور کچھ دیگر لوگوں کے ذریعہ بیان کردہ کم مستند روایات)۔ ایک ہی مادہ سے بننے والے دوصفاتی ناموں کے درمیان فرق کو بیان کرنے میں شروع سے ہی بہت سے الگ الگ خیالات پیش کئے گئے ہیں۔جیسے ''رحمان'' اور ''رحیم'' اللہ تعالیٰ کے دوصفاتی نام ہیں جن کا مادہ ایک ہی ہے اوراس کا معنیٰ ''رحمت'' یا ''مہربانی'' ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفاتی نام پہلی سورۃ ''الفاتحہ'' میں ساتھ ساتھ آئے ہیں جو ہر نماز میں کم سے کم دوبار پڑھی جاتی ہے۔ یہ دونوں الفاظ ایک سورۃ کے سوا قرآن کی ہر سورۃ کی ابتداء میں بھی ایک ساتھ آتے ہیں۔ظاہری بات ہے کہ ان صفاتی ناموں کو کسی دوسری زبان میں بعینہ بیان کرنا آسان نہیں ہے۔اسی طرح مغفرت سے متعلق دوصفاتی نام ''غفار اور غفور'' ہیں۔تخلیق کے حوالے سے قرآن میں اللہ کے لئے '' خالق، خلاق، فاطر'' اور کچھ دیگر نام استعمال ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے کسی صفاتی نام کو انگریزی کے کسی ایک ہی لفظ (مثلاً گاڈ) سے ترجمہ نہیں کیا جاسکتا، انگریزی قارئین کے لئے اللہ سے متعلق ان ناموں کو قابل فہم بنانے کے لئے ان کے مخصوص معنیٰ کی وضاحت کرنا ضروری ہے جیسے ''اللطیف، الوکیل، الکفیل، المومن'' وغیرہ۔ایک ہی سلسلے کی صفات جیسے صبر، تحمل، حلم اور بردباری وغیرہ کو انسانوں کے حوالے سے تو سمجھا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات جیسے ''الصبور، الحلیم'' کو بعینہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے حتی الامکان ان الفاظ کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جو عربی معنیٰ سے قریب تر ہوں اور متعلقہ تناظر میں سب سے زیادہ موزوں ہوں۔محمد ﷺ سے پہلے کے پیغمبروں (علیھم السلام) کے نام ان کے عربی مخارج کے مطابق لکھے گئے ہیں لیکن جہاں وہ پہلی بار آئے ہیں تو انہیں قوسین (بریکٹ) میں بائبل کے انگریزی ترجمہ میں استعمال ہونے والی ہجہ کے ساتھ بھی دیا گیا ہے۔ جیسے ابراہیم (ابراہم)، اسماعیل (اشمائل)، اسحاق (ایساک)، یعقوب (جیکب)، یوسف (جوزف)، وغیرہ۔لیکن جہاں متن میں یا تفسیر میں ایک ہی لفظ بار بار آیا ہے تو صرف انگریزی ساخت کو استعمال کیا گیا ہے کیوں کہ اس کتاب کے مخاطب اولین طور پر غیر عربی خواں قارئین ہیں۔ یہ معروف بات ہے کہ لفظ ''ہم'' کا استعمال صیغہ واحد کے طور پر عظمت اور بالاتری کے اظہار کے لئے ہوتا ہے، اس لحاظ سے اسے اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی میں جمع یا کثرت لازم نہیں آتی۔'ویبسٹر نیو کالجیٹ ڈکشنری' میں 'وی' (ہم) کے بارے میں کہا گیا ہے: اس کا استعمال صاحب اقتدار لوگوں، اورایک رسمی کردار کو پیش کرنے کے لئے مصنفین کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ میں نے بندوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو خطاب کرنے کے معاملے میں ''یو، یور، یورس'' کا استعمال کیا ہے بجائے ''تھاؤ، تھی، تھائن'' (تو) کا استعمال کرنے کے، جیسا کہ خدا کی وحدانیت کے اظہار کے لئے صحائف میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ کیوں کہ اس کا استعمال ترک ہو چکا ہے اور جمع وواحد کے لئے ایک ہی لفظ استعمال ہونے لگا ہے۔

مزید برآں، جہاں کسی لمبی آیت میں ایک سے زیادہ پہلوؤں کا احاطہ ہوا ہے لیکن زیر بحث موضوع کا ان تمام پہلوؤں سے کوئی براہ راست تعلق نہیں ہے تو انگریزی ترجمہ میں صرف متعلقہ حصہ ہی لیا گیا ہے۔البتہ عربی میں پوری آیت لکھی گئی ہے اور متعلقہ حصہ کو نمایاں کردیا گیا ہے۔

اس کتاب کی ابتداء سورۃ الفاتحہ سے ہوتی ہے جس میں عقیدہ کے اصول جمع ہیں اور اسی لئے پنج وقتہ نمازوں میں مسلمانوں کے لئے اسے کم سے کم دو بار پڑھنا ضروری ہے۔اس کے بعد یہ کتاب قرآن کے خاص موضوعات سے بحث کرتی ہے: عقیدہ، رسوم عبادت، اخلاقی قدریں، اور قانون، وغیرہ۔''دی فیتھ'' (عقیدہ) کے باب میں یہ کتاب قرآن کے طریقہ ''تخلیق سے خالق تک رسائی'' کی پیروی کرتی ہے۔ یہ ''کائنات'' اور ''حیات'' جس کی انتہا انسان ہے اور جسے قرآن نے اس کی جسمانی اور طبعی یعنی عقلی، روحانی، نفسیاتی و اخلاقی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی گہرائی کے ساتھ برتا ہے، کے موضوع سے مختلف اقسام میں بحث کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ان متعدد نشانیوں کو قرآن اس کائنات کی شان اور نظم و ترتیب پر دھیان دلانے کے لئے ایک ذریعہ کے طور پر پیش کرتا ہے جس کا منطقی تقاضہ ہے ایک قادر مطلق، العلیم الخبیر والحکیم کے وجود پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہو جانا۔قرآن فی الواقع سائنس کی کوئی کتاب نہیں ہے کہ اسے محض حواس اور دماغ سے سمجھ لیا جائے۔ تاہم کائنات کے بارے میں قرآن کے جامع اور ایمان افروز حوالے ہمیشہ سے ان سائنسی حقائق کے مطابق ثابت ہوئے ہیں جو جدید سائنسی ترقی سے روشنی میں آئے ہیں۔

عقیدہ کے ایک لازمی جزو کے طور پر اخروی زندگی کی قرآنی تصویر کو پیش کرنے کے بعد، پیغام ربانی کو قرآن کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام پیغمبروں کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔متعدد پیغمبر ایسے ہیں جو رسالت کی تاریخ میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس وجہ سے قرآن نے ان کا تذکرہ تفصیل سے اور بار بار کیا ہے، جیسے نوحؑ، ہودؑ جو جنوبی عرب میں قوم عاد کی طرف بھیجے گئے، صالحؑ جو شمالی عرب میں قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے، شعیبؑ جو شمالی عرب میں مدین والوں کی طرف بھیجے گئے، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ اور اولاد یعقوب (الاسباط)، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ۔ پیغمبر محمد ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا انہیں فطری طور پر اس کتاب میں خاص مقام دیا گیا ہے۔

''عبادت'' کے باب میں قرآن کا تصور عبادت پیش کیا گیا ہے اور عبادت کی ان شکلوں کو بیان کیا گیا ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ نہ صرف خاص اور معروف عبادتیں جیسے الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الصوم اور الحج، بلکہ الدعا، تلاوت و تدبر قرآن، ذکر و تسبیح وغیرہ کا قرآن کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔''اخلاقی قدریں'' اس دنیا میں عقیدے اور عبادت کا ٹھوس عملی نتیجہ ہیں جن کے ذریعہ ایک آدمی اللہ پر ایمان رکھنے والے اور تنہا اسی کی عبادت کرنے والے انسان کی دین داری اور نیکی کو جانچ سکتا ہے۔ یہ اخلاقی قدریں فرد کے اندر، خاندان میں، پڑوس میں ملت اور سماج کے دائرے میں زندگی کے تمام گوشوں پر عائد ہوتی ہیں اور ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔''قانون'' اخلاقی قدروں کو استحکام دینے کا ایک ذریعہ ہے اور ان کو نتیجہ خیز اور موثر بنانے کے لئے اخلاقی قدروں کی تائید سے ہی اسے نافذ کیا جاتا ہے۔قرآن قانون کے بہت سے میدانوں سے تعارض کرتا ہے جیسے خاندان، شہری اور تجارتی معاملات، ریاست اور عوام کے باہمی تعلقات، تعزیر اور سزا، جنگ و امن میں بین الاقوامی تعلقات، وغیرہ۔

قرآن کی آیات ان موضوعات پر جنھیں قرآن میں ذکر کیا گیا ہے برابر سے تقسیم نہیں ہیں۔ایک اللہ میں یقین اور آخرت کی زندگی میں انسان کی جواب دہی پر ایمان رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے پیغام الٰہی کے جوہر اور بنیاد کے بطور اس میں بیان ہوئے ہیں، ٹھیک اسی طرح جیسے پہلے آ چکی تعلیمات میں یہ عقائد بتائے گئے تھے۔لہٰذا ایمان وعقیدے کو قرآن میں بہت وسعت کے ساتھ لیا گیا ہے۔حتیٰ کہ اخلاقی قدروں اور قانونی ضوابط کے بیان میں بھی ان معاملات سے متعلق آیات کو اللہ اور یوم آخرت میں جواب دہی کے تئیں خبردار کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔ اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے یہ مناسب لگا کہ عقیدے (ایمان) سے متعلق آیات کے

موضوعات کو تین ابواب میں تقسیم کرلیا جائے۔ علاوہ الفاتحہ کے، کہ وہ ازخود ہی اس کتاب کے پہلے باب کے طور پر آتی ہے۔ اگرچہ یہ سورۃ چند آیات پر ہی مشتمل ہے تاہم اس میں عقیدے کی بنیادیں جمع ہیں، اور اسی لئے ہر نماز میں اسے کم سے کم دو بار پڑھا جاتا ہے، اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس کی تدوین کے وقت سے لے کر آج تک یہ مستقلاً قرآن کریم کی کنجی یا اس کا ابتدائی باب ہے۔

دعا میں کچھ خاص بھلائیاں طلب کی جاتی ہیں جنہیں اپنانے کے لئے بندہ اپنے رب سے دعا کرتا ہے اور کچھ خاص برائیاں ہیں جن سے بچنے کے لئے بندہ اپنے رب سے مدد اور توفیق مانگتا ہے۔ یہ دونوں پہلو پیغام الٰہی کے اخلاقی جوہر کی نمائندگی کرتے ہیں، جنہیں اختصار سے، کھل کر اور موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور یہ اللہ رب العزت پر ایمان کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہیں۔ قرآن کی کچھ منتخب دعائیں جو انسانی سرگرمیوں کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں اس کتاب کے مصنف کو اس کے اختتام کے لئے سب سے بہتر معلوم ہوئیں ، جس طرح سورۃ الفاتحہ اس کا سب سے بہترین آغاز ہے۔

عربی زبان کی خاص لسانی لغات کے علاوہ میں نے قرآن کی مختلف قدیم وجدید تفاسیر سے استفادہ کیا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل تفاسیر شامل ہیں:

الطبری (ابوجعفر محمد ابن جریر، ۳۱۰ھ)، جامع البیان، قاہرہ، مصر

ابن عطیہ، ابومحمد عبدالحق، الغرناطی (۵۴۶ھ)، المحرر الواجذ، الرباط، مراکش

القرطبی، ابوعبداللہ محمد ابن احمد الانصاری (۶۷۱ھ)، الجامع الاحکام القرآن، قاہرہ، مصر

الزمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود ابن عمر (۵۳۸ھ)، الکشاف، قاہرہ، مصر

الفخر الرازی، محمد فخر الدین ابن ضیاء الدین عمر (۶۰۴ھ)، مفاتح الغائب یا التفسیر الکبیر، قاہرہ، مصر

النصفی، عبداللہ ابن احمد ابن محمود (۷۰۱ھ)، مضارک التنزیل، قاہرہ، مصر

ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل ابن عمرو (۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، قاہرہ، مصر

البیضاوی، ابوسعید عبداللہ ابن عمر ابن محمد الشیرازی (۷۹۱ھ)، انوار التنزیل، قاہرہ، مصر

جلال الدین، محمد ابن احمد المحلہ وجلال الدین عبدالرحمان ابن ابی بکر السیوطی (۹۱۱ھ)، تفسیر الجلالین، بیروت، لبنان

الشوکانی، محمد ابن علی ابن محمد (۱۲۵۰ھ)، فتح القدیر، بیروت، لبنان

محمد عبدہٗ و محمد رشید رضا (۱۳۵۴ھ)، تفسیر المنار، قاہرہ، مصر

آخر میں، اس کتاب کے مصنف کا یہ احساس ہے کہ اس خدمت میں حصہ لینے والے تمام لوگوں کی محنت شاقہ اور تن دُہی کے باوجود، کلام الٰہی کی خدمت واشاعت کے لئے جو کچھ بھی بن پڑا ہے اس میں، خاص طور سے اس طرح کے ضخیم کام میں، لازمی طور سے بشری محدودیت ظاہر ہے۔ اگر اس خدمت سے مسلمانوں اور دیگر ان لوگوں کو جو اسلام کی کتاب آسمانی اور اس کے پیغام کو جاننا چاہتے ہیں کوئی فائدہ پہنچ سکا تو اس کے مصنف کو اس کا صلہ مل گیا۔ میں اپنے پورے دل ودماغ کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ پیش کی گئی قرآن کی تصویر اتنی سچی اور درست ہے کہ ''قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوسکتے اور نہ اسے بار بار پڑھنے سے اس کا لطف ختم ہوسکتا ہے'' (ترمذی، الدارامی، الحاکم)

یہ اللہ کی ذات باری ہی ہے جس کی طرف ہم اس کی حمد وثنا کے ساتھ رجوع کرتے ہیں، جو انسان کو اس کی محدودیت کے باوجود

بھلائی تک پہنچنے کے لائق بناتا ہے۔

❁ ❁ ❁

باب اول

ابتداء

الفاتحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾
مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ
نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ
الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا
الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا رب ہے☆
بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے☆ انصاف کے دن کا حاکم ہے☆
اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے
ہیں☆ ہم کو سیدھے رستے پر چلا☆ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو
اپنا فضل اور کرم کرتا رہا ہے☆٦ نا کہ ان کے (رستے پر) جن پر غصے
ہوتا رہا ہے اور نہ گمراہوں کے☆ (۱:۱ تا ۷)

یہ چھوٹی سی سورۃ جس سے قرآن کی ابتداء ہوتی ہے مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ قرآن کی ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ کچھ دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کے نزول کے بعد نازل ہوئی، لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے قرآن کی بالکل ابتداء میں رکھا گیا، اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ اسے ہر نماز میں ایک سے زائد بار دوہرایا جاتا ہے۔ اس کی تمام آیات ایک ہی وقت میں نازل ہوئی تھیں۔ چوں کہ اس میں اسلامی عقیدے کی بنیادیں سمٹی ہوئی ہیں اس لئے اسے رسول اللہ ﷺ نے ''ام الکتاب'' قرار دیا ہے، یعنی پوری کتاب (قرآن) کا جوہر۔ اسے فاتحۃ الکتاب بھی کہا گیا ہے، یعنی کتاب کا ابتدائیہ۔

سورہ فاتحہ اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے جس نے خود اپنی ہستی کی تعریف بیان کرنے کے لئے اپنے ان دو صفاتی ناموں کو یہاں استعمال کیا ہے جو اس کی رحمت اور فضل کو ظاہر کرتے ہیں: 'الرحمان' اور 'الرحیم' یعنی نہایت رحم کرنے والا اور انتہائی مہربان۔ خود کو رب

العالمین یعنی تمام جہانوں کا خدا یا تمام مخلوقات بشمول کائنات اور اس کے تمام اجزاء کا خالق قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ عقیدہ کی جامعیت اور آفاقیت پر زور دیتے ہیں اور اس بات کو اجاگر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق کسی خاص مقام یا خاص لوگوں سے نہیں ہے۔ اپنی مخلوق، خاص طور سے ذی حیات مخلوقات سے اس کا تعلق رحم و فضل پر مبنی ہے، جیسا کہ اس سورۃ میں پرزور انداز سے کہا گیا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے آپ میں ہستی رحمت ہے بلکہ وہ اپنی رحمت اور فضل کو ہر وقت اپنی مخلوقات پر نازل کرتا رہتا ہے اور زندگی کے جبلی احساسات اور فطری قوانین میں وہ اپنی رحمت کو جاری کرتا ہے جو کہ پرندوں، حیوانوں اور نوع انسانی میں نظر آتی ہے، خاص طور سے نوزائدہ بچوں کی نگہداشت کے عمل میں، جب کہ ماں اور باپ کی رحمت ہی ان کا سہارا ہوتی ہے۔ خدائے واحد کا نام لینے اور اس کی مخلوقات سے اس کے تعلق میں اس کی رحمت اور فضل پر زور دینے سے بندہ مومن کو عقیدہ اسلامی کی بنیادوں کی یاددہانی ہوتی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول محمد ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ ہر کام اللہ کا نام لے کر شروع کیا کریں، (بروایت ابن حنبلؒ)۔

'رب' عربی کا لفظ ہے جو محبت، نگہداشت، پالنے اور پروان چڑھانے کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے اور ایک ایسے تعلق کو جس میں ان اوصاف کے ساتھ ساتھ آقائیت اور حاکمیت بھی شامل ہے۔ اس عربی لفظ کے لئے (انگریزی کی اس کتاب میں) 'لارڈ' (آقا) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو لفظ رب کے معنیٰ کو پوری طرح سے بیان نہیں کرتا لیکن یہ اس لئے کہ زیادہ تر لوگ قرآن اور دیگر مذاہب کے صحائف میں اسی ترجمہ سے مانوس ہیں۔ دیکھ بھال اور رحم کے اس تعلق پر زور دینے کے لئے اللہ کی ہستی کا ذکر 'رب العالمین' (تمام جہانوں کا رب) سے کرنے کے بعد اس کی دو صفات ''الرحمان'' اور ''الرحیم'' پھر دوہرائی گئی ہیں۔ تمام زندہ مخلوقات کے لئے اس کی رحمت اور فضل بالعموم تمام مخلوقات کے لئے اس کی جبلی رہنمائی کی بخشش سے واضح ہیں، اور خاص طور سے نوع انسانی کے لئے اس کی یہ صفاتی بخشش انسانی عقل اور اس کی رہنمائی کے لئے الٰہی پیغامات دینے سے ظاہر ہے۔

اللہ کی محبت، مہربانی، ربوبیت اور رحمت کے بیان کے بعد اللہ کے حضور انسان کی جواب دہی کا ذکر آتا ہے، یہ کہہ کر کہ وہ روز جزا اور آخرت کی زندگی کا تن تنہا مالک ہے۔ جواب دہی کا یہ تصور ہر ایک کے لئے انصاف کی یقین دہانی ہے کیوں کہ یہ ساری باتیں لاینفک ہیں یعنی انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، اور دنیا کی یہ زندگی تو اس طرح کی جواب دہی کے بغیر ہی ختم ہو جائیگی۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں مالک و آقا، مہربان و رحیم اور آخرت میں تنہا منصف حقیقی ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بندہ مومن اللہ واحد پر اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہے: کہ وہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہے اور مدد و سہارے کے لئے صرف اسی کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ بات لایعنی ہے کہ کوئی بندہ/بندی اللہ واحد پر ایمان تو لائے لیکن اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کسی اور ذریعہ پر انحصار کرے خواہ وہ اللہ واحد کی تعلیم کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو جس پر کہ وہ ایمان رکھتا/رکھتی ہے اور جس کی عبادت کرتا/تی ہے۔ اس طرح مومن بندہ/بندی دن میں کئی بار اس بات کو دوہراتا/دہراتی ہے کہ وہ اپنے عمل میں اس عہد کی پابندی کرے گا/گی اور خود کو بھی یہ یاددہانی کراتا/کراتی ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں اس کا عمل اللہ واحد پر اس کے ایمان اور اس کی ہدایت کے مطابق ہی ہونا چاہئے۔

آخر میں مومن بندہ/بندی اللہ سے سیدھے رستے پر چلنے کی ہدایت طلب کرتا/کرتی ہے جس پر اس کے انعام یافتہ بندے چلے ہیں اور ان لوگوں کے رستے سے بچنے کی توفیق طلب کرتا/تی ہے جو جان بوجھ کر اللہ کی ہدایت کو مسترد کرتے ہیں اور اس وجہ سے اللہ نے انہیں مردود کر دیا ہے اور ان لوگوں کے رستے سے بھی بچنے کی توفیق طلب کرتا/تی ہے جو اپنی یا دوسروں کی بے جا خواہشات کی اتباع میں صحیح رستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ سیدھے رستے کے لئے اللہ کی ہدایت اللہ کے اس پیغام میں پیش کی گئی ہے کہ'' اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس

ہمارے پیغمبر (آخرالزماں) آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتابِ (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے، جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہی۔[۵:۱۵ تا ۱۶]، اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔(۶:۱۵۳)''۔۔۔۔۔۔۔۔اور بیشک (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو، (یعنی) اللہ کا رستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام اللہ کی طرف رجوع ہوں گے (اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا)۔[۴۲:۵۲ تا ۵۳]

اس طرح مومن بندہ/بندی ان چند آیات میں اس اللہ واحد میں اپنے یقین پر زور دیتا/دیتی ہے جو تمام مخلوقات کا خدا ہے اور پوری کائینات کا خالق ہے، جو سراسر پیکر رحمت ہے اور انتہائی مہربان آقا ہے۔ نیز وہ انسان کی اس جواب دہی پر اپنے یقین کو ظاہر کرتا/کرتی ہے جو ہر ایک کی اخروی زندگی کی بنیاد ہے، اور اس پیغام پر ایمان کو جتاتا/تی ہے جو اللہ کی وحی کے ذریعہ سیدھے رستہ کی ہدایت دینے کے لئے اترا ہے۔ مومن/مومنہ ان تمام اصولوں میں اپنے یقین کو مختصر اور جامع طریقے سے بیان کرتا/تی ہے، اور ہوش وخرد رکھنے والے انسانوں نیز سب کی نگہداشت کرنے والے مہربان و کریم رب کے درمیان مضبوط تعلق کو باور کرتا/تی ہے۔

یہ اللہ واحد کے وجود کے بارے میں ایک خالی خولی اور لحاتی اقرار نہیں ہے بلکہ ایک متحرک تعلق کا اظہار ہے جو دل و دماغ میں بس جاتا ہے اور پوری زندگی انسان کے تمام اعمال وسلوک میں کارفرما رہتا ہے۔ مومن/مومنہ سیدھے رستہ کے لئے اللہ سے ہدایت کی دعا کرتا/تی ہے جو اس کے پیغام کی تعلیمات میں مضمر ہے، اور ان لوگوں کے رستہ سے بچنے کی توفیق طلب کرتا/ کرتی ہے جو جان بوجھ کر اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اللہ کی ہدایت کو مسترد کرتے ہیں، یا جو نفسانیت، یا دوسروں کے اکسانے یا اپنی کم نظری کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں۔

سورہ فاتحہ یعنی قرآن کا یہ ابتدائیہ مختصر لیکن بہت بلیغ اور جامع ہے، متناسب ہے اور اللہ کی قدرت و مہربانی کی طرف، نیز دنیا کی اس زندگی میں انسان کے مقصد اور ذمہ داریوں کے تعیّن، اور انسان وخدا کے مابین مضبوط اور قریبی تعلق کی ایک مستقل یاد دہانی ہے۔

چنانچہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ مختصر اور جامع سورۃ قرآن کا ابتدائیہ ہے اور ہر عبادت کی بنیاد ہے اور اسے جوہر کتاب قرار دیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ کا ایک بہت خوبصورت اور تراشیدہ بیان و اظہار ہے اور انسان کے رویے کے لئے ایک ترغیبی رہنمائی ہے۔

❁ ❁ ❁

باب دوم

عقیدہ

تخلیق سے خالق تک: کائنات وحیات میں غور کرنے کی دعوت

ایک خدا میں عقیدہ رکھنے کا قرآن کا مطمحٔ نظر فی الواقع پوری کائینات اور اس کے مختلف طبیعاتی اور حیاتیاتی مظاہر پر غور کرنے کی ایک پکار ہے اور کائینات میں کارفرما دائمی قوانین اور نظامی ترتیب کو سمجھنے کی دعوت ہے جو اس کا تسلسل بنائے ہوئے ہیں اور اسے مربوط رکھے ہوئے ہیں۔ ان مشاہدات سے قرآن ایک خدا اور اس کی صفات کے بارے میں دلائل فراہم کرتا ہے اور اپنی تخلیق سے اس کے تعلق کو واضح کرتا ہے۔

پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی اولین آیات "تمھارے رب" کی طرف توجہ دلاتی ہیں، "جس نے (بالعموم تمام مخلوقات کو) پیدا کیا، اور (بالخصوص) انسان کو پیدا کیا علق (خون کے لوتھڑے) سے" [۹۶:۱، ۲]۔ قرآن کی یہ بالکل اولین آیتیں پڑھنے اور سمجھنے کی دعوت سے شروع ہوتی ہیں اور انسان کو بخشی گئی پڑھنے اور لکھنے کی اہلیت کی نعمت کو باور کراتی ہیں، ایک ایسی اہلیت و نعمت جو انسان کے حیوانی وجود کو دیگر تمام مخلوقات خداوندی سے بلند تر کرتی ہے [۱۷:۷۰]، اور اسے اپنے تابع فرمان دیگر مخلوقات سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کا موقع دیتی ہے۔

قرآن حیوانی اور نباتاتی دنیا کی مختلف ذی حیات مخلوقات (جیسے بھیڑ اور گائے بیل، اونٹوں اور گھوڑوں، سانپوں، چڑیوں، کیڑوں، اناج، پھل، گھاس وغیرہ) کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قرآن صرف حیوانوں یا پیڑ پودوں کے فوائد کو ہی اجاگر نہیں کرتا ہے بلکہ ان کی جسامت اور ساخت کی خوبصورتی کو بھی ظاہر کرتا ہے [۱۶:۶، ۸، ۱۳، ۱۴، ۶۹؛ ۵۰:۷، ۱۰؛ ۷۸:۱۶؛ ۸۲:۷؛ ۹۵:۴]۔ زندگی کے ایک ناگزیر جز کی حیثیت سے پانی کا بھی قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے [۲۱:۳۰؛ ۲۵:۴۸، ۴۹؛ ۸۰:۲۴ تا ۳۲]۔

پوری زندگی اور تمام زندہ مخلوقات، بشمول انسان، جسے قرآن متوجہ کرتا ہے، اسی کرہ زمین پر موجود ہیں۔ البتہ، قرآن کائنات اور اس کے ستاروں و سیاروں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں، اور زمین کا اس کے پہاڑوں و میدانوں،

وادیوں اور ریگستانوں، ندیوں اور سمندروں کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور ماحول وآب وہوا کا اس کے مخلف پہلوؤں سے جیسے تپش، ہوائیں، بادل، بجلی وبرق اور بارش وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کرتا ہے۔ یہ اس بات کو بھی نمایاں کرتا ہے کہ اگرچہ انسانی دماغ اپنے تابع فرمان بہت سی فطری قوتوں سے کام لے سکتا ہے لیکن انسان کو خود فریبی کے جال میں نہیں پھنسنا چاہئے۔ ''بلا شبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسان کی تخلیق سے عظیم تر ہے، لیکن (اس اہم حقیقت کو) اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں'' [۴۰:۵۷]۔ سیارے اپنے اپنے مقامات اور اپنے اپنے مداروں میں جدا جدا ہیں اور یا تو خود اپنے آپ میں زندگی رکھتے ہیں یا زندگی کے اسباب رکھتے ہیں۔ اللہ کی مرضی سے اور اس کے قوانین کے مطابق ہی ان کے درمیان رابطہ واتصال ہوسکتا ہے: ''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے''۔ [۴۲:۲۹]۔ قرآن کائنات کے بے عیب اصولوں اور حسن ترتیب کے علاوہ اس کے حسن نظارہ کا بھی ذکر کرتا ہے، [مثلاً ۱۶:۶؛ ۳۷:۶؛ ۴۱:۱۲؛ ۵۰:۷؛ ۶۷:۳ تا ۵]۔

کائنات اور ذی حیات مخلوقات میں فطری تنوع کے مشاہدے کو قرآن کی ایک آیت میں سمیٹ دیا گیا ہے جو علم اور عقیدہ کے درمیان تعلق کی تاکید کے ساتھ پوری ہوتی ہے، ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے''۔ [۳۵:۲۷ تا ۲۸]۔

فطرت میں کارفرما باہمی طور پر مربوط قوانین کی ان بنیادوں پر قرآن الہ واحد میں یقین کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ اٰیَۃٌ لَّہُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿ۙ۳۷﴾ وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿ؕ۳۸﴾ وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾

وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔ اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے، اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔ اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے، سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ (۳۶:۳۶ تا ۴۰)

وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰہَا وَ اَلۡقَیۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ﴿۱۹﴾

اور زمین کو بھی ہم ہی نے پھیلایا اور اُس پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے اور اُس میں ہر ایک سنجیدہ چیز اُگائی۔ (۱۵:۱۹)

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا
وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ
فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

وہی جس کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا اور جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اُس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ (۲:۲۵)

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ
الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ
فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾

اس نے سات آسمان اوپر نیچے بنائے (اے دیکھنے والے!) کیا تو (اللہ) الرحمن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ (۳:۶۷)

یہ بے عیب نظم، ارتباط اور تسلسل منطقی طور پر ایک ہی ہستی کے ذریعہ جاری ہوسکتا ہے اور برقرار رہ سکتا ہے کیوں کہ ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ مالکِ عرش ان سے پاک ہے'' [۲۲:۲۱]، ''۔۔۔۔ نہ اُس کیساتھ کوئی اور معبود ہے، ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لے کر چل دیتا اور ایک دوسرے پر غالب آ جاتا۔ یہ لوگ جو کچھ (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے'' [۹۱:۲۳]

وہ مہربان خدا بنی نوع انساں کو اپنے اعمال کی جواب دہی سے آزاد نہیں چھوڑے گا، یا اس دنیا کی زندگی کو ہی، جہاں انصاف پوری طرح نافذ نہیں ہوسکتا، ایک اکیلی زندگی نہیں بنائے گا: ''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔'' [۴۵:۲۴]، ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ واللہ جو سچا بادشاہ ہے (اُس کی شان) اس سے اونچی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش بزرگ کا مالک ہے۔'' [۲۳:۱۱۵ تا ۱۱۶]، ''۔۔۔۔۔۔۔ اور آخرت کی زندگی میں ان کا انعام تو بہت بڑا ہے کاش وہ (اسے) جانتے۔۔'' [۱۶:۴۱]

اس دنیا کے بعد آنے والی زندگی حقیقی زندگی ہے، صلہ بخش ہے، مستحکم ہے اور دائمی ہے ''۔۔۔۔۔۔۔ یہ دنیا کی زندگی (چند روز) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔'' [۴۰:۳۹]، ''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ (لوگ) سمجھتے'' [۲۹:۶۴]؛ ''۔۔۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔'' [۵۰:۳۴]۔

❁ ❁ ❁

کائنات

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور پانی جس کو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا اور اُس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (ان سب میں) عقل مندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ (۲:۱۶۴)

یہ ایک آیت آدمی کے حواس اور افکار کو قدرت کے ان مختلف پہلوؤں کی طرف لے جاتی ہے جن کی درستگی اور خوبصورتی کا حوالہ یہاں دیا گیا ہے۔ یہ آیت اس عظیم الشان کائنات کے ایک مختصر حوالہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں ستاروں اور سیاروں کا عمومی انداز میں اور زمین کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے کہ اسی پر وہ نوع انسانی بستی ہے جس سے قرآن مخاطب ہے۔ زمین کا خاص مقام اور تعلق سورج کی سرگرمی سے ہے جو کہ دن اور رات کے آنے جانے کا سبب ہے اور دن ورات کا دورانیہ مختلف موسموں میں مختلف ہوتا ہے۔

عربی کا لفظ ’’السماوٰت‘‘ جمع کے صیغے میں لایا گیا ہے جو کہ ’السماء‘ کا صیغہ جمع ہے، جس کا مطلب ہے ’’بلندی کی طرف جانا‘‘ اور اس کا ابتدائی مطلب خلا کی مختلف سطحوں سے ہے جو انسان کو اس کے اوپر بلند ہوتی دکھائی دیتی ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ زمین کے کس مقام پر ہے۔ قرآن میں یہ لفظ عام طور سے اپنے وسیع تر معنیٰ میں آفاق ("Heavens") کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو ’ویبسٹر نیو کالیجیٹ ڈکشنری‘ کے مطابق ’’خلا کی وہ وسعت ہے جو زمین پر ایک گنبد کی شکل میں ڈھکی نظر آتی ہے، اور عام طور سے جمع کے صیغے میں استعمال ہوتا ہے‘‘[۲۹:۲، ۳۳، ۱۰۷، ۱۱۶تا۱۱۷، ۱۶۴، ۲۵۵، ۲۸۴، ۔۔۔؛ نیز۴۹:۱۶؛ ۴۴:۱۷؛ ۹۳:۱۹؛ ۳۰:۲۱؛ ۱۸:۲۲؛ ۱۷:۲۳؛ ۷۱:؛ ۵۹:۲۵؛ ۱۰:۳۱؛ ۳:۳۴؛ ۴۱:۳۵؛ ۵۷:۴۰؛ ۱۲:۴۱؛ ۲۹:۴۲؛ ۳۶:۴۵؛ ۲۳:۵۹؛ ۷:۶۳؛وغیرہ]۔ اور جب یہ لفظ واحد

کے صیغے میں یعنی 'السماء' آتا ہے تو اس کا مطلب خاص طور سے آسمان لیا جا سکتا ہے جو کہ ویبسٹر کے مطابق ''وہ بالائی ماحول ہے جو کہ زمین کے اوپر ایک عظیم محرابی چھت کی طرح دکھائی دیتا ہے''، یا ''بالائی ماحول میں چھایا ہوا موسم'' ہے، یا پھر محض موسم ہے [۲:۱۹، ۲۲، ۱۶۴؛ ۶:۹۹،۱۲۵؛ ۷:۹۶؛ ۸:۱۱؛ ۱۰:۲۴؛ ۱۱:۴۴،۵۲؛ ۱۳:۱۷؛ ۱۴:۲۴،۳۲؛ ۱۵:۲۲؛ ۱۶:۱۰،۶۵،۷۹؛ ۲۰:۵۳؛ ۲۱:۳۲؛ ۲۲:۳۱،۶۳؛ ۲۳:۱۸؛ ۲۴:۴۳؛ ۲۵:۴۸،۶۱؛ ۲۷:۶۰؛ ۳۰:۴۸؛ ۳۱:۱۰؛ ۳۷:۶؛ ۳۹:۲۱؛ ۴۱:۱۲؛ ۴۳:۱۱؛ ۴۵:۵، ۱۳؛ ۵۰:۶،۹ وغیرہ]۔ دوسری طرف یہ لفظ، خواہ وہ واحد کے صیغے میں ہو یا جمع کے صیغے میں، ایک دینی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب عرش الٰہی ہوسکتا ہے جہاں وجود باری تعالیٰ مستوی و متمکن ہے، فرشتوں کا مقام ہوسکتا ہے، اور ملا اعلی ہوسکتا ہے [۳۷:۷، ۸؛ ۳۸:۶۹]، اور آخرت کی زندگی میں صالحین کا متبرک مقام ہوسکتا ہے [۷:۴۰؛ ۱۷:۹۵؛ ۲۶:۴؛ ۲۷:۶۵؛ ۳۶:۲۸؛ ۳۹:۶۷؛ ۴۸:۴،۷؛ ۵۳:۲۶؛ ۵۵:۳۳ وغیرہ]۔

اہم بات یہ ہے کہ، پورے قرآن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں جو اس دنیا میں انسان کی چلت پھرت کو بنائے ہوئے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت ان کئی آیات [۶:۹۷؛ ۱۰:۲۲؛ ۱۴:۳۲؛ ۱۶:۱۴؛ ۱۷:۶۶؛ ۲۲:۶۵؛ ۲۷:۶۳؛ ۳۱:۳۱؛ ۴۲:۳۲ تا ۳۴؛ ۴۵:۱۲؛ ۵۵:۲۴]، میں سے ایک ہے جن میں بحری آمد و رفت کا حوالہ ہے، جب کہ قرآن کی دیگر کئی آیات بری آمد و رفت اور گھوڑوں و اونٹوں کے فائدے بیان کرتی ہیں [جیسے ۱۶:۷،۸؛ ۳۶:۴۲،۷۱،۷۲؛ ۴۰:۷۹؛ ۴۳:۱۲]۔ اس طرح قرآن اس بات پر توجہ دلاتا ہے کہ انسان ایک ''چلتی پھرتی مخلوق'' ہے اور حرکت یا چلت پھرت انسانی فطرت کے لئے لازمی ہے، چنانچہ اس چلت پھرت کو، انسان کے ایک بنیادی حق کی طرح ہر لحاظ سے محفوظ ہونا چاہئے: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی [۱۷:۷۰]۔

انسانی فطری اعتبار سے آفاقی ہے، اور علم کے تبادلے و تہذیب کے ارتقاء کے لئے مختلف مقامات پر اس کے جانے میں یا طرح طرح کے لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے میں [۴۹:۱۳] کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ ایک اور اہم آیت میں جہاں قرآن سمندر کو جہازوں کے واسطے سے انسان کے تابع کرنے کو اللہ کی نعمت کے طور پر بیان کرتا ہے، یہ کہہ کر اس بات کو براہ راست دوہرایا گیا ہے کہ اللہ نے اسے انسان اور اس کی عقل کے ماتحت کر دیا ہے: ''اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو'' [۴۵:۱۲]۔ یہاں آسمان سے مراد ماحول اور خلا دونوں ہو سکتے ہیں جن کے واسطے سے انسان آنے والے وقت میں سیاحت کر سکتا ہے جس طرح نزول قرآن کے وقت سمندر میں کرتا رہا تھا۔ یقینا، ایسا کوئی حوالہ نزول قرآن کے وقت صاف طور سے نہیں دیا گیا، کیوں کہ اس وقت یہ ناقابل فہم تھا یا اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن بہر حال آج جب ہم اس تناظر میں گہرائی سے غور کرتے ہیں یہ تو اس کا یہ مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے۔

سمندر کا ذکر آتے ہی ذہن میں پانی کا تصور آتا ہے جو کہ فطرت کے طبیعاتی اور حیاتیاتی پہلوؤں کے درمیان ایک واسطہ ہے: ''اور ہم نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے'' [۲۱:۳۰]۔ ماحول سے پانی انسان کو مختلف شکلوں میں دیا گیا ہے، اور اسی سے زمین پر زندگی شروع ہوتی ہے اور اس پر موجود ہر جان دار مخلوق کو زندگی ملتی ہے۔ یہ پانی بھانپ بننے اور پھر اس کے جمنے سے بادل بننے کے عمل سے اور پھر مختلف انداز سے ہواؤں کی اس گردش سے حاصل ہوتا ہے جو کہ متعین فطری قوانین کے تحت ہوتی ہے۔ اور جو اس عمل کا ایک لازمی حصہ ہے۔ فطرت کے ان مختلف عناصر اور قوانین کے درمیان اس باہمی تعلق، نظم و ترتیب، توازن اور ربط و ارتباط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ

سب کچھ الل ٹپ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے پیچھے کوئی اعلیٰ ترین حکمت اور قدرت کارفرما ہے جس نے اسے تخلیق کیا ہے اور اس کی وسعت و پیچیدگی کے باوجود اسے ایک نظم میں باندھے ہوئے ہے۔ اس حکمت اور قدرت کی مالک ایک ہی ہستی ہے کیوں کہ اس طرح کی ایک سے زیادہ ہستیاں یقینی طور سے تضاد کا موجب ہوں گی [نمونہ کے لئے دیکھیں آیات ۲۱:۲۲، ۲۳:۹۱ اور ۴:۸۲]

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۚ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا۔ (۳:۱۹۰ تا ۱۹۱)

اس عظیم الشان کائنات میں تخلیق کے یہ عجائبات ان لوگوں کے لئے توجہ طلب ہیں جو غور و فکر کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، ان عجائبات پر اگر وہ غور کریں گے تو ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ خالق کائنات ایک اکیلی ہستی ہے، اور یہ کہ ان عجائبات کی یہ تخلیق بالعموم، اور انسان کی تخلیق بالخصوص اپنا کچھ مطلب اور مقصد رکھتی ہے۔ خالق کے وجود کو ماننا اور انسان کی جوابدہی میں یقین کرنا وہ خاص عوامل ہیں جو دنیا کی اس زندگی میں اخلاق اور انصاف کی ترغیب و تحریک دیتے ہیں، اور آنے والی دائمی زندگی میں مکمل انصاف، اور اچھے کام کرنے والوں کے لئے اچھے صلہ اور برے کام کرنے والوں کے لئے برے صلہ کی امید دلاتا ہے۔

فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۹۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾

وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اُسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے یہ اللہ کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں اُن سے رستے معلوم کرو۔ عقل والوں کے لئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ (۶:۹۶ تا ۹۷)

مندرجہ بالا آیت صرف دن اور رات کے آگے پیچھے آنے جانے کو ہی بیان نہیں کرتی ہے بلکہ اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ رات ختم ہوجانے کے بعد کس طرح دن نمودار ہوتا ہے اور روشنی و زندگی لاتا ہے اور لوگوں کو اپنا معاش کمانے کے لائق بناتا ہے [مزید دیکھیں: ۳:۲۷، ۱۰:۶۷، ۲۲:۶۱، ۲۵:۴۷، ۳۰:۲۳، ۳۵:۱۳، ۳۶:۳۷، ۳۹:۵، ۴۰:۶۱، ۵۷:۶، ۷۸:۱۰ و ۱۱]۔ علاوہ ازیں، زمین کے محور سے سورج کے مقام میں روزانہ اور سالانہ ہونے والی یہ ظاہری تبدیلیاں انسان کو دن کے وقت اور سال میں چار مہینوں کا حساب لگانے کا موقع اور طریقہ فراہم کرتی ہیں جب کہ چاند کی ماہانہ حرکت اور اس کے گھٹنے بڑھنے کے مرحلوں سے مہینوں کا حساب لگانے

میں مدد ملتی ہے۔ ستارے اندھیروں میں روشنی فراہم کرتے ہیں اور بعض ستارے بحر و بر کے مسافروں کے لئے سمت کا تعین کرنے میں رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ کتنا درست ہے یہ نظام جو انسان کو سورج، چانداور ستاروں کی روشنی سے فائدہ پہنچاتا ہے اور وقت کا حساب لگانے و سمتوں کا تعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اللہ کی کمال تخلیق میں جو لوگ ان حقائق کو سمجھتے ہیں اور ان پر غور کرتے ہیں وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یقیناً اس نظام کا ایک خالق ہے اور وہ تن تنہا ہے، قادر مطلق ہے اور علیم و خبیر ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کیلئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں (سب میں) ڈرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۱۰:۵،۶)

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت سورج اور چاند کی روشنیوں میں فرق کو بیان کرتی ہے، سورج کی روشنی کے لئے لفظ ضیاء اور چاند کی روشنی کے لئے لفظ نور استعمال کیا گیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں ان دونوں روشنیوں کو تفریق کے ساتھ بیان کرنا خود اپنے آپ میں ایک اہم بات ہے۔ جیسا کہ بعض فلاسفہ نے کہا ہے، ضیاء کا مطلب ایک ایسی روشنی ہے جو خود اپنے آپ سے نکلتی ہے، مثلاً آگ [دیکھیں آیات ۲:۱۷، ۲۰]، جب کہ لفظ نور زیادہ عمومی ہے اور اس کا اطلاق اس روشنی پر بھی ہوتا ہے جو محض عکس ہو یا کسی دوسرے منبع سے جاری ہو، جیسا کہ عقیدے کی روشنی یا اللہ کی ہدایت کی روشنی [۲:۱۷، ۵:۱۵، ۴۴، ۴۶؛ ۷:۱۵۷؛ ۲۴:۳۵؛ ۳۹:۶۹؛ ۴۲:۵۲؛ ۵۷:۱۲، ۱۳، ۲۸]۔ اللہ کو منبع نور کہا گیا ہے یعنی تمام روشنوں کا سرچشمہ وہی ہے، چنانچہ اس لحاظ سے آیت کے اس مطلب کی بھی تائید ہوتی ہے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے [۲۴:۳۵؛ موازنہ کے لئے ۴:۱۷۴؛ ۵:۱۵؛ ۶:۱، ۱۲۲؛ ۲۴:۴۰؛ ۳۹:۲۲، ۶۹؛ ۶۴:۸]۔ قرآن میں دوسرے مقامات پر سورج کی روشنی کو سراج (چراغ) کہا گیا ہے [۲۵:۶۱، ۷۱:۱۶] اور 'روشن چراغ' کہا گیا ہے [۷۸:۱۳]۔ اس کے علاوہ، دھوپ اور روشنی اور سوج و چاند کے جائے وقوع میں زمین سے نظر آنے والی تبدیلی دن یا پورے مہینہ میں اوقات کے تعین کا ذریعہ بنتی ہے اور سال کے چار موسموں میں فرق کا سبب بنتی ہے اور مختلف معاملوں کے لئے دن، مہینہ یا موسم کا حساب کتاب لگانے کی بنیاد بنتی ہے جو تہذیب وارتقاء کے لئے لازمی ہیں [جیسے، پیداوار، تصرف، آمدنی، خدمات، سروے وغیرہ]۔ دن اور رات لگاتار اور ایک متعین ترتیب سے بتدریج ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں [۳:۲۷؛ ۲۲:۱۶؛ ۳۱:۲۹؛ ۳۵:۱۳؛ ۳۹:۵؛ ۵۷:۶]۔ رات اور دن کے عرصہ میں چاروں موسموں کے دوران فرق آتا ہے، اور ہم انسانوں کو سردیوں میں چھوٹا دن اور بڑی رات جبکہ گرمی میں اس کے برعکس بڑا دن اور چھوٹی رات ملتی ہے، اور بسنت وخزاں کے دنوں میں برابر کے دن رات ملتے ہیں۔ یہ تمام پہلو اس بات کی نشانیاں ہیں کہ کائنات کس قدر مکمل اور اعلیٰ ترین طریقے سے تخلیق کی گئی ہے اور انسان کی نگہداشت کا کیسا زبردست انتظام کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳

اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر جا ٹھہرا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا، ہر ایک، ایک میعاد تک گردش کر رہا ہے، وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے (اس طرح) وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم اپنے رب کے رُوبرو جانے کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کئے اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

(۱۳:۲ تا ۳)

قرآن میں آسمانوں کا ذکر جہاں جمع کے صیغے میں کیا گیا ہے وہاں ان سے مراد اس آسمان سے بھی ہوسکتی ہے جسے ہم ظاہری طور پر ماحول اور خلاء سمجھتے ہیں، اور اس مقام سے بھی ہوسکتی ہے جو اس ظاہری وجود سے ماوراء ہے جہاں ملاء اعلی واقع ہے [۸:۳۷، ۶۹:۳۸] اور جہاں فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ آسمان، خاص طور سے وہ آسمان جو ہم ظاہر کی آنکھ سے دیکھتے اور جانتے ہیں، کچھ متعین فطری قوانین [مثلاً دباؤ اور کثافت وغیرہ] کے ذریعہ سے قائم ہیں، لیکن بظاہر کوئی ستون اور سہارا اس کے نیچے نہیں ہے۔ عرش الٰہی اپنے حقیقی معنی میں، خواہ اسے لفظی معنی میں لیا جائے یا تعبیری معنی میں، بہرحال ہمارے تصور وفہم سے پرے ہے۔ قران میں عرش الٰہی کو زوردار یا شاندار اور عظیم اور کریم کے طور پر بیان کیا گیا ہے [۱۲۹:۹؛ ۸۶:۲۳؛ ۲۶:۲۷]۔ یہ بیان کہ وہ عرش پر مستوی ہو گیا [مذکورہ بالا آیات کے علاوہ دیکھیں ۵۴:۷؛ ۳:۱۰؛ ۵:۲۰؛ ۵۹:۲۵؛ ۴:۳۲؛ ۴:۵۷]، اس بیان کے بعد آتا ہے کہ اس نے عالم کائنات کو پیدا کیا یعنی آسمانوں کو جن میں کہکشائیں، ستارے وسیارے بھی شامل ہیں اور مافوق الفطرت تصور بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر، قطع نظر اس کے کہ وہ کیا ہے یا کیسا ہے، متمکن ہو کر اس کائنات کو اپنی پوری طاقت، علم، توجہ اور مہربانی سے چلا رہا ہے اور اپنی قدرت کو اپنی صفت رحمت وتحمل کے ساتھ بروئے کار لا رہا ہے، نہ کہ محض اپنے اقتدار اعلیٰ اور قدرت کاملہ کو برت رہا ہے [۳:۱۰؛ ۵۹:۲۵؛ ۴:۵۷]

اوپر کی آیتوں میں سے پہلی آیت سورج اور چاند پر اللہ کے اختیار کو جتاتی ہے کہ یہ دونوں کس طرح اللہ کے بنائے ہوئے قوانین فطرت اور نظام کے پابند ہیں اور انسانوں کو نفع پہچانے کے لئے ''سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔ اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں'' [۳۸:۳۶ تا ۴۰]۔ اسی طرح دن اور رات کا عرصہ ہمیں چاروں موسموں میں الگ الگ ملتا ہے اور ہر موسم میں ہمیں سورج کی دھوپ مختلف درجہ حرارت پر ملتی ہے۔ چاند ہمیں پورے مہینہ الگ الگ مرحلوں (کیفیتوں) میں دکھائی دیتا ہے اور اس کی وجہ سے روشنی الگ الگ مقدار میں ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی یہ تمام نشانیاں قرآن میں پیش کی گئی ہیں تاکہ لوگ اس بات کو سمجھیں کہ یہ دنیا اور اس میں بسے انسان بغیر کسی مطلب ومقصد کے نہیں پیدا کئے گئے ہیں، بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی، عقلی اور روحانی طور پر جو کچھ بھی بخشا ہے، اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور یہ کہ ہر فرد آنے والی زندگی میں اس کے سامنے پیش ہوگا اور اس کے انصاف اور نتیجہ کو دیکھے گا۔

سورج اور چاند سے ملنے والی دھوپ اور روشنی کے علاوہ، قرآن زمین کی طرف بھی انسان کی توجہ مبذول کراتا ہے کہ انسان کو بسانے کے لئے اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے جہاں اس کی بقاء کا اور زندگی کی لازمی ضروریات کی تکمیل کا تمام سامان فراہم ہے۔ زمین کا کوئی بھی حصہ جہاں انسان رہتے ہیں وہ وہاں کے رہنے والوں کے لئے ہموار ہے حالانکہ مجموعی طور پر وہ ایک گولے کی شکل میں ڈھالی گئی ہے۔ زمین پر مضبوط پہاڑ کھڑے گئے ہیں، بہتے پانی کے وسائل ہیں اور طرح طرح کے پیڑ پودھے ہیں جن میں نر اور مادہ ساخت موجود ہے جو پھولوں اور مختلف نباتاتی پیداوار کی افزائش ونمو کے لئے ایک دوسرے سے تعامل کرتے ہیں۔ زیادہ تر پودے دن اور رات کی گردش سے مستفید ہوتے ہیں کیوں کہ دن میں ان کے اندر ضیائی تالیف (''photosynthesis'') کا عمل ہوتا ہے اور رات میں وہ سانس لیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اللہ علیم وخبیر اور حکیم وقدیر کی حیرت انگیز تخلیق کی واضح نشانیاں ہیں۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا‌ؕ وَ مِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ‌ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ‌ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً‌ ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ‏ ﴿۱۷﴾

اُسی نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، پس جھاگ تو سوکھ کر زائل ہوجاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ تم سمجھو)۔ ([۱۳:۱۷])

مذکورہ بالا آیت میں قدرتی حقائق کو پیش کرنے والی کئی مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی مثال پانی کی ہے جو اللہ تعالیٰ بارش کی شکل میں آسمان سے برساتا ہے جس سے ندیاں، نالے اور تالاب اپنی اپنی وسعت کے مطابق بھر جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو علم دیا گیا ہے اور رہ نمائی فراہم کی گئی ہے خواہ وہ اللہ نے خود دی ہو یا اس کے پیدا کردہ کسی وسیلے سے حاصل ہو، اس علم اور رہنمائی کو ہر فرد اپنی اپنی سکت کے مطابق حاصل کرتا/کرتی ہے۔ چوں کہ دوسروں کو صحیح یا غلط معلومات دینے کا امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے اس لئے یہ مثالیں اس بات کو یقینی بنانے کے لئے دی گئی ہیں کہ آخر کار سچ اور حق ہی باقی رہتا ہے۔ جھوٹی (باطل) بات یا معلومات جھاگ کی طرح ہے جو پانی کے ریلے کے اوپر چھا جاتا ہے اور جلدی ہی رفع ہوجاتا ہے، اور یہ باطل اس میل کچیل کی طرح ہوتا ہے جو دھات کو گرم کرکے کندن بنانے کے عمل کے دوران اس کے اوپر آ جاتا ہے۔ یہ جھاگ اور میل کچیل دونوں آخر کار جاتے رہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح، جب مختلف نظریات کے بیچ کشمکش ہوتی ہے تو جو چیز زمین پر رہنے والے لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جو جھاگ اور میل کچیل کی طرح بے حقیقت ہوتی ہے وہ فنا ہوجاتی ہے۔ البتہ حق اور حقیقت زمانہ میں ان لوگوں کے دم سے باقی رہتی ہے جو اس میں یقین رکھتے ہیں: اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہوجاتا لیکن اللہ تعالیٰ اہلِ عالم پر بڑا مہربان ہے [۲:۲۵۱]

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا مِنۡ اَطۡرَافِہَا ؕ وَ اللّٰہُ یَحۡکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکۡمِہٖ ؕ وَ ہُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾

کیاانہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں کی طرف سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ (جیسا چاہتا ہے) حکم کرتا ہے کوئی اُس کے حکم کا رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۳:۴۱، نیز دیکھیں ۲۱:۴۴)

یہ آیت زمین کی ساخت یا اس کی آبادی میں جغرافیائی یا آبادیاتی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو ایک ایسی بات ہے جس کی تائید مختلف سائنسی مشاہدات سے ہوتی ہے (مثلاً: خلائی عوامل؛ زمین میں کٹاؤ کے عوامل جیسے گرمی، ہوا، نمی اور بارش؛ جغرافیائی، اقتصادی اور دیگر اسباب سے آبادی میں کمی)، اور یہ عوامل زمین یا آبادی کی کیفیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، جیسے بڑی تعداد میں لوگوں کا فوت ہوجانا یا خراب صورت حال والے علاقوں سے بہتر حالت والے علاقوں کی طرف نقل مکانی کر جانا۔ یہ تبدیلیاں یہ دکھاتی ہیں کہ قدرتی اور سماجی ضابطے کس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ان طبیعاتی اور انسانی واقعات کے پس پشت اللہ قدیر و علیم کا ہاتھ کارفرما ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ﴿ۚ۳۲﴾ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ﴿ۚ۳۳﴾ وَ اٰتٰىکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ﴿٪۳۴﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اُس سے تمہارے کھانے کیلئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیرِ فرماں کیا تاکہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیرِ فرماں کیا۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔ اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تمہیں عنایت کیا اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔
(۱۴:۳۲ تا ۳۴)

یہ آیات ایک بار پھر اللہ کی شان تخلیق کی ان نشانیوں کو بیان کرتی ہیں جو مختلف چیزوں میں نظر آتی ہیں جیسے کہ ماحول اور خلا میں، آسمانوں میں (ان کے دینی مفہوم کے اعتبار سے، جہاں ملا اعلی واقع ہے اور فرشتوں کا مجمع ہے) [دیکھیں ۳۷:۸؛ ۳۸:۶۹]، آسمان سے پانی کے برسانے اور اس کے ذریعہ انسان کی بقا کے لئے نباتات اگانے میں، کشتیوں اور دریاؤں کو انسان کے لئے مسخر کر دینے میں، جن کے لئے سورج کی دھوپ اور چاند کی روشنی کو بھی خادم بنا دیا گیا ہے، دن اور رات کے آنے جانے میں اور مختلف موسموں میں ان کے الگ الگ دورانیہ میں۔ مزید یہ کہ، اللہ تعالیٰ لوگوں کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس کی وہ طلب کرتے ہیں، اور اس طرح اس کا فضل و رحم بے شمار و بے حساب ہے، خواہ یہ مجموعی طور پر نسل انسانی کے لئے ہو یا کسی فرد خاص کے لئے جو مشکل وقت میں اسے مدد کے لئے، یا اپنے اوپر فضل و کرم کے لئے پکارتا/ کرتی ہے [۲:۱۸۶]۔ لیکن انسان جب مشکل میں پڑتا ہے یا اسے کوئی راحت حاصل ہوتی ہے تو وہ فوراً باتیں بنانے

لگتا ہے یا اللہ کی مہربانی کو بھلا بیٹھتا ہے۔ [۷:۱۸۹ تا ۱۹۰؛ ۱۰:۱۲؛ ۲۲:۲۳؛ ۱۷:۸۳؛ ۳۰:۳۳؛ ۳۱:۳۲؛ ۳۹:۸، ۴۹؛ ۴۱:۴۹ تا ۵۱]۔ اللہ پر ایمان اور حیات بعد موت میں یقین سے انسان کو اپنے اوپر قابو رکھنے اور ایک متوازن زندگی گزارنے میں مدد ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق مومن کو دنیا میں جب کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو وہ غرور اور شیخی میں اپنی توانائی ضائع نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنے رب کا شکر گزار ہوتا ہے، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ نہیں رہتا، بلکہ صبر کرتا ہے، ثابت قدم رہتا ہے اور اس مشکل سے نکل آنے کی امید رکھتا ہے۔ (بہ روایت ابن حنبل، مسلم)۔ چنانچہ اس عقیدہ کی افادیت یہ ہے کہ یہ انسانیت کو توازن، استحکام اور تخلیقی توانائی کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے۔

وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی (ہوتی ہیں) اور ہم ہی آسمان سے مینہ برساتے ہیں اور ہم ہی تم کو اُسکا پانی پلاتے ہیں اور تم تو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔

(۲۲:۱۵)

عربی زبان کا یہ لفظ ''لواقح'' جو اس آیت میں ہواؤں کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اس کا معنیٰ ہوتا ہے حمل برداری، اور یہ لفظ ہواؤں کے اس کردار کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ نباتات کے پیداواری عمل میں مددگار ہوتی ہیں یا بھانپ کو جما کر بادل بناتی ہیں جو بارش میں بدل جاتے ہیں اور پھر اس سے پانی فراہم ہوتا ہے جو زندگی کے لئے ایک لازمی شے ہے۔ لوگ پانی کو ٹنکیوں میں جمع کر لیتے ہیں یا باندھ بنا کر روک لیتے ہیں، لیکن وہ اس کے اصل عوامل اور وسائل پر کوئی اختیار نہیں رکھتے یعنی بھانپ بننے اور پھر بادل بننے کے عمل میں جو کہ ہواؤں کی کارفرمائی ہے۔ اس طرح درحقیقت فطری قوانین اور نظام و ترتیب سے زمین کی سطح پر پانی تقسیم ہوتا ہے۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ
النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا
اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ هُوَ
الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى
الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ

اور اُسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اُسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں، سمجھنے والوں کیلئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور جو طرح طرح کے رنگوں کی چیزیں اُس نے زمین میں پیدا کیں (سب تمہارے زیرِ فرمان کر دیں) نصیحت پکڑنے والوں کیلئے اس میں نشانی ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے اختیار میں کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جس تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ اُس کا شکر کرو۔ اور اُسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے کہ تمہیں لے کر کہیں جھک نہ

بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ
عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ
كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

جائے اور نہریں اور رستے بنا دیئے تا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک (آسانی سے) جا سکو۔ اور (راستوں میں) نشانات بنا دیئے اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔ تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ ویسا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۲:۱۶ تا ۱۸)

رات اور دن کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا، اور سورج، چاند وستاروں کی کیفیت وسرگرمیاں، سب کچھ مخصوص قوانین وترتیب کی پابند ہیں جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہیں، جیسا کہ گزشتہ آیات میں بار بار دوہرایا گیا ہے۔ زمین پر مختلف رنگوں اور خوبیوں کے پتھر ہیں، ریت ہے اور مٹی ہے، اور ایسی ہی مختلف قسمیں معدنیات، جواہرات، پیڑ پودھوں میں اور بحر و بر کی تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہیں۔ زمین کی سطح اونچی نیچی ہے، اس پر چوٹیاں ہیں اور وادیاں ہیں یعنی فراز ہیں اور نشیب ہیں، پہاڑ ہیں، ندیاں ہیں اور راستے ہیں، اور اس کے نشانات راہ ہیں اور رخ وسمت بتانے والے دیگر ذرائع ہیں۔ رات کو لوگ ستاروں کی مدد سے راستہ پا سکتے ہیں۔ ان تمام چیزوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ ایسے علامات ونشانیاں ان میں دیکھ سکتا ہے جو اسے غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں اگر وہ اپنی عقل کو استعمال کرے اور قدرت کے ان عجائبات کو بے فکری و بے حسی کے ساتھ نظر انداز نہ کرے۔ یہ تعجب خیز اور کارآمد تخلیق ایک حاکمیت اعلیٰ کی طرف نشاندہی کرتی ہے جو اہل نظر لوگوں کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن وہ اسے بڑی آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں یا خود کو اس ایک الٰہ واحد کے بجائے یا اس کے ساتھ دوسروں کے آگے سپر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ خالق حقیقی، جسے سنجیدہ غور وفکر سے پہچانا جا سکتا ہے، ان تمام نعمتوں کے لئے جو اس نے انسان کو بخشی ہیں، انسان کی طرف سے حمد وشکر کا حق دار ہے اگر انسان عقل رکھتا ہو اور صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بہرور ہو۔ لیکن اس کے باوجود، اللہ کے فضل وکرم سے فائدہ اٹھانے والا انسان اس کا شکر بجالانے میں کوتاہ ہے۔ تاہم اپنی اصلاح (توبہ) کا موقع ہمیشہ حاصل ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور غفور ورحیم ہے۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ
وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور اللہ ہی نے تمہارے (آرام کے) لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں غاریں بنائیں اور کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں اور (ایسے) کرتے (بھی) جو تم کو (اسلحۂ) جنگ (کے ضرر) سے محفوظ رکھیں اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے تا کہ تم فرماں بردار بنو۔ (۸۱:۱۶)

پہاڑیاں و پہاڑ، غار اور پیڑ انسانوں کو قدرتی سایہ اور سائبان فراہم کرتے ہیں، جب کہ انسانی دماغ، جو اللہ کا بخشا ہوا ایک عطیہ ہے، سایہ اور سائبان حاصل کرنے کے لئے دیواریں اور چھتیں تعمیر کرتا ہے۔ اسی طرح، لوگ پہلے خود کو دھوپ اور سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے جانوروں کی کھالیں استعمال کرتے تھے، پھر جب انھوں نے اس بات کو جان لیا کہ جانوروں کے اون، ریشم کے کیڑوں سے ملنے والے ریشمی تار اور درختوں سے حاصل ہونے والی پیداوار کو وہ کس طرح استعمال کر سکتے ہیں اور کس طرح دھاگے کات سکتے اور بن سکتے ہیں تو وہ

پہلے سے بہتر لباس بنانے کے اہل ہو گئے۔ ایک دوسرے کے حملوں سے خود کو بچانے کے لئے انھوں نے زرہ بکتر بنانا بھی سیکھ لیا۔

یہ تمام خدائی تحفے اور نعمتیں، خاص طور انسانی ذہن جو ہمیشہ چیلنجز کا سامنا کرتا رہتا ہے اور مسائل کا حل ڈھونڈ لیتا ہے اور ترقی کو مہمیز دیتا ہے، ان نعمتوں کو دینے اور فراہم کرنے والے الہ واحد کی طرف ہمیں متوجہ کرنے کا ذریعہ بننا چاہئیں، ان سے ہم اپنے خالق کو پہچانیں اور اس کے تئیں شکرگزاری کا احساس اپنے اندر پیدا کریں۔ اسے ہمارے شکریہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کی طرف رخ کرنے اور اس کے تئیں خود سپردگی سے خود ہمیں اپنے اندر بھی اور دوسروں کے لئے بھی ایک حقیقی آزادی کا احساس ہوگا اور زندگی کی نشیب و فراز میں ہم امن و عافیت سے بہرہ ور رہوں گے۔

اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا
رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ
اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ (۳۰) وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ
تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ (۳۱) وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ
هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ (۳۲) وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ
وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ
يَّسْبَحُوْنَ (۳۳)

کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے اُن کو جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے ملنے (اور جھکنے) نہ لگے اور اس میں کشادہ رستے بنائے تاکہ لوگ ان پر چلیں۔ اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب (یعنی سورج اور چاند اور ستارے) آسمان میں (اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں۔ (۲۱:۳۰ تا ۳۳)

وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ
كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ
عَمَلًا ؕ وَ لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ
لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۷)

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا ہے (اُس وقت) اُس کا عرش پانی پر تھا (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ (۱۱:۷)

کائنات کے بارے میں انسان کے علم و معلومات کی ترقی سے یہ راز افشا ہوتا ہے کہ یہ تخلیق اور اس کا لگا بندھا نظم بہترین طریقے سے ترتیب دئے ہوئے ایک مربوط نظام کا پابند ہے۔ ہم اب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ زمین کبھی سورج کے بڑے گولے کے اندر تھی اور اس سے ٹوٹ کر الگ ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے زمین سورج کے اطراف گھومتی ہے، جیسا کہ اوپر کی آیت (۲۱:۳۰) میں بیان ہوا ہے، جس کے نتیجے میں دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں اور چاروں موسم آگے پیچھے بدلتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد والی آیت (۲۱:۳۱) پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ زمین کو تھامے رکھنے کا ذریعہ ہیں جو کہ اپنے محور پر تیزی سے گھومنے والا ایک سیارہ ہے اور

جس کا اندرونی حصہ سرد رہتا ہے جس سے اس کی باہری سطح سخت ہوتی ہے۔ یہ ٹھنڈک سیال مادے یا گیس کے ذرات میں سطح سے مرکز کی طرف جاتی ہے، زمین کے اندرونی حصہ کا موازنہ سیال مادے اور گیس کے ذرات سے کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ محمد اسد* نے بجا طور پر اشارہ کیا ہے۔ محمد اسد کے الفاظ میں "ایسا لگتا ہے کہ اس داخلی حصہ کو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے مادے کے زوردار دباؤ سے ٹھوس رکھا گیا ہے، جس کا واضح ثبوت پہاڑ ہیں، اور اس بات سے پہاڑوں کے بارے میں اس قرآنی حوالہ کی تشریح ہوتی ہے کہ یہ میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں (۷۸:۷)، جو زمین کی اس پائیداری اور توازن کی علامت ہیں جو کہ زمین نے اپنی جغرافیائی تاریخ کے طویل عرصہ میں بتدریج حاصل کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ توازن مطلق نہیں ہے (جیسا کہ زلزلوں اور آتش فشانی کے واقعات سے ظاہر ہے)، بلکہ یہ زمین کے خول کا ٹھوس پن ہے جو کہ زمین کے داخلی حصہ کی سیال کیفیت کے برعکس ہے جس کی وجہ سے زمین پر زندگی ممکن ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"۔

چنانچہ قرآن میں پہاڑوں کی مضبوطی کا یہ حوالہ جو بار بار دیا گیا ہے کہ وہ زمین کو تھامے رکھتے ہیں تاکہ زمین اپنی آبادی کے بوجھ سے کسی طرف کو ڈھلک نہ جائے، وہ اسد کے الفاظ میں "اس حقیقت کا عکس خیال ہے کہ پہاڑ اپنی بلندی کے لئے توازن کے اس تدریجی عمل کے مرہون منت ہیں جو زمین کے خول کی وجہ سے قائم ہوا ہے (آیت ۱۵:۱۶ کی تشریح میں حاشیہ نمبر ۱۱)۔ تاہم، پہاڑ جو اپنے حجم کے زبردست دباؤ کے ذریعہ زمین کے خول کے ٹھہراؤ پر اثر انداز ہوتے ہیں، زمین کے اطراف انسان کی حرکت میں مزاحم نہیں ہوتے [۷۱:۲۰]۔ چانچہ ان پہاڑوں میں راستے ہوتے ہیں جو لوگوں کو اس زبردست مادے کے ہجوم سے گزرنے کی راہ دیتے ہیں۔

جس طرح زمین پر ایک محفوظ و مستحکم سطح ہے، اسی طرح اس کے اوپر ایک چھت جیسی بناوٹ ہے۔ قرآن میں عربی لفظ 'سما' بصیغہ واحد اور 'سماوات' بہ صیغہ جمع دونوں استعمال کئے گئے ہیں جس کا مطلب اس چیز سے بھی ہے جسے ہم 'آسمان' کہتے ہیں، جو کہ ماحول اور خلا ہے، جسے ہم دیکھ سکتے ہیں، اور اس چیز کے لئے بھی ہے جسے ہم روحانی تصور میں جنت (یا آفاق) کہتے ہیں۔ "چھت جیسی" بناوٹ جس کا حوالہ اوپر کی آیت میں دیا گیا ہے اسے، اسد کے الفاظ میں "کائناتی خلاء سمجھا جا سکتا ہے جس میں ستارے ہیں، نظام شمسی ہے (جس کا ہم خود بھی حصہ ہیں) اور کہکشائیں ہیں جو اپنا اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں" (آیت ۲:۱۳ کی تفسیر میں حاشیہ نمبر ۴)۔ سورج اور چاند بھی زمین کی طرح اپنے اپنے مدار میں تیرتے ہیں، اور انسان اس پورے نظام سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں ہی دن اور رات کا مفید سلسلہ چلتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر اُن کو آپس میں ملا دیتا ہے اور ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل سے مینہ نکل (کر برس) رہا ہے اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور بادل میں جو بجلی ہوتی ہے اُس کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے بینائی کو) اُچکے لئے جاتی ہے اور اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے اہلِ بصارت کیلئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ (۲۴:۴۳ تا ۴۴)

یہ آیت ایک ایسی تصویر پیش کرتی ہے جو فنی بھی ہے اور سائنسی بھی، یعنی بادلوں کا جمنا، ابتدائی مرحلہ سے بارش کے ہونے تک کا عمل جس میں کڑک، چمک اور ژالہ باری کا بھی امکان رہتا ہے۔ اس طرح بھانپ بننے، بادلوں کی شکل میں ان کے منجمد ہونے اور کبھی کبھی برف کی طرح جم جانے، کڑکنے اور چمکنے کا یہ عمل فطرت کی حرکت پزیری کا ایک مظہر ہے جو مستقل طور پر سے تغیر پزیر ہیں اور اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ جو ہر وقت جاری ہیں کہ بادل بنتے رہتے ہیں، اسی طرح دن کی روشنی اور رات کے اندھیرے روز ایک دوسرے سے تبدیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ تبدیلیاں اور ان کے پیچھے کارفرما قوانین وترتیب پر اکثر ان لوگوں کی توجہ نہیں جاتی جو مشاہدے کی آنکھ رکھتے ہیں اور جمالیاتی حسن وعقلی کاریگری کو سمجھنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ ایسے افراد یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ ایسی شاندار و منظم اور وسیع و مرکب تخلیق جسے ان کے لئے مفید و مسخر کر دیا گیا ہے، راست طور پر اس کے خالق کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو قادر مطلق اور حکیم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

بلکہ تم نے اپنے رب (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو (بے حرکت) ٹھہرا رکھتا پھر سورج کو اُس کا رہنما بنا دیتا ہے۔ پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ اور نیند کو آرام بنایا اور ان کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔ اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت کے مینہ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک (اور شفاف) پانی برساتے ہیں۔ تاکہ اس سے شہر مردہ یعنی (زمین افتادہ) کو زندہ کر دیں اور پھر ہم اسے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو جو ہم نے پیدا کئے ہیں پلاتے ہیں۔ (۲۵:۴۵ تا ۴۹)

ہم نظام فطرت کی مختلف کیفیتوں سے اتنے زیادہ مانوس ہو گئے ہیں کہ اس میں کارفرما آفاقی قوانین اور اس کے نظام وترتیب کی طرف ہمارا خیال ہی نہیں جاتا اور ہم اس نظام فطرت کے مختلف عناصر کے درمیان باہمی ربط اور اس میں کارفرما قوانین کے باہمی تعلق، نیز اس سے انسانوں کو حاصل ہونے والے فوائد کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ سایہ کا ہونا، دن کے مختلف اوقات میں اس کا گھٹنا اور بڑھنا، ایک روز کا منظر نامہ ہے جس کا تعلق سورج کی پوزیشن سے ہے، اور اس طرح سورج و سایہ دونوں ایک دوسرے کا پتہ دینے والے ہیں۔ عرب جیسی کسی گرم زمین پر، سایہ انسان کے لئے انتہائی اہم چیز ہے۔ اس کا گھٹنا اور بڑھنا، جو کہ بظاہر آسمان میں سورج کی حرکت کے اعتبار سے نظر آتا ہے لیکن اصلاً زمین کا سورج کے سامنے اپنے محور پر گھومتے رہنے کا نتیجہ ہے، کائنات کی حرکت پزیری کا ایک حصہ ہے۔ سایہ کو روشنی سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس طرح آواز سے اس کی بازگشت کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پچھلے زمانے میں لوگ سایہ دیکھ کر وقت کے گزرنے کا اندازہ کرتے تھے، اور دوپہر (ظہر) و دوپہر بعد (عصر) کی نمازوں کا وقت اسی کے لحاظ سے رکھا گیا تھا۔ سورج کی گھڑی دھوپ گاڑی (gnomon) کے سایہ کے ذریعہ وقت بتانے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس عمودی شے کے سایہ کی پوزیشن اور لمبائی وقت کی رفتار کا پتہ دیتی تھی۔

آسمان میں سورج کے مقام کے حساب سے سایہ کا گھٹنا بڑھنا ذہن کو دن اور رات کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس بات کی طرف کہ ان دونوں چیزوں سے انسان کس طرح مستفید ہوتا ہے: دن میں کام کر کے اور روزگار کما کر اور رات کو آرام کر کے اور سو کر۔ رات کی تاریکی کچھ خاص انسانی سرگرمیوں کے لئے موزوں حالات فراہم کرتی ہے جو لوگوں کی گہما گہمی سے بچ کر یا سورج کی چلچلاتی دھوپ سے محفوظ رہ کر کرنا آسان ہوتے ہیں، جیسے ریگستان سے گزرنا یا سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کا کام۔ لوگوں کی اکثریت رات کو آرام کرتی ہے اور صبح میں اٹھ کر اپنے کام شروع کرتی ہے، اور انسانی زندگی کی علامتیں رات میں معطل رہ کر دن میں پھر نظر آنے لگتی ہیں۔

ہواؤں کی حرکت بھی کائنات کی حرکت پزیری کا ایک مظہر ہے۔ تبخیر وانجماد سے ہواؤں کا تعلق انہیں مخصوص حالات میں خوشخبری کا حامل بناتا ہے یعنی بارش کی آمد کی خبر دیتا ہے، جس کے برسنے سے زمین پر زندگی کو جلا ملتی ہے، پیڑ پودوں، جانوروں اور انسانوں کی افزائش ونمو ہوتی ہے۔ روشنی اور اندھیرے کا ایک دوسرے میں بدلنا، سکوت اور سرگرمی، خشکی اور نمی وغیرہ ساری باتیں کائنات کی عظیم، متواتر، باہمی طور سے مربوط اور بے عیب حرکت کی نشاندہی کرتی ہیں، جو تمام جدید سائنسی دریافتوں کے باوجود تصور سے پرے ہے، اور تخلیق کے عجوبہ خیز منصوبہ کو اجاگر کرتی ہیں، اور اس کے پیچھے کارفرما قادر مطلق منصوبہ ساز ہستی کا پتہ دیتی ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شریں ہے پیاس بجھانے والا اور دوسرے کا کھارا چھاتی جلانے والا اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط اوٹ بنا دی۔ (۲۵:۵۳)

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾

اسی نے دو دریا رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔ (۵۵:۱۹ تا ۲۰)

دنیا میں دو قسم کے پانی کی بہتات ہے: ایک ندیوں، جھیلوں، کنووں اور زیر زمین آبی وسائل سے ملنے والا میٹھا پانی، اور دوسرا سمندروں کا کھاری پانی۔ لیکن سمندروں کا یہی کھاری پانی تبخیر وانجماد کے عمل سے گزر کر میٹھے پانی کا وسیلہ بن جاتا ہے جو بارش یا برفباری کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ دونوں قسم کا پانی اپنی اصل حالت میں اگرچہ ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے، جیسے سمندر میں ندی کا پانی گرنے کی صورت میں، جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ میٹھا پانی ندی کے دہانے سے سمندر میں گرتا ہے تو ایک نظر نہ آنے والی رکاوٹ دونوں طرح کے پانیوں کو اپنی اپنی مخصوص خصوصیت کے ساتھ ایک دوسرے سے ممتاز رکھتی ہے۔ لہٰذا دونوں قسم کے پانیوں میں بہترین طریقے سے مربوط ایک باہمی تعلق ہونے کے باوجود، اور کچھ خاص مقامات پر ان کے ایک دوسرے سے ملنے اور خلط ملط ہونے کے باوجود یہ الگ الگ ہی رہتے ہیں، اور دونوں اپنی اپنی مخصوص خصوصیات کے ساتھ انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتے ہیں، ایک پینے کے کام آتا ہے اور دوسرا آبادبانی کے عمل میں معاون ہوتا ہے یا نمک فراہم کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی اس سائنسی اور مبنی برحقیقت تشریح کے علاوہ، اس کی ایک صوفیانہ تشریح بھی ہے جیسا کہ علامہ اسد نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''اس آیت میں سمندر کی مثال انسان کی شیریں روحانیت اور دنیا کے کھاری ماحول کی طرح ہے، جن کے درمیان ایک فطری اور صحت مند باہمی تعلق کچھ طے شدہ حدود سے ماورا نہیں ہے۔''

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝۸۸

اورتم پہاڑوں کو دیکھتے ہوتو خیال کرتے ہو کہ (اپنی جگہ پر) کھڑے ہیں مگر وہ (اس روز) اس طرح اڑتے پھریں گے جیسے بادل (یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا بیشک وہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ (۸۸:۲۷)

یہ آیت اس دنیا کی حرکت پذیر فطرت کی حقیقت کے حوالے سے ذرے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مادے کی مستقل حیثیت کے باوجود وہ الگ الگ ہیں۔ یہ بات زبردست مقدار والے ٹھوس مادے کے سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے، جس کی مثال عظیم الشان پہاڑوں کے استحکام سے دی جاسکتی ہے۔ یہ پہاڑ زمین کی روزانہ اور سالانہ حرکتوں کے ساتھ ساتھ حرکت میں رہتے ہیں اور دھوپ، ہوا، بارش اور برف سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) سے یہ بات معلوم ہے کہ تمام طرح کی حرکتیں کسی دوسری حرکت سے متعلق ہوتی ہیں جیسے کار میں بیٹھا ہوا کوئی شخص زمین کے اوپر چلتی کار کے ساتھ ساتھ حرکت میں ہوتا ہے اور زمین سورج اور مرکز کہکشاں(center of galaxy) کے مقابل حرکت میں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں پہاڑ کے ہر ذرہ میں اس کا مرکزہ(Nucleus) موجود ہے جو الیکٹران سے گھرا ہوا ہے، نیوکلیئس جہاں پازیٹیو (+) چارج ہے وہیں الیکٹرانس نیگیٹیو (-) الیکٹرسٹی والے ذرات ہیں جو نیوکلیئس کے چاروں طرف اپنے مداروں میں گھومتے رہتے ہیں۔ ان الیکٹرانس کو ایک مضبوط دباؤ (کشش ثقل) نیوکلیئس کے پروٹونس سے باندھے رکھتا ہے اور یہ قوت کشش متعدد پروٹونس کے درمیان کام کرنے والے متضاد دباؤ کو قابو میں رکھنے کے لئے اس کے مقابلے کہیں زیادہ شدید ہوتا ہے۔

پہاڑوں میں بھی، زمین کے خول پر استحکام بنائے رکھنے والے ایک عامل کے طور پر، غیر محسوس عمل جاری ہوتا ہے جو دباؤ اور انتشار کی قوتوں کے درمیان ایک توازن قائم رکھتا ہے، انتشار کا یہ زور زمین کے غیر منجمد مرکز سے اس کی سطح کی طرف لگتا ہے [دیکھیں ماقبل مذکور آیت ۱۶:۱۵ اور اس پر تفسیری نوٹ]۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں شہروں کو وسعت دینے کے لئے جنگلوں اور پہاڑیوں کو ہٹانے سے زمین کی سطح (مٹی) میں ڈھیلا پن آ گیا ہے اور زمین میں کٹاؤ ہونے لگا ہے۔ چنانچہ، حرکت اور جمود کے درمیان ایسا متوازن ٹھہراؤ دیکھ کوئی بھی ہوش مند انسان خالق کی اس بہترین خلاقیت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ آیت جس آیت کے بعد آئی ہے اس میں دن نکلنے اور پھر سے جی اٹھنے کے کچھ فیچر بیان کئے گئے ہیں۔قرآن کے قدیم مفسرین نے اسے دنیا کی زندگی کا آخرت کی زندگی میں تبدیل ہونا مراد لیا تھا۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۲۳ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۴

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اُس کے فضل کا تلاش کرنا جو لوگ سنتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ تم کو خوف اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد زندہ (وشاداب) کر دیتا ہے عقل والوں کیلئے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۳۰:۲۳ تا ۲۴)

سونے اور جاگنے کا عمل اور لوگوں کا اپنے روزگار کے لئے سرگرم ہونا انسان کی حیاتیاتی اور عقلی لیاقت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دن اور رات کی کائناتی ترتیب سے بالعموم ہم آہنگ ہوتی ہے، ان لوگوں کو مستثنیٰ کر کے جن کا کام ہی رات میں ہوتا ہے اور پھر دن میں انہیں سونا پڑتا ہے، لیکن ایسے لوگ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں۔ بعد والی آیت یہ بتاتی ہے کہ یہی فطری خصوصیات، جیسے کہ بجلی کے ساتھ کڑک کا ہونا، مختلف لوگوں کے لئے مفید اور مضر اثرات کا باعث ہو سکتی ہیں، جس طرح یہ بجلی اور کڑک بارش کی امید جگانے کے ساتھ ساتھ جان و مال اور مکانات کی تباہی کے امکان کا ڈر پیدا کرتی ہے، اور یہ انسانی عقل کے لئے ایک چیلنج ہے کہ وہ نقصان سے محفوظ رہنے کا راستہ تلاش کرے۔ بجلی کے نقصان سے تحفظ تلاش کرنے کے اس چیلنج کے نتیجے میں، جو کہ انسانی عقل کو درپیش ہے، اٹھارہویں صدی میں لائٹننگ راڈ ایجاد ہوا۔ اس طرح کے متضاد پیغامات سے انسانوں کو تخلیقِ کائنات اور خالقِ کائنات کے بارے میں گہرائی سے غور کرنا۔ چاہئے، نیز اس زندگی پر اس کی تمام مسرتوں اور ناپائیداریوں کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور آنے والی زندگی کی ابدی مسرتوں کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ قدرت اپنے تمام مظاہر کے ساتھ، پوری دنیا کے ان تمام لوگوں کو جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں، علم کا ایک کھلا اور جامع منظر نامہ پیش کرتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی
السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ
یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ
اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰۤى
اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ
ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اُس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اُسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ تو وہ اس کے نزول سے پہلے ناامید ہو رہے تھے۔ تو (اے دیکھنے والے) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
(۴۸:۳۰ تا ۵۰)

درج بالا آیات بادلوں کے بننے اور بارش کے برسنے کی طرف توجہ دلاتی ہیں، اور اس بات کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ یہ ہوا اور تبخیر و انجماد کے یہ قدرتی مظاہر کس طرح بارش کا سبب بنتے ہیں جو کہ زمین پر زندگی لاتی ہے اور لوگوں کے لئے کھیتی و جانوروں کی افزائش نسل سے کمائی کی امیدیں لاتی ہے، ساتھ ہی کھانے اور پانی سے انسانی زندگی کو بقا ملتی ہے۔ اس حقیقت کو اجاگر کرنے میں قرانی دلائل واضح ہیں۔ جیسے کہ، اللہ نے اس دنیا میں زندگی کو جاری کیا اور ان مربوط قوانین سے اس کو جاری رکھنے کا مستقل انتظام کیا۔ وہ اپنی قدرت اور اپنی منشا سے مردوں کو پھر زندہ کرے گا جس طرح وہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندگی بخشتا ہے۔

وَ مَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖۗ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ
شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا

اور دونوں دریا (مل کر) یکساں نہیں ہو جاتے یہ تو میٹھا ہے پیاس بجھانے والا جس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا، اور سب

طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ ﴿۱۳﴾

سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو اور تم دریا میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ (پانی کو) پھاڑتی چلی آتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے (ان میں سے) ہر ایک (اپنے) وقت مقرر تک چل رہا ہے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے، اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو (کسی چیز کے) مالک نہیں۔

(۳۵:۱۲ تا ۱۳)

یہ دو مختلف قسم کے پانیوں کا ایک اور حوالہ ہے، اور اس بات کا بیان ہے کہ وہ کس طرح انسانیت کے لئے فائدہ مند ہیں کہ پینے کا پانی، سامان خوراک، اشیائے زینت اور وسیلہ آمدورفت فراہم کرتے ہیں اور یہ ذریعہ آمدورفت بجائے خود اللہ کے فضل (روزی) اور معاشی ترقی کے حصول میں مددگار ہوتی ہے۔ انسانوں کو ملنے والے یہ تمام مادے فائدے اس بات کے متقضی ہیں کہ انسان باری تعالیٰ کا شکر گزار بنے جو ہمیں یہ فائدے بخشتا ہے۔ اگلی آیت آدمی کی توجہ پھر رات اور دن کے آنے جانے اور چاروں موسموں میں ان کے مختلف وقفوں کی طرف دلاتی ہے اور زمین و اہل زمین سے سورج و چاند کے تعلق کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی انسان کائنات کے اس منظر نامہ پر غور کرتا ہے تو اسے اس میں ایک بہترین سائنسی نظام اور انسانوں کے اس کی لازمی افادیت نظر آتی ہے، جو ایک خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے جو رب العالمین ہے، اور اس کے بجائے کسی اور کو یا اس کے ساتھ پکارنا ہوش مندوں کو ایک بے وقوفی اور ناسمجھی معلوم ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (۳۵:۲۷ تا ۲۸)

کائنات میں اور اس میں کارفرما قوانین وضوابط میں اور اس کے تمام مظاہر میں جو زبردست تنوع اور رنگارنگی ہے وہ اللہ کی قدرت اور اس کی یکتائی کا ایک مستقل مظہر ہے۔ درج بالا آیات چٹانوں (یا پتھروں)، نباتاتی پیداوار اور ذی حیات مخلوقات میں، جن میں انسان اور حیوانات بھی شامل ہیں، مختلف رنگ ونوع کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآن ایک الٰہ واحد میں سچے یقین اور اس کی خلاقیت پر ایمان

لانے اوراس کی قدرت کے عجا ئبات کا مشاہدہ کرنے کا تقاضہ کرتا ہے۔ وہ انسانی حواس اور عقل کو اس تخلیق کے متعدد و مختلف مظاہر پر غور کرنے کے لئے رہنمائی دیتا ہے، اوراس کے نتیجہ میں ایک قدیر وحکیم ہستی کے وجود پر ایمان لانے اوراس کے تئیں تصور کو فروغ دینے کی ترغیب دیتا ہے جو کہ اس وسیع وعریض اور متنوع لیکن مربوط کائنات کو چلا رہا ہے۔''اس کے بندوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کی خاطر سچائی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور علم رکھتے ہیں۔''

ان میں ایسے بھی لوگ ہیں اللہ میں یقین رکھنے والوں کے عقیدے پر علم وتدبر کے بغیر حملہ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان والے بے وقوف ہیں حالانکہ حقیقت میں یہ لوگ خود ہی جاہل ہیں یا ایسے لوگ ہیں جنھوں نے کائنات کے مادی فائدوں کو دیکھنے اور سمجھنے سے خود کو روک رکھا ہے جب کہ کائنات کے مظاہر، اس کے ضابطے اوراس کی ترتیب ان کے سامنے خود ہی آشکار ہے۔

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اورایک نشانی ان کے لئے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہوجاتا ہے۔نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ (۳۶:۳۷ تا ۴۰)

دن سے رات اور رات سے دن میں ہونے والے تدریجی بدلاؤ اور مختلف موسموں میں ان کے مختلف وقفوں کا حوالہ قرآن میں بار بار دیا گیا ہے کہ یہ روز نظر آنے والی نشانیاں ہیں جو ہر انسان کے سامنے آشکار ہیں خواہ وہ کہیں بھی رہتا/رہتی ہو اوراس کی سوجھ بوجھ جیسی کچھ بھی ہو۔ یہ بہترین نظام قدرت ایک طرف کائنات کی اس منصوبہ بندی میں اوراس میں کارفرما اس کے باہمی مربوط قوانین میں اللہ تعالیٰ کی طاقت وحکمت کو ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف اس بندوبست میں اپنی مخلوق کے لئے اس کی نگہداشت کو ظاہر کرتا ہے۔ روز کا یہ منظر نامہ قرآن میں جگہ جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ''رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے'' [۳:۲۷؛ ۲۲:۶۱؛ ۳۱:۲۹؛ ۳۵:۱۳؛ ۵۷:۶]۔ دیگر دو آیات میں یہ منظر نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ''رات کو دن کا لباس پہنا تا ہے'' [۷:۵۴؛ ۱۳:۹۳]۔ ایک اور آیت (۳۹:۵) میں دن پر رات کے چھا جانے اور رات پر دن کے چھا جانے کو کرہ جاتی حوالہ سے بیان کیا گیا ہے، یہ ایک ایسا اسلوب بیان ہے جو زمین کی گول کرہ شکل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس طرح اس مظہر قدرت کا تعلق دن اور رات کے اوقات میں اور پورے سال کے دوران سورج اوراس کے تقابل میں زمین کے مقام سے ہے، اسی طرح قرآن میں اسے عموماً سورج اور چاند کے حوالوں سے دوہرایا گیا ہے کہ سورج دن میں روشنی دیتا ہے تو چاند رات میں روشنی دیتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں یہی منظر نامہ ایک دوسرے سے لینے، ایک دوسرے کو کھینچنے اور ایک دوسرے سے الگ ہوجانے کے انداز میں پیش کیا گیا ہے، اور یہ حوالہ اس آیت میں خاص طور سے دھیرے دھیرے دن کے چلے جانے اور رات کو آنے کا موقع دینے کے بارے میں ہے، تا کہ لوگ اچانک رات کے اندھیرے میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ مذکورہ بالا آیت [۳۶:۳۸] سورج کی دھیمی حرکت اوراس کی پوزیشن میں رفتہ

رفتہ بدلاؤ کا اشارہ کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس دھیمی رفتار کے ساتھ لگاتار پیش قدمی کے باوجود اس کے استحکام کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ حالانکہ، زمخشری کے مطابق، ''عبداللہ بن مسعودؓ، جو بہت صاحب علم صحابی ہیں، **لمستقرلھا** کو **لا مستقرلھا** پڑھا کرتے تھے جس میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا تھا''۔ جس طرح زمین اپنے محور پر اور سورج کے اطراف گردش کرتی ہے، جس کے نتیجے میں دن اور رات آتے جاتے ہیں اور ان کے وقفوں میں بدلاؤ آتا رہتا ہے اسی طرح چاند بھی زمین کے اطراف اپنا ماہانہ چکر پورا کرتے ہوئے مختلف مرحلوں سے گزرتا ہے۔ چنانچہ کائنات کے مختلف مظاہر میں حرکت اور تغیر بالکل ایک واضح بات ہے لیکن ان کثیر جہتی سرگرمیوں میں ایک نظم و ترتیب اور ان کی کارکردگی سوائے ایک طاقت و رہستی کے کوئی نہیں قائم رکھ سکتا۔ چنانچہ قرآن میں کہا گیا کہ ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہوجاتے جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ مالکِ عرش ان سے پاک ہے'' [۲۱:۲۲]

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴۰:۵۷)

درج بالا آیت اس عظیم کائنات اور اس کی کہکشاؤں، نظام شمسی، ستاروں اور سیاروں کے تناظر میں انسان کو ایک کرشمہ کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اس طرح کی روشن خیالی سے انسان کو کائنات میں اپنی حیثیت و مقام کے بارے میں ایک متوازن نظریہ ملتا ہے، کیوں کہ جن قدرتی طاقتوں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار بخشا ہے انہیں انسان اپنے سے حقیر تر اور خود کو برتر سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہوسکتا ہے حالانکہ قدرت کی مختلف طاقتوں پر انسان کو اللہ کا بخشا ہوا اختیار اس کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ قرآن کریم پوری کائنات کی تخلیق اور اس کے درست ترین نظام کا حوالہ دیتا ہے اور انسان واس کو اللہ کی طرف سے بخشی گئی روحانی، عقلی، اخلاقی اور طبیعاتی قوتوں کا حوالہ دیتا ہے جو مجموعی طور پر انسانی سماج کی ترقی کے لئے نیز کائنات کے ان وسائل کو فروغ میں استعمال کرنے کے لئے ہیں جو اللہ انسان کے اختیار میں دے دئے ہیں۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝۲۹

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔ (۴۲:۲۹)

اس عظیم الشان کائنات میں زندگی کسی بھی مقام پر کسی بھی شکل میں موجود ہوسکتی ہے، یہ صرف زمین تک ہی محدود ہو یہ ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے مختلف مقامات کی ان مختلف و متعدد مخلوقات کو جب اور جہاں چاہے جمع کرنے پر قادر ہے۔ یہ خلائی دور کا ایک اولین حوالہ ہے جسے موجودہ خلائی پروازوں و دریافتوں کا ابتدائی نکتہ سمجھا جاسکتا ہے۔

اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَ فِيْ خَلْقِكُمْ وَ مَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش میں بھی اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور

مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ تَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے (ذریعہ) رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں (۴۵:۳تا۵)

مذکورہ بالا آیات اللہ کی قدرت وحکمت اور رحمت کی کچھ نشانیوں کو بیان کرتی ہیں جو کہ کائنات میں بکھری ہوئی ہیں اور جنھیں سرگرمی حیات میں (بالعموم تمام مخلوقات کی اور بالخصوص انسان کی)، دن اور رات کے آنے جانے میں اور الگ الگ موسموں میں ان کے الگ الگ وقفوں میں، اور مختلف سمتوں میں ہواؤں کے چلنے میں، اور ان کے نتیجے میں بارش کے برسنے میں جو کہ تمام ذی حیات مخلوقات کے لئے نئی زندگی لے کر آتی ہے، دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام قدرتی مظاہر کا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار وفضل کی ان نشانیوں کا حوالہ گزشتہ آیات میں باربار دیا گیا ہے۔

آیت بالا[۴۵:۵، نیز ۲:۱۶۴] میں ''تصریف الریاح'' (ہواؤں کے پھرنے) کا اسلوب استعمال کیا گیا ہے۔ ہوا اپنے تیز یا کم دباؤ کے حساب سے ایک خاص سمت میں چلتی ہے۔ زمین اور پانی کی تقسیم ہوا پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان اسباب سے ہوا یا تو خشک ہوتی ہے یا نم۔ بارش سے ہمارے مختلف آب وہوا والے خطوں اور مختلف خصوصیات والی زمینوں پر مختلف قسم کی نباتات اگتی ہیں۔ قرآن مختلف انداز میں باربار اس بات کو جتاتا ہے کہ کائنات میں کس قدر تنوع ہے، اور یہ کس طریقے سے منظم اور باہم مربوط ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيۡ سَخَّرَ لَكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِيَ الۡفُلۡكُ فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔

(۴۵:۱۲تا۱۳)

اوپر کی آیتوں میں پانی کے ذخائر سے ہونے والے فائدوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جو گزشتہ آیتوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہاں پہلی آیت میں پانی کے مختلف ذخیروں کا ذکر ہے جو پوری دنیا میں انسانوں کو فراہم ہیں اور عالمی تجارتی راستوں کا ذریعہ بنتے ہیں، پھر اس کے نتیجے میں اقتصادی لین دین اور دنیا بھر کے وسائل کو استعمال کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اگلی آیت آسمانوں کو، ان کے عمومی معنیٰ میں، انسانوں کے لئے مسخر کردینے کو بیان کرتی ہے جو انسان کے لئے خلا میں جانے اور دوسرے سیاروں تک پہنچنے کے لائق بنانے کا ایک اشارہ ہے، خاص طور سے پہلی آیت کو اس سے ملا کر دیکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے جس میں پانیوں کو انسان کے لئے مسخر کردینے کا ذکر ہے، جن میں انسان کشتیاں اور جہاز چلاتا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں، انسانی تعلقات اور اقتصادی ترقی میں آفاقیت پر زور دینے کے علاوہ آخری آیت میں اسلامی عقیدے کا ایک اہم ترین اصول اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ''آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اسے (اے انسانو!) اللہ نے تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے

اور یہ سب اللہ کی طرف سے جمع کیا گیا ہے''۔ ایک اور آیت یہ بیان کرتی ہے کہ ''زمین پر جو کچھ ہے وہ اللہ نے (اے انسانو!) تمھارے لئے بنایا ہے'' [۲۹:۲]۔ فقہاء اسلام نے اسلامی قانون کا ایک لازمی اصول یہ بتایا ہے کہ کسی بھی شئے کے بارے میں یہ عام قاعدہ ہے کہ اللہ نے اس کے استعمال کی اجازت دی ہے الا یہ کہ اس کی حرمت (ممنوع ہونے) کے بارے میں کسی حکم الٰہی سے کوئی خاص اصول نہ نکلتا ہو۔ قرآن وسنت میں مذکور اللہ کے قوانین ان تمام چیزوں یا کاموں کے لئے واضح نہیں ہیں جن کی انسان کو اجازت ہے، لیکن جو چیزیں یا کام ممنوع ہیں انہیں واضح طور سے اور مخصوص کر کے بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ جن چیزوں کو ممنوع نہیں کیا گیا ہے وہ سب جائز اور قانونی سمجھے جاتے ہیں جب تک وہ نقصان دہ نہ ہوں کیوں کہ ہر نقصان پہنچانے والی چیز ممنوع ہے۔ اور اگر کسی چیز یا کام میں وہ خصوصیات موجود ہیں جو قرآن وسنت میں واضح طور سے ممنوع کی گئی ہیں تو وہ بھی منطقی اور اصولی لحاظ سے ممنوع سمجھی جاتی ہیں۔

❁ ❁ ❁

زندگی

غیرانسانی: نباتات، حیوانات، پرندے، آبی مخلوقات اور کیڑے مکوڑے

عام تصورات

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ
بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ
مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ
يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾

اور کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے اُن کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں (اس کے علاوہ) اندھیرے میں (پڑے ہوئے) جس کو اللہ چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلادے۔

(٦:٣٧تا٣٩)

خالق اور اس کی حیرت انگیز تخلیق کی طرف اشارہ کرنے والی نشانیاں لوگوں کے چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں اگر وہ ان پر غور کرنے اور انہیں سمجھنے کی جستجو اپنے اندر رکھتے ہوں۔ لیکن، لوگ ایسے ہیں کہ اپنے حواس اور دماغوں کو اس تمام قدرتی منظرنامے کی طرف سے بالکل بند رکھتے ہیں جو مربوط اور منظم طریقے سے ان کے چاروں طرف موجود ہے، اور اللہ سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ کوئی فوق الفطری اور عجوبہ خیز نشانی انہیں دکھائے۔ قرآن بار بار یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی اپنی قدرت اور اپنے پیغمبر کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے معجزہ دکھانے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ اپنے پیغام میں لوگوں کو ان نشانیوں کا حوالہ دینا پسند کیا ہے جو کائنات کی اس عجوبہ خیز تخلیق میں نظر آتی ہیں اور اپنی اس کتاب ہدایت کی طرف توجہ دلائی ہے جو بے نظیر و بے مثال ہے، تاکہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجے

گئے پیغام الٰہی کی صداقت کے لئے واقعی ثبوت چاہتے ہیں وہ ان نشانیوں میں یہ ثبوت دیکھ سکیں۔

ہمارے اس کرہ زمین پر ہی مختلف ذی روح مخلوقات ہیں جو اللہ کی یکتائی، اس کی قدرت، اس کے فضل اور اس کی حکمت کی منہ بولتی نشانیاں ہیں۔ پہاڑ، میدان، ریگستان، وادیاں، جنگلات، کھارے اور میٹھے پانی کے ذخیرے اور ہوا، ان سب میں ذی روح مخلوقات ہیں جو مختلف انسانی گروہوں کی طرح الگ الگ گروہوں کی شکل لئے ہوئے ہیں۔ چوں کہ زندگی کو بالآخر ختم ہوجانا ہے، چنانچہ تمام مخلوقات کی قسمت آخرکار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگی۔ جو لوگ فطرت اور زندگی کی ان رنگا رنگ اور بے شمار نشانیوں کو دیکھنے اور سمجھنے سے اپنے حواس کو روکے رکھتے ہیں وہ حقیقت کی روشنی سے اپنے آپ کو محروم کرتے ہیں اور جہالت کی تاریکیوں اور ذہنی تنگیوں میں رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد مرضی اور پسند کے اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے جو بھی تاریکی اور تنگی میں رہنا پسند کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور رہنمائی اسی کی کرتے ہیں جو اس کی ہدایت پر کان دھرتا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ
وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بیشک وہ بُرد بار (اور) غفار ہے۔ (۱۷:۴۴)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ
الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۴:۴۱)

تمام مخلوقات، خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان، اور چاہے وہ زمین پر ہوں، ہوا میں ہوں، پانی میں ہوں یا کہیں اور، نیز فرشتے اور ان کی طرح کی دوسری مخلوقات جو ہمارے علم و حواس کے دائرے میں نہیں ہیں، وہ سب کی سب خود اپنے حال سے اور مجموعی طور پر پوری تخلیق کے نظم و ضبط کے اظہار سے اللہ کی عظمت اور وحدت کو بیان کرتی ہیں [۶۷:۲]۔ کائنات یا زندگی کا ہر مظہر ایک تخلیقی ارادے اور ایک حکیم ہستی کے وجود کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن جو گہرے مشاہدے اور اقرار حقیقت سے گریز کرتے ہیں اس کائناتی زبان کو نہیں سمجھ سکتے یا اس الٰہی منصوبے کو نظرانداز کرتے ہیں [نیز دیکھیں آیت ۱۸:۲۲]۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ
عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَيْنِ ۚ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ

اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں،

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝٤٥ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
(۴۵:۲۴)

درج بالا آیات ۲۱:۳۰ اور ۲۴:۴۵ میں قرآن اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ہر جاندار چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ محمد اسد نے ''میسج آف دی قرآن'' میں لکھا ہے،'' قرآن کے اس بیان کے تین مطلب ہیں: ۱) پانی، اور خاص طور سے سمندر، وہ ماحول تھا جس کے اندر تمام جاندار مخلوقات کا ابتدائی نمونہ یا جرثومہ پیدا ہوا؛ ۲) تمام بے شمار موجود یا محسوس کئے جانے والے رقیق مادوں میں پانی کے اندر ہی وہ خوبیاں موجود ہیں جو زندگی کا بیج پڑنے اور اس کے پھلنے پھولنے کے لئے ضروری ہیں؛ اور ۳) پروٹو پلازم (مادہ حیات) جو ہر جاندار خلیہ کے مادی وجود کی بنیاد ہے، خواہ وہ نباتات ہوں یا حیوانات؛ اور جو مادے کی اس شکل کی نمائندگی کرتا ہے جس میں زندگی کے مظاہر وجود پاتے ہیں، پانی سے بنتا ہے اور پانی پر ہی منحصر ہوتا ہے''۔ اسی آیت (۲۱:۳۰) کے پہلے حصہ کہ'' آسمان اور زمین ایک ہی وجود تھے''، کو اسد نے ایک ایسا بیان باور کیا ہے کہ'' جو کائنات کے مادی وجود کی ایک ہی ابتدا کو بتاتا ہے، اور (بعد کی دونوں آیتوں کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ) ایک ہی عنصر سے اور ایک ہی عنصر کے اندر زندگی کی نمود اس پوری تخلیق کائنات میں ایک ہی منصوبے کی کارفرمائی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اسی طرح سے ایک خالق کے وجود اور اس کی یکتائی کو ظاہر کرتی ہے (آیت ۲۱:۳۰ کی تشریح میں حاشیہ نمبر ۳۹)۔ ہمیں آیت ۱۱:۷ پر بھی اسی روشنی میں غور کرنا چاہئے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو چھ مدتوں میں پیدا کیا اور'' اس کا عرش پانی پر تھا''۔ یہ ایک ایسا بیان ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس منشا کو اجاگر کرتا ہے جس کے تحت اس نے زندگی کو اس کے لازمی عنصر کی تخلیق سے جاری کیا۔ اس کے فوراً بعد انسان کی تخلیق اور اس کے مقصد تخلیق کو بتایا گیا ہے:'' تاکہ تمھیں جانچے کہ تم میں کون بہتر طریقے سے عمل کرنے والا ہے''[۱۱:۷]

انسان کے زیادہ تر جاندار خلیے پانی سے بنے ہیں؛ خون میں پانی کا حصہ ۹۲ فیصد ہے، رگوں یا عضلات میں ۸۰ فیصد، خون کے لال ذرات میں تقریباً ۶۰ فیصد اور دیگر اکثر اجزائے جسم میں نصف سے زیادہ مقدار پانی کی ہے۔ دوسری جاندار چیزوں کے ٹشوز کا بھی پانی ہی ایک اہم ترین جزو ہے۔ مزید برآں پانی سطح زمین کے تقریباً ۷۰ فیصد رقبہ کا احاطہ کرتا ہے خواہ وہ رقیق کی شکل میں ہو یا جمے ہوئے برف کی شکل میں [دی نیو کولمبیا انسائیکلو پیڈیا، صفحہ ۲۹۳۷]۔ چنانچہ یہ زمین پر پائے جانے والے رقیق مادوں میں سب سے زیادہ جانا پہچانا اور سب سے زیادہ مقدار میں پایا جانے والا رقیق ہے، اور ماحول میں بھی یہ مختلف شکلوں اور مقدار میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ آدمی یہ دیکھ سکتا ہے کہ پانی زمین پر تمام جاندار مخلوقات کی زندگی کے لئے لازمی ضرورت ہے۔

یہ آیات ان مخلوقات (''دابۃ'') کا حوالہ دیتی ہیں جن کے اندر زندگی ہے اور جو زمین پر چل سکتی ہیں، اور ان میں موٹے طور پر تمام دنیائے حیوانات شامل ہے بشمول انسان کے۔ یہ آیت کچھ مخصوص قسم کی جاندار مخلوقات کی طرف اشارہ کرتی ہے، پیٹ کے بل چلنے والی مخلوقات، جن میں کیڑے مکوڑے اور بچھو آتے ہیں جیسے سانپ و مچھلیاں اور پانی میں رہنے والے دیگر جانور بھی پھسلنے یا رینگنے والے جانوروں میں شمار ہوسکتے ہیں۔ پرندے اور انسان ان جانوروں میں آتے ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، جب کہ زیادہ تر چرندے چار ٹانگوں والے ہوتے ہیں اور ایسے کیڑے جو اُڑ سکتے ہیں یا کئی ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ چوں کہ ''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے''، یہاں تک کہ ایسی مخلوقات بھی ہیں جو دوسرے طریقوں سے حرکت کرتی ہیں (مثلاً وہ جنھیں نامیاتی اجسام organism کا نام دیا گیا ہے)، یہ سب اس قرآنی حوالے کے ذیل میں آسکتی ہیں۔ اس طرح اس آیت میں ایسی تمام مخلوقات کا احاطہ ہوا ہے جو اس کلام کے نزول کے وقت

سے یا اس سے پہلے انسان کے مشاہدے میں ہیں، اور کسی نہ کسی انداز سے ان مخلوقات کا بھی حوالہ ہے جو نزول قرآن کے بعد کے زمانے میں سائنس اور تکنالوجی کی ترقی سے انسان کے علم میں آنے والی ہوں۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہَا ؕ وَ مِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیۡضٌ وَّ حُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہَا وَ غَرَابِیۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ کَذٰلِکَ ؕ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (۳۵:۲۷،۲۸)

پیڑ پودوں، پھلوں، پھولوں، جانوروں اور انسانوں میں رنگ اور خصوصیات کے لحاظ سے عظیم رنگارنگی اور تنوع ہے، یہاں تک کہ ایک ہی جنس کے جانداروں کے اندر بھی یہ تنوع نظر آتا ہے۔ انسان ہی کو لے لیجئے کہ مختلف نسلوں اور مختلف نوع کے انسان ہیں جن کی رنگتیں الگ الگ ہیں، ان کے طبعی اور ثقافتی خصائص الگ الگ ہیں، جانور اور پیڑ پودھے بھی الگ الگ نوع، جنس اور زمروں میں بنٹے ہوئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر بھی خوبیوں اور خاصیتوں میں زبردست فرق ہے۔ یہ تنوع اور اس کے باوجود باہمی طور پر ایک ہی ڈور میں ان کا بندھا ہونا اس کائنات میں کس طرح ممکن ہوا؟ جو لوگ ان پر توجہ کریں گے اور غور وفکر سے کام لیں گے انہیں اس ظاہری منظرنامے سے ماورا، ان کے پیچھے کارفرما قوانین فطرت اور ایک عالم گیر نظام دکھائی دے گا۔ اس طرح گہرے غور وفکر سے حاصل ہونے والے علم کی بدولت ان کا ذہن تخلیق سے آگے بڑھ کر اس کے خالق تک انہیں لے جائیگا، جو قادر مطلق ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ غفور ورحیم بھی ہے۔ ایک حقیقی علم ہی ایک حقیقی اور مستحکم عقیدے کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔ انسان کی طبعی، نفسیاتی، عقلی اور روحانی طاقتیں باہم مربوط ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ متعامل ہیں۔

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ عَلٰی جَمۡعِہِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔ (۴۲:۲۹)

یہ فی الواقع آنکھیں کھول دینے والی آیت ہے جو صاف طور پر یہ اشارہ کرتی ہے کہ زندگی صرف زمین تک ہی محدود نہیں ہے۔ آسمانوں میں بھی، ان کے وسیع تر مفہوم میں، ذی حیات مخلوقات ہو سکتی ہیں اور دوسرے سیاروں و کہکشاؤں پر بھی کسی قسم کی زندگی ہو سکتی ہے اور وہاں بھی کسی قسم کی جاندار مخلوق پائی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ جاندار مخلوقات کو پوری کائنات میں پھیلا دے اور کائنات کی تمام مخلوقات کو ایک جگہ جمع کر دے۔ جس طرح اس نے پہلی بار اس کائنات میں مادی مخلوقات کو پیدا کیا، اور سب سے اہم مخلوق انسان کو پیدا کیا، اسی طرح اس کو یہ طاقت بھی حاصل ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں ان تمام روحوں کو جمع کر دے۔ ”جس دن یہ

زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ اللہ یگانہ وزبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے'' [۱۴:۴۸]۔ جدید زمانے میں، یعنی نزولِ قرآن کے ۱۴ صدیوں بعد، انسان سیٹلائٹ اور خلائی سیاروں کی مدد سے دوسرے سیاروں اور ان پر زندگی کے آثار تلاش کرنے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ لیکن قرآن کی اس آیت کی شان یہ ہے کہ اس میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کے، آنے والے زمانوں میں مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں اور مختلف ذہنوں اور عقلوں کو مخاطب کرنے کی اس میں گنجائش ہے۔

نباتات وحیوانات

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۵

بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ (کر اُن سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟ (۶:۹۵)

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹

اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اُگاتے ہیں پھر اُس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور اُن کونپلوں میں سے ایک دوسرے کیساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو اُن کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) اُن کے پکنے پر نظر کرو ان میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۶:۹۹)

زندگی اللہ کی قدرت کا ایک شاہکار ہے: اس کا زور تمام بیجوں میں پھٹنے کا زور پیدا کرتا ہے، جیسے کھجور یا دوسرے پھلوں کی گٹھلیاں، اور اس طرح ان میں سے کسی بیج کے اندر سے نمو پانے والا پودھا انسانوں یا دوسری جاندار مخلوقات کے لئے خوراک کا سامان پیدا کرتا ہے۔ ایک بیج میں جیسے خوبانی، آڑو، بیر یا کھجور کی گٹھلی کے اندر زندگی مختلف قسم کے سامان خوراک سے محیط اور اسے تحفظ دینے والے ایک بیرونی خول کے اندر جنین میں جنم لیتی ہے۔ ان سے جو بیج اور پودھے پیدا ہوتے ہیں وہ زمین کے اجزاء سے پرورش پاتے ہیں جس کے اندر وہ پھلتے پھولتے ہیں اور اپنے لئے درکار پانی بارش یا زیرِ زمین آب سے حاصل کرتے ہیں؛ اس طرح آدمی دیکھ سکتا ہے کہ زندگی بے جان مادوں سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ پھر ایک خاص مدت کے بعد وہ فنا ہو جاتی ہے اور یہ مدت خاص مختلف جاندار مخلوقات میں الگ الگ ہوتی ہے۔

زندگی تخلیق کاری کا ایک مستقل عمل ہے جو ایک قادرِ مطلق اور حکیم خالق کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔لیکن ایسے لوگ ہمیشہ رہے ہیں جو اللہ کی تخلیق میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے سے بے نیاز ہیں، اس کے باوجود کہ مختلف قسم کی نباتات کی نشوونما اوران کے شکل ورنگ میں، ان کے ارتقاء اوران کے فوائد کو وہ دیکھتے ہیں۔اوپر کی آیت میں پیڑ پودھوں جیسے انگور، انار، کھجور اور زیتون وغیرہ کا ذکر ہے جو اس وقت عربوں کے لئے معروف تھیں اور جن پران کا گزارا تھا۔تمام طرح کے پیڑ پودھوں کی نشونما کے عمل میں اور ان کے اصل اعضا اور حرکت میں ایک طرح کی یکسانیت بھی دیکھی جاسکتی ہے، مزید برآں ایک ہی طرح کے تمام پھلوں کی شکل میں بھی یہی یکسانیت ہے۔حالانکہ ہر ایک پھل اپنے سائز، رنگ اور دوسری خصوصیات میں اپنا الگ امتیاز رکھتا ہے۔یہ آیت تقریباً تمام پودھوں کی ایک مشترک خصوصیت یعنی ان کے سبز ہونے کو بھی اجاگر کرتی ہے؛ یہ چیز پودے کی زندگی کو فوٹو سینتھیسس (photosynthesis) کے عمل کے ذریعہ محفوظ رکھنے کے لئے لازمی ہے، جس میں کلوروفل جو کہ پودے کو ہرا رنگ دیتا ہے، اسے سورج کی توانائی کو کاربن ڈائی آکسائڈ اور پانی سے کاربوہائڈریٹس پیدا کرنے کے لائق بناتا ہے [نیز دیکھیں آیت ۳۶:۸۰]۔حالانکہ اپنی یکسانیتوں کے باوجود یہ پودھے اور ان کے پھل سائز، رنگ اور دوسری خصوصیات میں مختلف خوبیاں رکھتے ہیں، درآنحال یہ کہ وہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔جاندار مخلوقات کے اندر ''وحدت میں کثرت'' (یا یکسانیت میں تنوع) پر یہ زور قرآن کا ایک انتہائی چشم کشا بیان ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (بعض باتوں میں) نہیں ملتے جب یہ چیزیں پھلیں تو اُن کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو اللہ کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑانا کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے) بھی (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۶:۱۴۱ تا ۱۴۲)

یہ ایک اور قرآنی حوالہ ہے جو مختلف پھلوں اور کھیتیوں کی کیفیت کو بیان کرتا ہے جو مختلف پودھوں کو نشونما دیتی ہیں، جو حیاتیاتی خصوصیت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں جب کہ ایک دوسرے سے ان کا فرق بھی واضح ہوتا ہے جو کہ ایک ہی طرح کے پھلوں میں اور حد یہ ہے کہ ایک ہی پیڑ کے پھلوں میں نظر آتا ہے۔مزید برآں، اوپر کی پہلی آیت میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ان کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ غریبوں کو اسی وقت دیا جائے گا جب یہ کھیتیاں کاٹی جائیں گی۔قرآن کی یہ آیت حصہ کو غریبوں کا حق قرار دیتی ہے جو کہ کسان پر یا اس کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے۔زرعی پیداوار کے عمل میں، کاٹے جانے میں، اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں،

اسے اسٹور کرنے میں اور اسے استعمال کرنے میں چیز کو ضائع کرنے یعنی اسراف سے آدمی کو روکا گیا ہے۔قدرتی وسائل کو محفوظ کرنے پر اسلام بار بار زور دیتا ہے۔

اوپر کی دوسری آیت ایک اور قسم کی جاندار مخلوق کا حوالہ دیتی ہے اور انسانوں کے لئے اس کی افادیت کو بیان کرتی ہے کہ وہ ایک طرف حمل ونقل میں کام آتے ہیں اور دوسری طرف ان کے اون وکھال سے کپڑے وآرائش کی چیزیں بنائی جاتی ہیں[نیز دیکھیں ۱۶:۸۰]۔کچھ جانوروں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے، نیز کچھ سے پینے کے لئے دودھ حاصل کیا جاتا ہے اور ان دودھ سے غذائی اشیاء بھی بنائی جاتی ہیں۔[دیکھیں آیت ۱۶:۶۶]۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ الۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۸﴾

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو (زمین سے) زندہ کرکے باہر نکالیں گے (یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ جو زمین پاکیزہ (ہے) اُس میں سے سبزہ بھی رب کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم آیتوں کو شکر گزار لوگوں کیلئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ (۷:۵۷ تا ۵۸)

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا تَاۡكُلُ مِنۡهُ اَنۡعَامُهُمۡ وَ اَنۡفُسُهُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں پھر اُس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی (کھاتے ہیں) تو کیا یہ دیکھتے نہیں۔ (۳۲:۲۷)

کائنات میں موجود اللہ کی نشانیاں قرآن میں محض سائنسی حقائق کے طور پر پیش نہیں کی گئیں ہیں، بلکہ اس عظیم الشان کائنات اور اس کے نظم وترتیب کے خالق کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے بیان ہوئی ہیں، اور اس بات کو باور کرانے کے لئے کہ یہ زندگی بالآخر ختم ہونے والی ہے اور اس کے بعد ایک ابدی زندگی سامنے آنے والی ہے۔ اوپر مذکور پہلی آیت میں خشک زمین کے دوبارہ سیراب ہوکر زرخیز بن جانے اور اس پر سبزہ اگنے اور پھل پھول آنے کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس حقیقت کو اس عقیدہ کی تائید میں ایک مثال بنایا گیا ہے کہ موت کے بعد ایک دوسری زندگی ملنے والی ہے یعنی آخرت کا یہ عقیدہ کے مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اگلی آیت اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ صرف بیج کو پانی کی فراہمی سے ہی نباتات اگ آنے کی توقع نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کے اگنے کے لئے پانی کے ساتھ ساتھ زمین کی زرخیزی، ایک موزوں ماحول اور اکثر اوقات انسانی نگہداشت کی ضرورت ہے۔ جس طرح کسی پودھے کی نمود کے لئے ایک

موزوں ماحول کی ضرورت ہوتی ہے جس میں بیج اور پانی کے ملن سے زندگی پھوٹتی ہے اور پودھے کو نمو ملتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی روحانی اور اخلاقی رہنمائی کے لئے بھی ایک موزوں نفسیاتی، عقلی اور سماجی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے جو قبولیت کی استعداد پیدا کرتی ہے اور مثبت تعامل کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ لوگوں کے دل و دماغ ہیں جو کسی مخصوص زمانہ میں اور مخصوص مقام پر نمو و ترقی کا پیغام قبول کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، یا پھر اس موقع کو ضائع کر دیتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔

وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۴

اور زمین میں کئی طرح کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت بعض کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں اور بعض کی اتنی نہیں ہوتیں (باوجودیکہ) پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے، اور ہم بعض میووں کو بعض میں فضیلت دیتے ہیں۔ اس میں سمجھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۴:۱۳)

اس سے پہلے درج کی گئی آیات (۶:۹۹، ۱۴۱) نباتات کی دنیا میں تنوع کو اجاگر کرتی ہیں باوجود اس کے کہ ان کے بنیادی نباتی خصائص ایک ہی ہیں، اور مختلف طرح کے پھلوں کے تنوع کو بتاتی ہیں باوجود اس کے کہ وہ ایک ہی پیڑ کے پھل ہوں یا ایک ہی طرح کے پھل ہوں۔ یہاں قرآن مٹی یا زمین کے تنوع کو بیان کرتا ہے اور اس بات کو کہ قطعہ زمین کے فرق سے وہاں پیدا ہونے والے پھلوں کے ذائقے کس طرح الگ الگ ہو جاتے ہیں، حالانکہ پیڑ ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ بیجوں کا تنوع، مٹی کا تنوع، موسم کا تنوع اور پورے ماحول کا فرق الگ الگ طرح کے پھل دیتا ہے۔ یکسانیت میں تنوع اور عمومیت میں تخصیص سے زندگی اور زندہ مخلوقات کے فطری قانون کی نشاندہی ہوتی ہے، خاص طور سے اعلیٰ سطحوں پر۔

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۷ وَّ الْخَیْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِیْنَةً وَ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَی اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَ مِنْهَا جَآىِٕرٌ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝۱۰ یُنْۢبِتُ

اور چوپایوں کو بھی اُسی نے پیدا کیا، ان میں تمہارے لئے جڑاول اور بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت وشان ہے۔ اور (دُور دراز) شہروں میں جہاں تم زحمتِ شاقہ کے بغیر پہنچ نہیں سکتے وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب نہایت شفقت والا مہربان ہے۔ اور اُسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم اُن پر سوار ہو اور (وہ تمہارے لئے) رونق و زینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں۔ اور سیدھا رستہ تو اللہ تک جا پہنچتا ہے اور بعض رستے ٹیڑھے

لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہیں (وہ اس تک نہیں پہنچتے) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے رستے پر چلا دیتا۔ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اُس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں)۔ جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو۔ اُسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت) اُگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے) غور کرنے والوں کیلئے س میں (قدرت الٰہی کی بڑی) نشانی ہے۔ (۱۶:۵ تا ۱۱)

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں ان میں سے ہم نے ان کے لئے چار پائے پیدا کر دیئے اور یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ان کو ان کے قابو میں کر دیا تو کوئی ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔ اور ان میں ان کے لئے (اور) فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں تو یہ شکر کیوں نہیں کرتے۔
(۳۶:۷۱ تا ۷۳)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے تا کہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو؛ اور تمہارے لئے ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ (کہیں جانے کی) تمہارے دلوں میں جو حاجت ہو ان پر (چڑھ کر وہاں) پہنچ جاؤ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو؛ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کو نہ مانو گے؟ (۴۰:۷۹ تا ۸۱)

اوپر کی آیتوں میں ایک بار پھر انسانی زندگی کے لئے جانوروں کے فوائد کو جتایا گیا ہے۔ یہ حیوانات حمل و نقل (ٹرانسپورٹ) کا ذریعہ ہیں اور اولین زمانے سے اس مقصد کے لئے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اس چیز نے انسان کو اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے میں بھی مدد دی ہے، جیسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانا؛ ''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی'' [۱۷:۷۰]۔ نیز ان جانوروں سے حاصل ہونے والے اون، بال اور چمڑے سے انسان اپنے جسم اور اپنے مسکن کو گرم رکھتا ہے۔ مزید برآں ان مویشیوں کا دودھ ایک ذائقہ دار اور مقوی غذا ہے، پھر اسی سے پنیر، کریم اور مکھن جیسی اشیاء خوراک ہم بناتے ہیں۔ مویشیوں کے ان عمومی فوائد کے علاوہ قرآن ان کے جمالیاتی پہلو کو بھی اجاگر کرتا ہے اور مومن کے تصور اور ذوق کو بلند کرتا ہے تا کہ آدمی مادی فوائد سے اوپر اٹھ کر ان مویشیوں کے متاثر کن حسن کو بھی محسوس کرے۔ اور جانوروں پر سوار

ہونے کے لطف وفائدے کو بھی دیکھے۔ علاوہ ازیں، اللہ کی تخلیق کی کارکردگی اور اس کی وسعت، کسی زمانہ خاص میں انسان کو حاصل علم سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے، لیکن فطرت اور اس میں کارفرما قوتوں اور قوانین کے بارے میں انسانی حواس اور دماغ بتدریج کچھ نئی معلومات حاصل کرتا ہے اور نئی دریافتیں کرتا ہے جو پہلے اس کے علم میں نہ تھیں۔ اور جدید زمانہ میں نقل وحمل کے ذرائع کی ترقی، یعنی ایسے ذرائع کی دریافت جن کے بارے میں پہلے انسان کو بہت ہی کم معلومات تھیں، اس دریافت وتحقیق کے عمل کی ایک مثال ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ مستقل میں نئی دریافتوں کے لئے اس کے اندر تحریک وجستجو پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

اللہ کے فضل سے فیض یاب ہونے والے کسی بھی شخص کو مثلاً جانور کی سواری سے فائدہ اٹھانے والے کو اس کے اخلاقی پہلو کو سمجھنا چاہئے۔ انسان اللہ کے فضل کو اس کے عدل واحسان کی ہدایت کے تحت استعمال کرے نہ کہ محض شخصی خودغرضی اور کوتاہ نظری کے ساتھ۔ ''ہدایت تو اللہ کی ہی ہدایت ہے'' [نیز دیکھیں ۹۱: ۷ تا ۱۰، ۹۲: ۵ تا ۱۳]۔ یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے اور اپنا مقصد ونصب العین طے کرنے کے لئے تمام تر ممکن کوششیں کرے، کیوں کہ اس کی منشا یہ ہے ہر فرد آزادی کے ساتھ اپنے راستے کا انتخاب کرے اور اس کی جواب دہی اس پر عائد ہو؛ ''اگر اللہ چاہتا تو وہ تم سب کو ایک جیسا بنا دیتا۔''

اوپر مذکور آخری دو آیات میں پانی کا حوالہ دیا گیا ہے جن پر تمام جاندار مخلوقات کی بقا کا انحصار ہے۔ یہ پانی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو فراہم کرتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے پیڑ پودھوں کو پھلنے پھولنے لائق بناتا ہے اور انسانوں وحیوانوں کی خوراک کے لئے انہیں تیار کرتا ہے۔

وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا بے شک اس میں سننے والوں کے لئے نشانی ہے۔ اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقامِ) عبرت (وغور) ہے کہ اُن کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اُس سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں ان کے لئے ان (چیزوں) میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانی ہے۔

(۱۶: ۶۵ تا ۶۷)

قرآن انسان کو بار بار یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر زندگی اور زندہ مخلوقات کو بنائے رکھنے کے لئے کس طرح پانی برساتا ہے، اور اس طرح وہ دیکھ سکتے ہیں کہ انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ درج بالا آیت میں خاص طور سے مویشیوں سے حاصل ہونے والے دودھ کا حوالہ دیا گیا ہے جو ان کے جسم کے اندر سے ان کی آنتوں اور خون کی رگوں کے درمیان سے ایک خالص اور خوش ذائقہ غذا بن کر نکلتا ہے۔ یہ اتنی مقدار میں پیدا ہوتا ہے کہ خود اس جانور کے اپنے بچوں کی خوراک سے زیادہ ہوتا ہے اور اس طرح انسان کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ اس تغذیہ بخش رقیق اور اس سے بننے والی دیگر غذائی چیزوں سے فائدہ اٹھائے۔ پھل بھی، خاص

طور سے کھجور اور انگور، نشہ آور اور صحت بخش دونوں طرح کے مشروبات بنانے میں کام آتے ہیں، اور قرآن نشہ آور اور صحت بخش مشروبات کے فرق کو اجاگر کرتا ہے اور ذہنوں کو نشہ آور مشروبات کو قانونی طور سے ممنوع رکھنے کے لئے تیار کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا ہے پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو (کہ) زرد (ہوگئی ہے) پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔(۳۹:۲۱)

یہ آیت اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ اوپر سے برسنے والی بارش کس طرح زمین کے اندر پانی کو جاری کرتی ہے، اور پھر پودوں کی گردش حیات کا حوالہ دیتی ہے یعنی ان کے نمود وارتقا اور پھر پوری طرح کھل جانے اور اس کے بعد مرجھانے وزرد پڑ جانے اور آخرکار چور چور کر بکھر جانے کا حوالہ۔ ایک طرف انسان ہے جو پکے ہوئے اناج، پھل اور دوسری پیداواروں سے، جنہیں وہ اگاتا ہے، فائدہ اٹھاتا ہے، دوسری طرف حیوانات ہیں جو سبز اور سوکھی دونوں طرح کی نباتات کھاتے ہیں۔

زندگی کے بار بار اور خوبصورت انداز سے طرح طرح کے حوالے دینے کے علاوہ قرآن انسان کی توجہ موت اور اس دنیا میں زندگی کے خاتمہ کی طرف بھی دلاتا ہے تاکہ اس زمین پر ابدی طور سے اپنا وجود بنے رہنے کی خودفریبی کو دور کرے۔ یہ انسان کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی دلاتا ہے کہ زندگی کو عدم سے پھر وجود میں لایا جاسکتا ہے تاکہ بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد پھر پیدا کئے جانے اور آگے آنے والی زندگی کے بارے میں جو بھی شک اور انکار انسان کے دماغ میں ہو، اسے نکال دیا جائے۔ زندگی اور موت کے مابین باہمی تعلق اور ان دونوں حالتوں کے باہمی تضاد کے مشاہدے سے انسانی ذہن روشن ہوتا ہے اور یہ چیز اسے طبعی وعقلی حرکت اور تبدیلی کا ایک وسیع اور گہرا شعور دیتی ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور (اے بندے) یہ اسی کے قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی (یعنی خشک) دیکھتا ہے جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی اور پھولنے لگتی ہے، تو جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳۹:۴۱)

گزشتہ آیت (۳۹:۲۱) میں جس طرح ایک پودھے کے مرنے یا مرجھانے کے مرحلوں اور علامتوں کا موثر انداز سے نقشہ کھینچا گیا تھا، اسی طرح اس آیت (۳۹:۴۱) میں مردہ زمین کے جلا اٹھانے کو بیان کیا گیا ہے۔ جب زمین سوکھ جاتی ہے تو یہ ویران اور اجاڑ معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ اس پر پانی برساتا ہے تو یہ بھبھک اٹھتی ہے اور زندگی کی توانائی سے پھول جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو روحانی طور پر نئی زندگی ملتی ہے جب اللہ کا پیغام اس کے پاس پہنچتا ہے، اور جب آخرت برپا ہوگی تو انسان جسمانی طور پر دوبارہ جی اٹھیں

گے اور ان کی لازوال ابدی زندگی شروع ہوجائے گی۔

وَ الَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہی ہے جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے شہرِ مُردہ کو زندہ کر دیا اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام قسم کے حیوانات پیدا کئے اور تمہارے لئے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیرِ فرماں کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے۔ اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (۴۳:۱۱ تا ۱۴)

اوپر کی پہلی آیت میں مردہ زمین پر آسمان سے پانی برسنے کے اور اس کے پھر سے زندہ ہوجانے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہاں ایک اہم بات یہ کہی گئی ہے کہ بارش یا برف باری قدرت کے ضابطوں اور کائناتی نظام کے مطابق ایک خاص مقدار میں ہوتی ہے۔ آخرت کی ابدی زندگی بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم، حکمت اور انصاف کے مطابق سوچ سمجھ کر منظم کی ہے۔ اگلی آیت میں ایک اور اہم حوالہ متوازی جوڑوں کی تخلیق کا دیا گیا ہے جو ایک دوسرے کے صنف مخالف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، اور یہ وہ بات ہے جو نہ صرف پیڑ پودھوں اور حیوانوں و انسانوں کے نر و مادہ میں دکھائی دیتی ہے، بلکہ مقناطیسی اور برقی قوتوں میں، اور ہوا و پانی کے اونچے و نیچے دباؤ میں بھی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں ہوائیں زور بھرتی ہیں اور پانی کی لہریں حرکت کرتی ہیں۔ یہاں تک خلیہ (ایٹم) کی بناوٹ میں بھی ہم پروٹون اور الیکٹران پر مثبت (+ve) اور منفی (-ve) چارج دیکھتے ہیں [مزید دیکھیں اس سے پہلے ذکر کردہ آیت ۳۶:۳۶، اور آیت ۸۸:۲۷ کی تفسیر]۔

اوپر کی آخری دو آیتوں میں مادہ اور روح کے درمیان تعامل اور توازن کو اجاگر کیا گیا ہے جس کا مشاہدہ انسان اس دنیا میں کرتا ہے۔ انسان اس کائنات کے مادی فوائد کو سمیٹنے کی کوشش کرسکتا ہے، لیکن اسے ان نعمتوں کو فراہم کرنے والی ہستی کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جو اس پوری کائنات کا خالق ہے اور جو انسان کو عقل سے نواز کر اس لائق بناتا ہے کہ وہ اس کی تخلیق سے فائدہ اٹھائے۔ مادیت اور روحانیت کے درمیان یہی وہ توازن ہے جو پوری انسانیت اور کائنات کے وسائل کی متوازن اور بھرپور ترقی کا ضامن ہے۔ ترقی کے اس عمل میں کامیابی یا ناکامی اہل ایمان کے لئے انسانوں اور دنیا کو بہتر بنانے کی سخت جدوجہد کے تسلسل میں روکاٹ کی وجہ نہیں بننا چاہئے، کیوں کہ مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ سارے امور اللہ کی طرف سے ہیں جن کے زریعہ وہ اسے آزماتا ہے، اور کسی فرد کی زندگی کے طویل عرصہ میں کوئی بھی موقع آخری نہیں ہے، بلکہ زندگی کے بہت سے نشیب و فراز کے درمیان ایک لمبے خم پر ایک ٹھہراؤ ہے۔ زندگی کے اس سفر کا اختتام اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور جو چیز واقعی اہمیت رکھتی ہے وہ آنے والی ابدی زندگی میں انسان کا انجام ہے۔

فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ
صَبًّا ۙ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ۙ﴿۲۶﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا
حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ۙ﴿۲۸﴾ وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ۙ﴿۲۹﴾ وَّ
حَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَ
لِاَنۡعَامِكُمۡ ؕ﴿۳۲﴾

تو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بیشک ہم ہی نے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔ اور زیتون اور کھجوریں۔ اور گھنے گھنے باغ۔ اور میوے اور چارا۔ (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لئے بنایا۔ (۸۰:۲۴ تا ۳۲)

یہ آیات خوراک کی پیداوار کو بیان کرتی ہیں اور اس بات کو اجاگر کرتی ہیں کہ پیداوار کے اس عمل میں کتنے مرحلے ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں جو اللہ کے فضل سے بہترین طریقے سے منظم اور مربوط ہیں تاکہ انسان کی اپنی زندگی بھی محفوظ رہے اور اس کے ان مویشیوں کی بھی جنہیں وہ آمد ورفت اور اپنی غذا کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یہ آیات اس بات کو بھی نمایاں کرتی ہیں کہ کس طرح فضا سے زمین پر پانی برستا ہے اور پانی، مٹی، بیج (یا پود پھوٹنے کے دوسرے سرچشموں) کے تعامل سے، اور بعض اوقات انسانی کاوش سے مختلف طرح کی نباتات اگتی ہیں۔ جب زمین پانی پیتی ہے اور یہ پانی مٹی سے ہوکر بیجوں تک، یا نباتات کے دوسرے سرچشموں تک، پہنچتا ہے، تو پیداوار کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اگنے والے پودے بیج کے اندر سے نکل کر زمین کو شق کر کے اوپر آجاتے ہیں۔ انسان، جسے عقل جیسی عظیم نعمت سے نوازا گیا ہے، زمین کو جوت کر اسے شق ہونے کے لئے تیار کرتا ہے۔ جوتنے کا یہ عمل پہلے پہل ہل چلا کر شروع کیا گیا تھا جو جانوروں کو ہانک کر کیا جاتا تھا، اور بعض مقامات پر ابھی تک اسی طرح ہوتا ہے، لیکن عام طور سے اس کے لئے اب مشینیں ایجاد کر لی گئی ہیں۔

قرآن کی آیتوں میں پودوں کی مختلف اقسام کا ذکر کیا گیا ہے، خاص طور سے ان پودوں کا جو نزول قرآن کے زمانہ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں معروف تھے۔ ان میں اناج کے وہ پودے بھی شامل ہیں جو نسبتاً کم وقت میں اور محدود کوششوں سے ہی اگ آتے ہیں اور انگور کی بیلیں بھی شامل ہیں جن کے پھلنے پھولنے کے لئے پھلیز بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور زیتون و کھجور کے پیڑ بھی شامل ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے پھل پیدا کرنے کے لئے لمبا وقت اور مسلسل سخت محنت لیتا ہے۔ دوسری قسم کے پیڑ پودھے '' گھنے باغوں، اور ان کے پھلوں'' اور ''نرم و نازک پودھوں'' کے زمرے میں آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، نگہبانی اور فضل سے، قدرتی وسائل اور انسان کی جسمانی و عقلی کاوشوں کے ذریعہ، انسان اور اس کے چوپایوں کی، نیز تمام طرح کے چرندوں و پرندوں کی خوراک کا انتظام ہوتا ہے ''۔۔۔اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامانِ معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں۔ [۴۱:۱۰]

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ
مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُيُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا يَوۡمَ
ظَعۡنِكُمۡ وَ يَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِهَا وَ
اَوۡبَارِهَا وَ اَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۸۰﴾

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور اسی نے چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لئے ڈیرے بنائے جن کو تم ہلکا دیکھ کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اُون اور ریشم اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں (بناتے ہو جو) مدت تک (کام دیتی ہیں) (۱۶:۸۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کو زمین پر گھر فراہم کرتا ہے جس کا تذکرہ اوپر کی آیت میں اہمیت کے ساتھ کیا گیا ہے کہ ان گھروں میں ان کے ساکنین کو آرام اور سکون ملتا ہے جو انسان کی ایک لازمی ضرورت ہے اور یہ ضرورت گھر سے پوری ہوتی ہے۔اس سے مراد تمام مادی اور نفسیاتی ضروریات ہیں جن میں ضروری آسائش کی چیزیں، فرنیچر، آرام، تحفظ اور پردہ پوشی وغیرہ شامل ہیں۔البتہ خانہ بدوش لوگ اپنے سفری گھر (خیمے) اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں جو آسانی سے تان کر کھڑے کر لئے جاتے ہیں اور سمیٹ کر طے کر لئے جاتے ہیں، ان گھروں (خیموں) کو بنانے اور ان کی تزئین کاری کے لئے جانوروں کی کھال، اون اور بالوں کا استعمال ہوتا ہے، دوسری طرف مقیم لوگ اپنے گھر بنانے میں مختلف قسم کا ساز و سامان استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک توجہ طلب اور معنی خیز بات ہے کہ اس سے پہلے والی آیت (۷۹:۱۶) میں ''اڑتی چڑیوں'' کا ذکر ہے، اور اگلی ہی آیت میں آوارہ گرد انسانوں سے متعلق بات کہی گئی ہے، یہ چیز دونوں طبقوں کی حرکت میں رہنے کی خاصیت کو اجاگر کرتی ہے۔

پرندے

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی ہوا میں گھرے ہوئے (اُڑتے رہتے) ہیں اُن کو اللہ ہی تھامے رکھتا ہے، ایمان والوں کیلئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۷۹:۱۶)

اوپر کی آیت میں پرندوں کا حوالہ ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ ہوا میں کس طرح اپنا توازن بنائے رکھتے ہیں، جو کہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین فطرت کے تحت اور ان خوبیوں کی بدولت ممکن ہوتا ہے جو اللہ نے ان کی جسمانی ساخت، پروں اور بازوؤں میں پیدا کی ہے اور جن سے زمین کی کشش ثقل کو بے اثر کرنے میں انہیں مدد ملتی ہے۔ نیو کولمبیا انسائیکلو پیڈیا کے مطابق ''پرندوں کے پاس نسبتاً بڑا دماغ، تیز نظر اور بہت زیادہ قوت سماعت ہوتی ہے، لیکن ان کے پاس قوت شامہ (سونگھنے کی حس) بہت کم ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ چڑیوں کی ساخت اڑنے کے لئے بہت موزوں ہے۔ان کی ساخت میں ہلکا پن اور مضبوطی دونوں ہیں۔ان کے جسم کا وزن بھاری جبڑے اور دانتوں کے بجائے ان کی چونچ ہونے کی وجہ سے اور کھوکھلی ہڈیوں وجسم کے دوسرے حصوں میں ہوا کی تھیلیوں کی وجہ سے کم ہوجاتا ہے۔جسم کے بھاری اعضا، سنگ دانہ۔آنتیں، بازوؤں کی رگیں اور ٹانگوں کی رگیں یہ سب چیزیں اڑنے کے دوران توازن بنائے رکھنے کے لئے بڑے کارگر طریقہ سے اپنی اپنی جگہ پر واقع ہوتی ہیں۔ پر، ہلکے ہونے کے باوجود، سردی لگنے اور بھیگنے سے بچانے کا کام کرتے ہیں۔خاص طور سے اڑانے والے بازوؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔'' ایسی عجوبہ خیز تخلیق اور بناوٹ سے ''پرندے آسمان میں ہوا کے اندر معلق رہتے ہیں'' [۷۹:۱۶]، پر پھیلائے اور زبان حال سے حکیم وقدیر خالق کی ثنا بیان کرتے ہوئے کہ ہر ایک یہ جانتا ہے کہ وہ ''اس کی حمد کس طرح کرے'' (۴۱:۲۴)۔انسان پالتو پرندوں سے اور ان پرندوں سے جنہیں وہ شکار کرتا ہے، سے غذا حاصل کرتے ہیں؛ ''اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھا رکھا ہو اور جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے'' [۴:۵]

آبی مخلوقات

وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جوطرح طرح کے رنگوں کی چیزیں اُس نے زمین میں پیدا کیں (سب تمہارے زیرِ فرمان کر دیں) نصیحت پکڑنے والوں کیلئے اس میں نشانی ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے دریا کوتمہارے اختیار میں کیا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جسے تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تا کہ اُس کا شکر کرو۔ (۱۶:۱۳، ۱۴)

یہ زمین پر اللہ کی تخلیقات کا ایک اور حوالہ ہے، جن کے الگ الگ رنگ و روپ ہیں اور الگ الگ خصوصیات ہیں، خواہ وہ جاندار مخلوقات ہوں یا بے جان، گیس کی شکل میں ہوں یا رقیق یا ٹھوس ہوں، کیڑے مکوڑے ہوں یا پرندے، زمین پر رہنے والے ہوں یا پانی میں، یا چھوٹی بڑی دوسری مخلوقات ہوں۔ یہاں قرآن اللہ کی تخلیقات کے مادی فائدوں اور ان سے حاصل ہونے والی جمالیاتی لذت دونوں کو بیان کرتا ہے کہ بندہ مومن تخلیقات کے حسن کو بھی محسوس کرے اور اس حسن و خوبصورتی کو انسانی زندگی میں بھی بنائے رکھے، نیز اسے ترقی دے۔ سمندر سے انسان اپنی حیاتیاتی اور نفسیاتی و عقلی ضروریات کی تکمیل کے لئے خوراک اور زیورات دونوں حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہاں جہازوں کا بھی حوالہ ہے جو آمدورفت کا ذریعہ ہیں جو اللہ نے پوری دنیا کے آبی علاقوں میں فراہم کئے ہیں، اور جن سے انسان اپنے آفاقی کردار کو پورا کرنے کا اہل بنتا ہے: ''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی''۔ (۱۷:۷۰)

کیڑے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔ جو لوگ مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے سچ ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہی کیا ہے؟ اس سے (اللہ تعالیٰ) بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے تو صرف نافرمانوں ہی کو۔ (۲:۲۶)

مچھر، بظاہر ایک بہت چھوٹی اور حقیر مخلوق دکھائی دیتی ہے، لیکن وہ بھی اپنے اندر جان رکھتا ہے جس میں طاقت کے مختلف زاویے ہیں۔ اس کے چھوٹے سے جسم میں زندگی کو بنائے رکھنے اور اپنی جنس کو جننے کا ضروری نظام موجود ہے، اور یہ اپنے حقیر وجود کے باوجود انسان کو ڈس سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مچھر، مکھی، چیونٹی یہاں تک کہ مکڑی کی مثال بھی دے سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور ان

میں سے ہرایک اللہ کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے جسمانی یا اخلاقی اعتبار سے اپنی اہمیت رکھتی ہے۔ان کی سائنسی، جمالیاتی اوراخلاقی اہمیت کوسمجھنے سے کچھ لوگ قاصر ہوسکتے ہیں، لیکن اللہ پرایمان رکھنے والے لوگ اللہ کی تخلیق کواس کے ہر پہلو سے اس طرح دیکھتے ہیں کہ یہ اللہ کا ایک معجزہ ہے، اور اللہ کے پیغام کولازوال حکمت کا ایک نمونہ سمجھتے ہیں۔اللہ کی تخلیق کی ایسی مثالیں ان لوگوں کے لئے اللہ کے پیغام کا مذاق بنانے اوراس پرتنقیدیں کرنے کا سبب بن جاتی ہیں جوصالحیت سے گریز کرنے والے اورغلط کار ہوتے ہیں، ایسے لوگوں نے اپنے حواس اورسوجھ بوجھ پرتالے ڈال رکھے ہوتے ہیں، اورجان بوجھ کرحق کوجھٹلاتے ہیں۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اورتمہارے رب نے شہد کی مکھیوں کوارشاد فرمایا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) چھتریوں میں جولوگ بناتے ہیں، گھر بنا۔ اور ہرقسم کے میوے کھا اوراپنے رب کے صاف رستوں پر چلی جا، اُس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بے شک سوچنے والوں کیلئے اس میں بھی نشانی ہے۔ (۱۶:۶۸،۶۹)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیقات میں اس کے عجائبات ظاہر کرنے والی ایسی چیزوں میں جن سے انسان کوزبردست فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک چیز شہد ہے جومکھی بناتی ہے۔ان مکھیوں کواللہ کی طرف سے یہ حکم ملا ہوا ہے کہ وہ پہاڑیوں اور پیڑوں پر یا ایسی عمارتوں پر جو مکھیوں کے آنے کے لئے لوگ تعمیر کریں اپنی جبلی خصوصیت سے حیرت انگیز طریقے سے شہد کے چھتے بنائے۔پھرانہیں تاکید ہے کہ مختلف طرح کے پیڑوں اور پھولوں سے رس چوس کرلائے اورطرح طرح کے پھولوں کا شہد فراہم کرے۔شہد کی غذائی اوردوائی فائدوں کا علم انسان کوصدیوں سے ہے، اورجدید تحقیق کاروں نے ان خصوصیات کوخاص طور سے اجاگر کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کوتم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کیلئے سب مجتمع ہوجائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے اُس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی کرنی چاہئے تھی نہیں کی کچھ شک نہیں کہ اللہ زبردست اور غالب ہے۔
(۲۲:۷۳ تا ۷۴)

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی اس بات کوکہ ''اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کرکسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے (۲:۲۶)'' ظاہر اور پورا کرنے کے لئے ایک انتہائی نازک اورحقیر مخلوق کی مثال بیان کررہا ہے۔جولوگ اللہ کوچھوڑ کردیوی دیوتاؤں میں یقین رکھتے ہیں انہیں یہ آیات اس بات کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ ان کے یہ معبود خالق نہیں ہیں کیوں کہ یہ لوگ مکھی

جیسی ایک چھوٹی سی چیز بھی نہیں پیدا کر سکتے۔مزید برآں، یہ نام نہاد دیوی دیوتا اپنی کوئی چیز بھی مکھی جیسی حقیر مخلوق سے نہیں بچا سکتے، اگر وہ ان کے اوپر چڑھائی گئی کوئی چیز لے اڑے تو اس سے چھین بھی نہیں سکتے۔کتنے کمزور ہیں یہ!

اللہ تعالیٰ کے منصوبہ تخلیق میں، اس کی ہر مخلوق کا ایک مقام اور کردار ہے جو پوری کائنات کے مجموعی اور پےچیدہ نظام کے تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔مہین کیڑے مکوڑے ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہیں جس طرح لحیم شحیم جانور کہ یہ اپنے چھوٹے سے جسم میں زندگی اور بقائے وجود کا مکمل لازمی نظام رکھتے ہیں۔ یہ کیڑے مکوڑے جتنے نقصان دہ معلوم ہوتے ہیں، اتنے ہی انسان کے لئے مفید بھی ہو سکتے ہیں اور اس میں انسان اور اس کی ذہانت وکاوش کا امتحان ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ ان کی افادیت کیا ہے اور ان کے نقصان سے کس طرح بچا جائے۔ہمیں یہ بات اب معلوم ہے کہ ایک مکھی انسان سے اس کی صحت چھین سکتی ہے اور اپنے جراثیم اور جرثومے انسان کے جسم میں داخل کر سکتی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚۖ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝

جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے کاش یہ (اس بات کو) جانتے۔ یہ جس چیز کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں (خواہ) وہ کچھ ہی ہو اللہ اُسے جانتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہلِ دانش ہی سمجھتے ہیں۔ (۲۹:۴۱ تا ۴۳)

مکڑی بہت محنت اور مسلسل کاوش سے اور کافی وقت لگا کر اپنا مخصوص گھر (جالا) بنتی ہے۔یہ ایک دھاگے کو کات کات کر اپنا جالا بنانا شروع کرتی ہے جو ہوا سے کسی ڈالی، دیوار یا کسی اور چیز پر پر چپک جاتا ہے، یہ مکڑی کے مکان کی برج لائن ہوتی ہے۔پھر مکڑی اپنے مکان کی فاؤنڈیشن لائنیں بناتی ہے، یہ شعائی دھاگے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اور جالے کے بیچوں بیچ ایک اٹیچ منٹ زون (Attachment Zone) ہوتا ہے۔اس کے بعد مکڑی ایک مچان جیسا سہارا بناتی ہے جہاں سے شعائی دھاگے نکلتے ہیں۔الگ الگ قسم کے کیڑوں کے ریشمی غدودوں اور تارکش اعضا سے الگ الگ طرح کے ریشم پیدا ہوتے ہیں؛ کچھ ریشم خول (کیچلی) بناتے ہیں، کچھ ریشموں سے انڈوں کی جھلی، شکار پکڑنے کے لئے جالا بننے کا کام لیا جاتا ہے۔۔۔۔۔[دی نیو کولمبیا انسائکلو پیڈیا، صفحہ ۲۵۹۵]

مکڑی کا گھر اس کے مقصد اور اس کی ضروریات کے حساب سے پوری طرح درست معلوم ہوتا ہے، لیکن نظام فطرت میں موجود اس کی تمام طاقتوں اور مخلوقات کی بہ نسبت مکڑی کا گھر سب سے کمزور ہوتا ہے۔تاہم مکڑی اپنی دنیا میں مگن رہتی ہے اور اپنی جبلت کے تقاضوں کو پورا کرتی رہتی ہے اور اپنی نسلوں کے لئے جبلی طور پر اسے جو کچھ بنانے پر لگا دیا گیا ہے اسے بدل نہیں سکتی۔جو لوگ اللہ کے بجائے دیوی دیوتاؤں سے مدد مانگنے کے اپنے باپ دادوں کے عقیدوں کی اتباع کرتے ہیں وہ اسی طرح جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔وہ اپنے روایتی عقیدوں سے ہٹ کر اور نسل در نسل چلی آرہی عادتوں کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتے حالانکہ وہ انسان ہیں اور ان کے پاس دماغ اور عقل ہے۔چنانچہ وہ ان حقیر کیڑوں سے کچھ بہتر نہیں ہیں جو کوئی نئی کاوشیں یا نئے تجربات نہیں کر سکتے اور ان کی پیدائشی جبلتیں انہیں

جہاں تک لے جاتی ہیں اس سے آگے وہ نہیں جا سکتے۔ ایسی روشن مثالیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہیں جو ’’اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے (۲۶:۲)‘‘۔ لیکن ان مثالوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنی عقل کا استعمال کرتے ہیں لیکن ’’جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہی کیا ہے؟‘‘ [۲۶:۲]

❁ ❁ ❁

بنی نوع انساں

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ
خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ
الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ
اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا
ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ
هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا
عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿٣٢﴾
قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ
تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا
اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿٣٤﴾ وَ
قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا
رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کُشت وخون کرتا پھرے؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ تعالیٰ نے (آدم علیہ السلام کو) حکم دیا کہ اے آدم! تم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے ان (چیزوں) کے نام بتائے تو (اللہ نے فرشتوں سے) کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھے معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔ اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ
لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقّٰٓى
اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾

(عیش ونشاط) میں وہ تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (۲:۳۰تا۳۹)

حضرت آدم اور ان کی زوجہ حوا علیہما السلام کی تخلیق، جنت میں ان کی رہائش اور زمین پر آن کی آمد کی کہانی سے انسانی فطرت کے بہت سے اہم طبعی و عقلی اور نفسیاتی، روحانی و اخلاقی مظاہر کی عکاسی ہوتی ہے۔ قرآن محض ماضی کا کوئی افسانہ بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ تمام زمانوں اور تمام مقامات کے ہر انسان کو خود اس کے اپنے بارے میں، اس کی جہتوں اور اس کی تمام طاقتوں و کمزوریوں کے حوالے سے ایک مستقل رہنمائی دے رہا ہے۔ کیوں کہ یہ رہنمائی بنی آدم، یعنی نوع انسانی، کے لئے ضروری ہے۔ یہ رہنمائی قرآن کی ۶ سورتوں میں دی گئی ہے:[۲:۳۰تا۳۹؛ ۳:۵۹؛ ۷:۱۱تا۲۷، ۱۷۲تا۱۷۳؛ ۱۷:۶۱تا۶۵؛ ۱۸:۵۰؛ ۲۰:۱۱۵تا۱۲۷]

حضرت آدم کی تخلیق کی کہانی انسانی استعداد کی خوبی یعنی اس کی آزاد مرضی کو اجاگر کرتی ہے۔ اس کی یہ استعداد اس کی عقل کے استعمال سے روبہ کار آتی ہے۔ عقل انسانی، انسان کو کسی مرحلہ میں متبادل راہیں سجھاتی ہے، اور اس کی استعداد اس مرحلے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک متعین متبادل کا انتخاب کرتی ہے۔ اسی طرح، انسان کے رویہ پر نہ تو صرف اس کی جبلت اور حیاتیاتی قوانین کا حکم چلتا ہے، جیسا کہ نباتات وحیوانات کا معاملہ ہے، اور نہ طبیعاتی قوانین کا حکم چلتا ہے جیسا کہ مادہ کی خصلت ہے۔ مزید یہ کہ انسان فرشتوں کی طرح نہیں ہے، جو اللہ کے احکام کی پابندی پر مجبور ہیں[۶۶:۶]، کیوں کہ اس طرح کی مجبوری اس کی آزادی رائے وآزادی انتخاب کے برخلاف ہے۔ چنانچہ، اس کے اندر صالحیت (صحیح عمل کی خوبی) اور بگاڑ (غلط عمل کی خامی) کے امکانات موجود ہیں ''اور نفس انسانی کی قسم، اور جس نے اس (کے اعضاء) کو برابر کیا، پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی''[۹۱:۷تا۸]۔

یہ دیکھنے کے بعد کہ انسان کو کس طرح فرشتوں سے مختلف پیدا کیا گیا ہے اور اس وجہ سے وہ اپنی آزادی انتخاب کی بدولت صحیح اور غلط کچھ بھی کر سکتا ہے، فرشتوں کی اس تشویش کو سمجھا جا سکتا ہے جو انھوں نے تخلیق آدم کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے استفسار کے انداز میں اس بات پر ظاہر کی تھی کہ اسے آزاد مرضی کے ساتھ زمین پر بھیجا جا رہا ہے۔ ''کہنے لگے کہ تو زمین میں اسے خلیفہ بنائے گا جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خون خرابہ کرے گا؟'' اس بات کو جتانے کے لئے وہ محض استفسار کر رہے ہیں، اس منصوبے پر کوئی اعتراض نہیں کر رہے ہیں کہ ایسا کرنا ان کے مطیع فرمان ہونے کی حیثیت سے ان کے لئے مناسب نہیں ہے، وہ اپنے استفسار کے ساتھ ہی اپنی فدائیت

کوبھی پرزور طریقے سے ظاہر کرتے ہیں: ''ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں''

قرآن نفس لوامہ، نفس امارہ اور نفس مطمئنہ: (۱۲: ۵۳)، (۸۹: ۲۷)، (۷۵: ۲)] کا حوالہ بھی دیتا ہے۔ اس سے انسان کے اندر متضاد قوتوں کی موجودگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، ان میں سے کسی کو بھی کوئی فرد اپنے لئے منتخب کرسکتا ہے، اور اگر وہ اللہ کی رہنمائی سے روشنی لیتا ہے تو اسے اطمینان وسکون حاصل ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''میرے پاس سے تمھارے پاس ہدایت آئے گی، تو جو لوگ اس ہدایت کی اتباع کریں گے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ سگمنڈ فرائڈ (متوفی ۱۹۳۹ء) انسان کی ان داخلی متضاد قوتوں کے نفسیاتی تجزیہ کے ضمن میں ایک دوسرے انداز سے بات کرتا ہے، جسے میں یہاں وضاحت کے مقصد سے، نہ کہ مماثلت کی وجہ سے، مختصراً بیان کرتا ہوں۔ اس نے انسانی شخصیت کو مجموعی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: "id", "superego", "ego"۔ آئی ڈی جبلی قوتوں کا خزانہ ہے جو انسان کے تحت الشعور کی گہرائیوں میں پیوست ہے اور مسرت کے احساسات (اصول مسرت "pleasure principle") اس پر غالب ہوتے ہیں، یہ ایک ایسی چیز ہے جو جبلی قوتوں سے حاصل ہونے والی سب سے پہلی تسکین ہے۔ دوسری انتہاء پر ''سپر ایگو'' ہے جو گھر اور سماج کی تعلیم وتربیت سے فروغ پاتا ہے، اور ایک داخلی محتسب کی طرح کام کرتا ہے اور شعوری وغیر شعوری ضمیر ہے۔۔ پھر سب سے آخری چیز ''ایگو'' ہے جسے فرائڈ نے ''آئی ڈی'' کا ایک حصہ بتایا ہے جو بیرون شخصیت کے عوامل سے رابطہ میں آنے سے حرکت میں آتا ہے، اور ان احساسات کا ہجوم ہوتا ہے جسے عام طور سے باخبری اور ہوشمندی کہا جاتا ہے، اور تین متضاد قوتوں: بیرون شخصیت سماجی ماحول کے مطالبات یا حقائق، جنسی تقاضے (جن کا تعلق ''جنسی جبلت'' سے ہے، جسے فرائڈ نے خاص طور سے شہوت کے جذبہ سے تعبیر کیا ہے، لیکن وہ مختلف انسانی جبلتوں کو محیط ہے)، اور ''سپر ایگو'' کے درمیان توازن بنائے رکھنے والا دماغی عامل ہوتا ہے [دی نیو کولمبیا انسائکلو پیڈیا، ص۔ ۲۲۳۵]۔ فرائڈ نے جنسی یا شہوانی تحریک پر جو اتنا زیادہ زور دیا اس کی وجہ سے تحلیل نفس کے مطالعات کی روشنی میں فرائڈ کے اس فلسفہ سے اختلاف اور اسے چیلنج کئے جانے کے باوجود اس کی تھیوریوں کا گہرا اثر علم نفسیات، پرورش اطفال، تعلیم، ثقافت اور علم سماجیات، طب وآرٹ کے میدانوں پر پڑا ہے۔

رائے اور انتخاب کی آزادی انسانی عقل کے استعمال سے بروئے کار آتی ہے، جو بولنے میں بھی استعمال ہوتی ہے اور یہ بولنا انسانی استعداد کی ایک اور خوبی ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا میں مختلف طرح کی زبانوں کو فروغ ہوا۔ آدمؑ کی تخلیق کے بارے میں قرآن نے جو خبر دی ہے اس سے انسان کی اس لسانی استعداد کا حوالہ ملتا ہے کہ ''اللہ نے آدم کو چیزوں کے نام بتائے''۔ نیو کولمبیا انسائکلو پیڈیا کے مطابق، زبان صوتی اشاروں کی ایک منظم ترسیل کا نام ہے جو بنی نوع انساں کی ایک آفاقی خوبی ہے'' [ص۔ ۱۵۲۷]۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا جب انسان نے لکھنے کا عمل شروع کیا۔ یہ زیادہ سے زیادہ ۷،۹۰۰ سال پہلے کی بات ہے، لیکن یہ عرصہ اس عرصہ کی بہ نسبت بہت کم ہے جب سے انسانی بولیاں اس زمین پر بولی جارہی ہیں۔ قدیم ترین ثقافتوں والے لوگ آج جو بولیاں بولتے ہیں، اور جس جس قسم کی بولیاں اب ہمارے علم میں ہیں یا اولین زمانہ کے ریکارڈ سے جنہیں فرضی طور پر نئی ساخت دی گئی ہے، وہ بہت پے چیدہ تہذیبوں والے لوگوں کی طرح ہی بڑی دقیق ہیں اور جبلی طور پر مستعمل ہیں۔ انسانی بولی ایک ایسا عمل ہے جو جانوروں کی طرح محض آواز نکالنے سے قطعی مختلف ہے۔ بولی یا بات چیت میں سر بنانے اور آواز کو پھیلانے گونج پیدا کرنے والے ایک نظام کی اور آواز کو اس انداز میں ترتیب دینے والے ایک عمل کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی مخصوص انسانی گروہ کے لئے مخصوص معنیٰ دینے والی ان صوتی علامتوں میں ڈھل جائے جن سے ان کی بولی مرتب ہوتی ہے۔ زبان کا استعمال کچھ متعین دماغی حرکات سے ممکن ہوتا ہے جیسے خیالات کا پیدا ہونا، فہم، الفاظ کو محفوظ رکھنا اور ان

کا استحضار، خیالات کو ظاہر کرنے کے لئے حروف کا انتخاب اور ان حروف کو ایک ترتیب کے ساتھ ادا کرنا جس سے ترسیل و ابلاغ کا مقصد پورا ہو [اکیڈمک امیرکن انسائکلو پیڈیا، (''اسپیچ'')، جلد ۱۸، ص۔ ۱۷۳]

چنانچہ انسانی عقل انسانی بات چیت اور زبان کی ادائیگی کے لئے ایک لازمی شے ہے۔ انسان کی خود کا یہ اظہار اس کی ایک نادر طبیعاتی اور عقلی استعداد کی عکاسی کرتا ہے، اور یہ استعداد تصنیف و تالیف سے مزید بڑھتی ہے۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ اللہ نے ''انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا'' [۵۵: ۳ تا ۴]۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ زبان کی تخلیق تین امور پر مشتمل ہے: انتخاب، توازن اور ترتیب [''لینگویج اینڈ لٹریچر''، اکیڈمک امیرکن انسائکلو پیڈیا، جلد ۱۲، ص۔ ۱۹۶ تا ۱۹۷]۔

ایسی جسمانی، عقلی، اور نفسیاتی روحانی و اخلاقی لیاقتوں اور ان کے درمیان باہمی ربط و تعامل سے انسانی شخصیت مجموعی طور پر سامنے آتی ہے، اور اللہ کی مخلوقات میں انسان کی افضلیت ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے آگے جھک جانے کا حکم دے کر انسان کی اسی فضیلت کو اجاگر کیا تھا۔ لیکن ابلیس یعنی شیطان کے ذریعہ نافرمانی کئے جانے سے، انسان سے اس کی مستقل دشمنی کی ابتدا ہوگئی اور انسان کی فضیلت سے حسد رکھنے کے باعث اسے پامال کرنے کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتا ہے، اور اس کوشش میں وہ انسان کی ان کمزوریوں اور اخلاقی خرابیوں کو نشانہ بناتا ہے جو انسان کے اندر اس کی صلاحیت اور صالحیت کے پہلو بہ پہلو ودیعت کر دی گئی ہیں۔ [انسان کو رسوا کرنے کے لئے شیطان کی مسلسل کوششوں کا نمونہ دیکھنے کے لئے ملاحظہ کریں آیات ۷: ۱۶ تا ۱۸؛ ۱۷: ۶۱ تا ۶۵؛ ۳۸: ۷۹ تا ۸۵]

برائی کی طرف لے جانے کی شیطان کی ترغیب پہلے انسانی جوڑے (آدم و حوا) سے شروع ہوئی جسے جنت کے تمام درختوں کے پھل کھانے کی اجازت دی گئی تھی، سوائے ایک کے: ''تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ اُن کے ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو، اور اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیرخواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔ تب اُن کے رب نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے (پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا کہ (تم سب جنت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گی'' [۷: ۲۰ تا ۲۵]

''اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اُسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا۔'' [۲۰: ۱۱۵] ''پھر ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے، اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ تو شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تمہیں (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن پر اُن کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کے حکم

کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔ پھر ان کے رب نے اُن کو نوازا تو اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اُس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی (چاہیئے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے [۲۰:۱۱۷تا۱۲۶]

قرآن میں آدم اور ان کی زوجہ دونوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ذمہ دار انسان کے طور پر برابر سے خطاب کیا ہے: ''اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے'' [۷:۱۹] اس طرح شیطان کے بہکاوے میں آجانے اور ممنوع درخت کا پھل کھانے کے ذمہ دار دونوں ہوئے: ''تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ اُن کے ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔۔۔۔۔'' [۷:۲۰] لیکن پھر دونوں نے ہی توبہ کی اور دونوں کی توبہ قبول کر لی گئی، چنانچہ اسلامی عقیدے میں مبینہ ''اصل غلطی'' کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے: ''ان دونوں نے جواب دیا کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے'' [۷:۲۳]

آدم کو یہ سکھایا گیا کہ وہ اللہ سے کس طرح معافی مانگیں کہ ان کی توبہ قبول ہو، اور توبہ قبول کرنے والے مہربان و رحیم رب نے یہ واضح کر دیا کہ انسان سے جس کے اندر ''اس کی خوبی اور بدی ڈال دی گئی ہی'' [۹۱:۸] غلطی ہونا ایک بشری فطرت ہے، لیکن غلط کار انسان کو چاہئے کہ وہ توبہ کرے اور اس غلطی کی معافی قبول کرانے کے لئے اس غلط کام سے باز آجائے، اور اللہ ہی اکیلا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پہلے انسانی جوڑے کے بارے میں یہ معلومات دے کر ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے اور اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''تمام انسان خطا کار ہیں اور سب سے اچھا خطا کار وہ ہے جو توبہ کرے'' (بہ روایت ابن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ اور الحاکم)۔

اولین دو انسانوں کے بارے میں، جن سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا ہے، قرآن کے یہ بیانات انسان کی نامعلوم کو معلوم کرنے کی جستجو، لازوال زندگی حاصل کرنے کی انسان کی خواہش اور اپنا زور چلانے کے جذبہ کو بہت باریکی کے ساتھ اجاگر کرتے ہیں۔ یہ جبلی رجحانات وہ کمزور نکتے ہیں جن کی وجہ سے انسان ٹھوکر کھا سکتا ہے اور شیطان کی ترغیب اپنا کام کر سکتی ہے ان غلط کار انسانوں کی کوششوں سے جو شیطانی طاقتوں کے ساتھ مل کر بدی کا گٹھ جوڑ قائم کرتے ہیں: ''۔۔۔۔۔ اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے'' [۶:۱۱۲، نیز دیکھیں ۶:۱۲۸، ۷:۲۷، ۲:۶]۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں نفسیاتی، عقلی، روحانی اور سماجی اعتبار سے انسان کی کمزوریوں کی رعایت کی گئی ہے کیوں کہ اس رہنمائی کے ذریعہ نفس انسانی خاص طور سے اس کے روحانی وجود کا صحیح علم دیا گیا ہے، اس دنیا کے لئے بھی اور آنے والی حقیقی ابدی زندگی کے لئے بھی۔ انسان کو اپنی فضیلت اور امتیاز کا مقام حاصل کرنے کے لئے جو موقع دیا گیا ہے اس کی رہنمائی بھی دی گئی ہے، اور اس رہنما تعلیم کا مقصد ایک ایسا سماج بنانا ہے جہاں انسان کو اپنی کمزوریوں اور شیطانی ترغیبات سے لڑنے کے لئے ایک دوسرے کی اخلاقی مدد حاصل ہو: ''اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں، وہی (اللہ کے)

مقرب ہیں، نعمت کے بہشتوں میں[۵۶:۱۰ تا ۱۲] ، ''اور آپس میں حق (بات) کی تلقین کرتے ہیں اور صبر کی تاکید کرتے رہتے ہیں''[۱۰۳:۳]

ہر انسان کو اپنے جبلی تقاضوں کی مناسب انداز سے تکمیل کے لئے اپنی پسند طے کرنے میں اپنی عقل کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ انسان کو زمین پر لاکر بسایا گیا ہے اور اپنی ترقی کے لئے مجاز بنایا گیا ہے، نہ صرف اپنی ترقی کے لئے بلکہ زمین اور اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کو اپنی عقلی صلاحیتوں سے فروغ دینے کا ذمہ سونپا گیا ہے۔ انسان کی عقلی لیاقت اس کی آزادی انتخاب، اس کی روحانی، نفسیاتی واخلاقی قوتوں، اور علم وفضیلت کے جبلی رجحانات کے لئے رہنمائی فرماتی ہے۔ انسان کی یہ منفرد خوبیاں ہی ہیں جن کے باعث انسان کی آئندہ نسلوں کو زمین کا وارث بنایا گیا: اُسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اُس میں آباد کیا [۶۱:۱۱]

اس بھاری ذمہ داری اور اس کے تقاضوں کی بنا پر انسان کو اس کی تمام مثبت اور منفی صلاحیتوں اور بلندیوں و پستیوں کے ساتھ اپنی مرضی اور پسند کو بروئے کار لانے کا موقع ہمیشہ ملا ہوا ہے۔ قرآن یہ بتاتا ہے کہ جنسی اشتعال کس طرح انسان کو غلط کاری کی طرف لے جاسکتا ہے، اور انسان کی ان کمزوریوں کو شیطان کس طرح اس کی خودی کو پامال کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے: ''اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھادے وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے''[۷:۲۷]۔

عورتوں اور مردوں کے بیچ جسمانی طور پر باہمی کشش، اور پھر اس کے ساتھ شہوانی حرکتوں کا میلان انسانوں کو ان کی زور آوری یا کمزوری کے سبب ٹکراؤ میں مبتلا کردیتا ہے: ''اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل سچے (ہیں) پڑھ کر سنادو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا اُس نے کہا کہ اللہ پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے۔ اور اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ سمیٹ لے پھر (زمرۂ) اہلِ دوزخ میں ہو جا اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اُس کے نفس نے اُس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اُس نے اُسے قتل کردیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگیا۔ اب اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اُسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔ کہنے لگا کہ افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپادیتا پھر وہ پشیمان ہوا۔''[۵:۲۷ تا ۳۱]

اللہ اور آخرت کی ابدی زندگی پر ایمان اور اللہ کی ہدایت کو اختیار کرنے سے انسان کو دنیا کی اس زندگی میں کام کرنے میں مدد ملتی ہے، اور پھر اللہ نیز اخلاقیات میں یقین رکھنے والے دوسرے لوگوں کی معاونت بھی اسے حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ ہر آدمی کو اپنی اخروی زندگی کی فکر ہوتی ہے اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کی روشنی میں وہ اللہ سے اپنے تعلق کا جائزہ لیتا رہتا / رہتی ہے۔ ان اہل ایمان کے لئے انسان اور قدرتی وسائل کی ترقی کامیابی کے غرور یا ناکامی کی مایوسی سے متاثر ہوئے بنا جاری رہتی ہے۔ ''اے اہلِ ایمان! ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور جمے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ مراد حاصل کرو۔''[۳:۲۰۰]

وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ
طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ
فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى
يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ
فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ
مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ
لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا
مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ
زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا
الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ
سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ
الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ
الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ
النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ ۙ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ
بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ
وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ

اور ہمیں نے تمہیں (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت شکل بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو (سب نے) سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو (جنت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے اُس دن تک مہلت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے ۔فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ (پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ نکل جا یہاں سے پاجی مردود جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (اُن کو اور تجھے جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے۔ تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تا کہ اُن کے ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو ۔اور اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔ تب اُن کے رب نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے (پاس جانے) سے منع نہیں

تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۜ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ
لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ
مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ
وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۧ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ
لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ
ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾
يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ
مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا
تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا
عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَ اَقِيْمُوْا
وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا
حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ۧ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ
لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ

کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا کہ (تم سب جنت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔ اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تا کہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تا کہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا دے وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کہہ دو کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اُسی کو پکارو اُس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔ ایک فریق کو تو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو

اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝٣٢ قُلْ اِنَّمَا
حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ
الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝٣٣ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٣٤ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ
اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ
فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ
یَحْزَنُوْنَ ۝٣٥ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا
عَنْهَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٣٦

دوست نہیں رکھتا۔ پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں اُن کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہی کا حصہ ہوں گی۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں سمجھنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ اور ہر ایک فرقے کیلئے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔ اے بنی آدم! (ہم تمہیں یہ نصیحت ہمیشہ کرتے رہے ہیں کہ) جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں اور ہماری آیتیں تمہیں سنایا کریں (تو ان پر ایمان لایا کرو کہ) جو شخص (ان پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔

(۷:۱۱ تا ۳۶)

ان آیات میں شروع کی پندرہ آیات آدم کی تخلیق کے اس قصہ سے متعلق ہیں جو اس سے پہلے ذکر کردہ آیتوں [۲:۳۰ تا ۳۹] میں بیان ہوا تھا، لیکن یہاں اس معاملہ کے دوسرے پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ گزشتہ آیات میں انسان کے وجود و تشخص پر روشنی ڈالی گئی تھی، جب کہ ان آیات میں شیطان کے بہکاووں اور پھسلاؤں کے بارے میں مزید معلومات دی گئی ہیں، کہ شیطان نے کس طرح حضرت آدم و حوا کو بہکایا اور اس پہلے انسانی جوڑے کو اور اس کے ساتھ شیطان و اس کی ذریت کو زمین پر بھیجے جانے کے بعد انسانی فطرت اور انسانی زندگی پر شیطان کی ان ترغیبات کے کیا اثرات پڑے۔ [ان آیات (۷:۱۱ تا ۲۵) کی تفسیر کے لئے گزشتہ آیات (۲:۳۰ تا ۳۹) کی تفسیر دیکھیں]

انسان کی لیاقتوں اور اس کی ناکامیوں کے بارے میں حضرت آدم کے قصہ سے جو سبق ملتے ہیں وہ قرآن میں بیان کردہ اس قصے کے مختلف پہلوؤں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ، مذکورہ بالا آیات جنون اور خبط، اور جسمانی ونفسیاتی طور پر جنسی چھیڑ چھاڑ کی کوششوں کے بارے میں تنبیہ کرتی ہیں خاص طور سے جسم کی شہوانی کشش کو نمایاں کر کے جنسی اشتعال پیدا کرنے کی حرکت کے تئیں ہوشیار کرتی ہیں۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ” اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تا کہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا

دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''[۷:۲۷]۔ دوسرے یہ کہ، قرآن اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ شیطان ایسا دشمن نہیں ہے جو انسان کو ظاہری طور پر اور پوری طرح نظر آئے؛ بلکہ وہ چھپا ہوا دشمن ہے اور اس کے منصوبے خود انسان کی اپنی کمزوریوں اور ذمہ داریوں کے واسطے سے بروئے کار آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسان کی نفس کے اندر سے کام کرتا ہے اور یہ کسی کے خلاف لڑنے کا سب سے زیادہ خطرناک طریقہ ہے: ''وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے''[۷:۲۷]۔

نظر آنے والے انسان اور دکھائی نہ دینے والے شیاطین دونوں ہی فرد کو اس خود فریبی میں مبتلا کرتے ہیں کہ اس کی خطائیں اللہ کی طرف سے ہیں کیوں کہ اللہ نے ہی خطاؤں کے سرزد ہونے کا امکان رکھا ہے ۔لیکن قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ فرد کو عمل کی آزادی اور عمومی فہم حاصل ہے اس لئے صحیح یا غلط کام کرنے کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری فرد کی اپنی عقل پر ہے۔ اندھی تقلید اور نقالی کوئی عذر نہیں ہے کیوں کہ یہ رجحان انفرادی ذمہ داری کے مقصد کو پامال کرتے ہیں جس کی بنیاد پر ہی روزِ حساب افراد کا فیصلہ ہوگا[دیکھیں آیات ۶:۹۴؛ ۱۹:۸۰،۹۵؛ ۵۲:۲۱؛ ۷۴:۳۸؛ نیز ۲:۱۶۶،۱۶۷،۱۷۰؛ ۱۴:۲۱؛ ۳۳:۶۷،۶۸؛ ۳۴:۳۱تا۳۳؛ ۴۰:۴۷،۴۸؛]۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بے پایاں فضل اور ہر عیب سے پاک ہونے کی بنا پر کسی بھی طرح سے غلط کاری یا خطا کاری کی تاکید نہیں کرتا، اس طرح کی باتیں اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے انسان کی جہالت اور نادانی کو ثابت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو انصاف اور نیکی اور اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے، اس لئے انسان کو خسارے میں پڑنے سے بچنا چاہئے اور جھوٹے خداؤں اور شیاطین جن وانس کے دھوکے سے بچنا چاہئے۔ آخرت کی زندگی میں ہر ایک کو انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو اس نے دنیا کی اس زندگی میں کئے ہوں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا مقصد کہ انسان کو اس دنیا کی مسرتوں سے محروم کرنا نہیں ہے، جہاں تک وہ نقصان کا موجب نہ ہوں یا بے حیائی پر مبنی نہ ہوں، غیر منصفانہ طرزِ عمل سے حاصل نہ ہوں یا غیر معقول نہ ہوں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت انسان کے فائدے اور تعمیری ترقی کے لئے ہے، نہ کہ ان کے جبلی تقاضوں کو دبانے کے لئے اور دنیا کی اس زندگی سے انہیں الگ تھلگ کر دینے کے لئے۔ اس دنیا کی جائز مسرتوں کو انسان کے لئے اللہ نے کبھی حرام نہیں کیا، کیوں کہ وہی تو ہے جس نے ان نعمتوں کو اولین طور سے انسانوں کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور انسانوں کے لئے انہیں جائز کیا ہے [۲:۲۲۹؛ ۴۵:۱۳]۔ خوبصورت پہناوے اور لذیذ کھانے اور مشروبات انسان کے لئے جائز ہیں اگر وہ مفید اور صحت بخش ہوں اور انہیں ضائع کئے بغیر استعمال کیا جائے۔ لیکن اس دنیا کی مسرتوں اور نعمتوں کو سمیٹنے میں تو تمام ہی لوگ شریک ہیں[۱۱:۱۵؛ ۱۷:۱۸ تا ۲۰]، مگر آخرت کی زندگی میں یہ نعمتیں صرف انہی لوگوں کو ملیں گی جو ان پر ایمان لائے ہوں گے اور دنیا میں اچھے کام کئے ہوں گے۔

انسانوں کو یہ بھی یاد دلایا جاتا ہے کہ افراد کی طرح تہذیبیں بھی وجود میں آتی ہیں، پھلتی پھولتی ہیں اور پھر زوال کا شکار ہو کر فنا ہو جاتی ہیں، وہ تب تک ہی باقی رہتی ہیں جب تک ان کے اندر بقاء کی صلاحیت رہتی ہے، اور جب ان کی ناکامیاں مہلک بن جاتی ہیں تو وہ ماند پڑ جاتی ہیں اور آخر کار فنا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اپنی کمزوریوں سے بچانے کے لئے اور ان کمزوریوں، خاص طور سے جنسی کشش اور کبر و برتری کے احساسات، سے فائدہ اٹھا کر شیطان جو ترغیبات ان کے اندر پیدا کر کے انہیں اپنے اثر میں لیتا ہے ان سے بچانے کے لئے اپنی ہدایت بھیجتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی ہدایت کی اتباع کرتے ہیں وہ اپنے عقیدے کی بدولت اس زندگی کے نشیب وفراز کے جھٹکوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور اللہ کی ہدایت پر چلنے کا ان کا جذبہ آخرت کی ابدی زندگی میں ان کے کام آتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو صرف دنیا کی لذتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اپنی خود غرضی، ناعاقبت اندیشی اور گھمنڈ کی وجہ سے اللہ کی ہدایت کو مسترد کرتے ہیں، وہ خود اپنی

جسمانی اورنفسیاتی اہلیتوں پر ہی چھوڑ دیے جائیں گے جو اس دنیا کی بھلائیوں اور برائیوں کے متضاد ڈھیر میں دب جائیں گی اور ابہام میں مبتلا رہیں گی۔

وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ
لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ
لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ
اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا
فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ
يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا
يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا
يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰٓى اٰدَمُ
رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ
هَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ
فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ
فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ
بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ
كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ
اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ

اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اُسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر وثبات نہ دیکھا۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا ۔ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ تو شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تمہیں (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن پر اُن کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔ پھر ان کے رب نے اُن کو نوازا تو اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اُس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی (چاہیئے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے۔ اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔ کیا یہ بات ان لوگوں کیلئے موجبِ ہدایت نہ ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں؟ عقل والوں کیلئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔(۲۰:۱۱۵ تا ۱۲۸)

حضرت آدم اوران کی زوجہ کا قصہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر مختلف انداز سے آیا ہے، جن میں سے ہر ایک میں انسانی فطرت کے کسی نہ کسی عنصر پر زور دیا گیا ہے۔ درج بالا آیات میں سے پہلی آیت میں انسان کی ایک اہم خصلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یعنی بھول جانے اور اپنے عہد سے پھر جانے کی کمزوری۔ یہ بھول چوک بعض اوقات نادانستہ طور پر یادداشت کے بھٹک جانے سے سرزد ہوتی ہے، اور ایسی بھول چوک اللہ کی طرف سے معاف ہے، کیوں کہ احتساب اور فیصلہ انہی کاموں کا ہوگا جو انسان جان بوجھ کر کرتا ہے یا چھوڑتا ہے۔ سنگین بھول وہ ہے جو انسان جان بوجھ کر کرے۔ جب کوئی فرد کسی عہد کو اپنی خواہش سے نظرانداز کرے یا اس کا لحاظ نہ کرے اس بنا پر کہ ایسا کرنے سے اسے کسی راحت یا مسرت کو تج دینا پڑے گا۔ اللہ نے انسان کو صحیح طریقے سے آزمانے کے لئے ارادے کی آزادی عطا کی ہے، اور انسان کو مختلف قسم کے دباؤ کا حتی الامکان سامنا کرنے اور کسی سخت معاہدے کو اس کی وجہ سے بھلا نہ دینے کی تربیت حاصل کرنی ہوگی۔

بعد کی آیات اس بات کو اجاگر کرتی ہیں کہ جب شیطان نے آدم کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا تو اس کے بعد، جنت میں آدم علیہ السلام کا رویہ ثابت قدمی اور پختہ عزمی کی اس کمی سے ہی متاثر ہوا۔ چنانچہ، جیسا کہ ان آیات میں اشارہ ہوا ہے، انسان جاننے کی جستجو رکھتا ہے اور فنا نہ ہونے وا پنا بس چلانے کی خواہش رکھتا ہے، اور انسان کے ان رجحانات کی بدولت شیطان دونوں کو اللہ کی نافرمانی کے لئے اکسانے میں کامیاب ہوا۔ آدم اور حوا کو اپنی مرضی اور انتخاب کی آزادی سے کام لینا تھا، اور غیر حقیقی طاقتیں حاصل ہوجانے کی ان کی امید نے اس اولین انسانی جوڑے کو جنت میں فراہم اپنے عیش وآرام کو داؤں پر لگا دینے کو آمادہ کر دیا۔ اس طرح، اللہ سے کئے ہوئے عہد کو فراموش کر دینے سے نہ تو ان کی آرزوئیں پوری ہوئیں اور نہ وہ اپنی سابقہ حالت کے فوائد کو ہی برقرار رکھ پائے۔

مزید برآں، جنت سے آدم وحوا کی بے دخلی اور زمین پر ان کی آئندہ زندگی شہوت اور ضروریات زندگی کے دباؤ کا نقطۂ آغاز بنی اور شیطان سے اس کی مستقل کشمکش کی شروعات ہوئی۔ بنی نوع انساں کو اپنا معاش کمانے اور زمین کو ترقی دینے اور خاندان بنانے کے لئے افزائش نسل کی جدوجہد کرنا تھی، اور ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے پورے رویہ زندگی کے لئے اللہ کی ہدایت کو سمجھنا تھا۔ اللہ نے اس جدوجہد میں انسان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا جب کہ شیطان کو انسان کو تمام صلاحیتوں کو اسے اکسانے اور بہکانے کے لئے استعمال کرنا تھا، اور یہ انسان کی عقل اور اس کی آزادی ارادہ پر منحصر ہے کہ وہ خود یہ فیصلہ کرے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اللہ کا پیغام انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے کہ وہ زمین پر اپنی، اور اپنے چاروں طرف پھیلی دنیا کی بھلائی کے لئے اللہ کے احسانات سے کس طرح فائدہ اٹھائے۔ جو لوگ اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھائیں گے وہ اس دنیا میں مسرور رہیں گے، اس طرح کہ وہ اپنے اندر ایک سکون محسوس کریں گے اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلق میں انصاف اور مہربانی کو برتیں گے، اور آخرت کی ابدی زندگی میں وہ اس کا صلہ پائیں گے۔ جو لوگ اپنی خودغرضی میں پڑے رہیں گے اور ناعاقبت اندیشی میں مبتلا رہیں گے وہ اس دنیا میں تنگی کی زندگی جئیں گے، اس طرح کہ وہ ہمیشہ اس کے نشیب وفراز سے لرزتے رہیں گے، اور دوسروں کے ساتھ ناانصافی کے نتائج اور ردعمل کی اذیت سے دوچار ہوں گے۔ اس دنیا میں اس روحانی اور اخلاقی اندھے پن کی طرح آخرت کی زندگی میں ان بدکاروں کے لئے ایک دوسرا اندھاپن مقدر بنے گا، جہاں ان کی اذیتیں، جو ان کی اپنی بداعمالیوں اور اللہ کی رہنمائی کو مسترد کر دینے کا نتیجہ ہوں گی، اور زیادہ شدید ہوں گی اور ان کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

انسان:
طبعی، نفسیاتی، عقلی اور روحانی پہلوؤں سے

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ
مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ
نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اُسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں (تب بھی وہ انہیں کی تقلید کئے جائیں گے؟) جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔ (۲:۱۷۰ تا ۱۷۱)

قرآن بار بار انفرادی ذمہ داری پر زور دیتا ہے اور دوسروں پر انحصار یا دوسروں کی اندھی تقلید اور نقالی کی مذمت کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے آباؤ اجداد کے عقائد اور اعمال کی پیروی کرتا ہے اور کسی بھی اُس بات پر غور کرنے سے اعراض کرتا/تی ہے جو اس کے سامنے پیش کی جائے وہ ایسا/ایسی انسان ہے جو اپنے عقل کو کام میں نہیں لاتا/لاتی، اور اپنے آباؤ اجداد اور یا قوم کی روایتوں پر ہی اس بات کو چھوڑے رکھتا/رکھتی ہے کہ اس کے بارے میں وہی سوچیں۔ ایسا/ایسی انسان جو اپنے حواس اور عقل کو محدود کر کے رکھتا/رکھتی ہے جانوروں کی طرح ہے جو کچھ نہیں سمجھتے سوائے اپنے گڈریے کی ہانک پکار کے۔ جو لوگ بلا سوچے سمجھے اللہ کے پیغام کا انکار کرتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے رہتے ہیں، وہ اپنی عقل اور اپنے حواس پر ہی پہرے بٹھاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی آوازوں کو سنتے ہیں، صرف انہی کو دیکھتے ہیں اور کسی اور سے کوئی مکالمہ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے آپ کو جان بوجھ کر بہرا بنا لیتے ہیں، گونگا اور اندھا بنائے رکھتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی انسان اپنی ان اعلیٰ صلاحیتوں کو استعمال نہ کرے جو اسے بخشی گئی ہیں ”۔۔۔ اُن کے دل ہیں لیکن اُن سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں

بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں‘‘ [۱۷۹:۷]

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں:۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی نیک اجر تیار) ہے اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے (۲:۲۰۰ تا ۲۰۲)

یہ آیات حج کے حوالے سے شروع ہوتی ہیں، لیکن اس بات پر ختم ہوتی ہیں جو اہل ایمان کا نصب العین ہے جو حج کی عبادت ادا کرنے کے بعد مزید واضح اور مرکوز نگاہ ہو جاتا ہے اور اس کے حصول کی دعا کی جاتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف انہی بھلائیوں کے طالب ہوتے ہیں جو اس دنیا میں ہیں اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ مستقبل میں حاصل ہونے والی زیادہ قیمتی بھلائیاں بھی ہیں جن سے وہ محروم ہو سکتے ہیں۔ لیکن مومن صادق، قرآن کی تعلیمات کے مطابق، اس دنیا کو ترک نہیں کرتا/تی، نہ وہ اس میں اتنا منہمک ہوتا/ہوتی ہے کہ مستقبل کو ہی فراموش کر دے؛ فی الواقع اس کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ اسے اس دنیا میں بھلائی حاصل ہو اور ساتھ ہی وہ آنے والی زندگی میں اس سے بہتر صلہ حاصل کرنے کی فکر رکھتا ہے۔ اس طرح بندہ مومن/مومن بندی اس دنیا کے فائدوں کو جائز طریقے سے، بغیر ظلم اور فریب کے حاصل کرتا/کرتی ہے، اور اس طرح اس کے نیک عمل کا پھل اسے اس دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی:۔۔۔ ’’تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں بھی بدلا دیا اور آخرت میں بھی بہت اچھا بدلا (دے گا) اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے‘‘ [۱۴۸:۳]۔

آخرت کی زندگی کو نظر میں رکھ کر اس دنیا میں اچھے کام کرنے والا بندہ/بندی اپنے کام میں استقلال رکھنے والا ہوتا/ہوتی ہے: وہ اتار چڑھاؤ میں ڈگمگاتا/ڈگمگاتی نہیں ہے، نہ وہ کامیابی کے غرور یا ناکامی کی حسرت میں اپنی توانائیوں کو ضائع کرتا/تی ہے۔ آخرت کے حقیقی نصب العین کو حاصل کرنے کی جستجو اس دنیا کے واقعات کو انسان کی خواہش اور کاوش کے لئے محض ایک امتحان بنا دیتی ہے اور اسے یقین دلاتی ہے کہ اس کا اصل اجر آخرت کی زندگی میں اللہ کے پاس محفوظ ہے، اگر بندہ مومن یا مومن بندی اس دنیا میں اپنا کار خیر جاری رکھے خواہ اسے اپنے مقصد سے منحرف کرنے والے کیسے ہی دباؤ اور ترغیبات کا سامنا کرنا پڑے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تمہیں دلکش معلوم ہوتی ہے اور جو اُس کے دل میں ہے اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں

الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۲۰۹

دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کردے اور اللہ تعالیٰ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کر تو غرور اُس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ اور کوئی شخص ایسا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔ مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر تم روشن احکام پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے۔
(۲:۲۰۴تا۲۰۹)

کسی شخصیت میں استقلال اور ارتباط نفسیاتی اعتبار سے بھی مفید ہوتا ہے اور اخلاقی اعتبار سے بھی یہ ایک اچھی بات ہے۔ متاثر کن باتیں لیکن نفرت انگیز اعمال کسی شخصیت کے بکھراؤ اور غیر مستحکم ہونے کی علامت ہوتے ہیں اور یہ کیفیت ایک ایسی شخصیت کی نشاندہی کرتی ہے جس کے اندر یہ جرائت نہیں ہوتی کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اسے کھل کر بیان بھی کرے نہ اسے اپنے اوپر اتنی قدرت حاصل ہوتی ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وہ عملاً کر کے بھی دکھائے۔ ایسا شخص باتیں تو ہمیشہ اچھی کرتا ہے، بھلائی، نیکی اور مددگاری کی بات کرتا ہے لیکن عملاً زمیں پر فساد پھیلاتا ہے اور فصلوں و جانوروں کو برباد کرتا ہے۔ ایسے لوگ زبان سے تو اللہ سے ڈرنے اور اچھے کام کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال ان چیزوں کی خرابی اور بربادی کا باعث ہوتے ہیں جو اسے منظور نہیں ہوتیں۔ جب انہیں کوئی ایسا آدمی نصیحت کرتا ہے جو ان کے اعمال پر خداترسی کی، اور غلط کاری سے دور ہونے کی گواہی دیتا ہے تو وہ فخر سے پھول جاتے ہیں اور خود کو آخرت کی زندگی میں بھی صلہ کا مستحق سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف، ایسے بھی لوگ ہیں جن کے قول اور عمل میں ہم آہنگی اور استحکام ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا نصب العین اللہ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے، اور اللہ ہر بات کو جانتا اور سنتا ہے اور آدمی کے اعمال کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ ایسا خداترس آدمی خود کو اللہ کی رضا حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے حالانکہ اللہ کو کوئی ایسی چیز مطلوب نہیں جو انسان کی عام استعداد سے پرے ہو، کیوں کہ اللہ مہربان و رحیم ہے اور اپنے بندوں کے حق میں انتہائی کریم ہے۔

اوپر کی آخری دو آیتوں میں، قرآن اہل ایمان کو خود اپنے تئیں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی اسلام کی آغوش امن کو حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے، اور اس تضاد اور پھوٹ سے بچنے کو کہتا ہے جو شیطانی وسوسوں سے پیدا ہونے والی خود غرضی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور شیطان کی چالوں کے مددگار بننے والی انسانی کمزوریوں کے تئیں ہمیشہ حساس رہتے ہیں۔ اس طرح اگر اللہ کی ہدایت اور باخبری کے بعد بھی وہ ٹھوکر کھائیں تو پھر اللہ کی طاقت اور انصاف کا سامنا کریں گے، جب کہ وہ لوگ جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خود کو پوری طرح کھپا دیں، اللہ کی رحمت اور فضل کو پائیں گے۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ

اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور

مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَ يَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶﴾
وَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۟ وَ يُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ
يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيۡدُ
اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ﴿۲۸﴾

تمہیں اگلے لوگوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑو۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

(۲۶:۴ تا ۲۸)

انسان کو جو کچھ بھی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی طاقتیں حاصل ہیں ان کی بنا پر وہ ہمیشہ بالکل صحیح طریقہ منتخب کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اللہ نے لوگوں کی طرف پیغمبروں کے ذریعہ اپنی ہدایت بھیجی جن میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں۔ قرآن ایک کے بعد ایک آنے والے نبیوں کے ذریعے سے اللہ کے پیغام کے جوہر اصلی پر بار بار زور دیتا ہے: یعنی اللہ کی توحید پر ایمان، جو کہ دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اخلاقی قدروں پر عمل کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کی ہدایت دماغ کو روشن کرتی ہے اور صحیح فیصلے لینے میں مدد کرتی ہے اور صحیح راستے پر چلنے کی انسانی خواہش کو مضبوط کرتی ہے، اور عارضی لذت کے لئے صحیح راہ سے ہٹنے کی کسی بھی ترغیب میں مبتلا ہونے سے روکتی ہے۔

ذہن اور اخلاقیات کے لئے اللہ کی رہنمائی ناگزیر ہے کیوں کہ یہ ایک حد قائم کردیتی ہے اور ابہام وشکوک کے میدان میں قدم رکھنے سے انسان کو روک دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی سے بغض یا عداوت نہیں رکھتا۔ اس کی رہنمائی تمام لوگوں کے حق میں اس کی رحمت اور فضل پر مبنی ہے اور اس کے مطلق انصاف کی نمائندگی کرتی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے گمان وخیال اور ہوس کی پیروی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور دوسروں کے لئے اسے فوری طور سے پرکشش بنا کر پیش کرتے ہیں حالانکہ انجام کار کے لحاظ سے وہ خود اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے میلانات کی اتباع کرتے ہیں اور پھر زہد وسختی کی وکالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی مجموعی طور سے ان دونوں انتہاپسند رجحانات میں کسی کی بھی تائید نہیں کرتی بلکہ صرف اسی کی تعلیم دیتی ہے جو انسان کے لئے بہتر ہے، معتدل ہے اور عام آدمی کے بس میں ہے۔

ایک انسان بعض اوقات صحیح طرز عمل سے اس بنا پر بھٹک سکتا ہے کہ وہ طبعاً کمزور اور کوتاہ عمل ہوتا یا ہوتی ہے، لیکن جب اسے اپنی کوتاہی اور غلطی سمجھ میں آتی ہے اور وہ اپنا عمل درست کرلیتا یا کرلیتی ہے اور غلطیوں سے توبہ کرتا یا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے اس کی طرف توجہ کرتا ہے کیوں کہ کسی کے غلطی کرنے اور اس پر نادم ومعذرت خواہ ہونے اور پھر اس معذرت کو قبول کرنے سے پہلے ہی وہ ہر فرد کی طرف اپنی رہنمائی کے ذریعہ متوجہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی انسانی حقائق کے لئے اخلاقی معیار طے کرنے میں بالکل درست نقطہ نظر پیش کرتی ہے: *اللہ تعالیٰ تمھارے بوجھ ہلکے کرنا چاہتا ہے، انسان کو کمزوریوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے،* جیسا کہ قرآن میں مزید کہا گیا ہے کہ ''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، وہ تو باریک بین اور باخبر ہے'' [۱۴:۶۷]۔

لَا خَيۡرَ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰٮهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ
بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۢ بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَ

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں ہاں (اُس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو

مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١١٤

کہے اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔ (۱۱۴:۴)

باتوں کو پوشیدہ رکھنا یا کانا پھوسی کے انداز میں باتیں کرنا عام طور سے بری باتوں اور مشکوک مقاصد کے لئے ہوتا ہے جبکہ کھلے پن سے اعتماد اور بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ البتہ کوئی فرد اگر کسی کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ کرنے میں اس لئے رازداری سے کام لے کہ اگر یہ بات عام ہوگی تو اس کے جذبات مجروح ہوں گے تو یہ ضروری ہے۔ اسی طرح رازداری کی ضرورت نیک نیتی کے ساتھ کئے جانے والے کئی دیگر معاملوں میں بھی ہوتی ہے، جیسے کچھ فریقوں کے درمیان، خواہ وہ افراد ہوں یا گروہ، قومیں اور ملک ہوں، کوئی تصفیہ کرانے کی کوشش ہو رہی ہو اور اس کے قبل از وقت افشا ہو جانے سے تصفیہ کا عمل رک جانے یا متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ کسی جارحیت سے محفوظ رہنے یا رکھنے کے لئے بھی اس سے متعلق مذاکرات اور منصوبہ بندی کو رازداری میں رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ انہیں سبوتاژ ہونے یا ان کے ہلاکت خیز نتائج سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ اس طرح کے تمام نازک معاملوں میں رازداری سے کام لینا اور باتوں کو خفیہ رکھنا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ کھلے پن کا معیاری طریقہ اختیار کرنے سے یہ معاملات مستثنیٰ ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر انسانی زندگی کے حقائق کے لئے اخلاقی معیار طے کر دیا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝٤٨

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تمہیں اختلاف تھا وہ تمہیں بتا دے گا۔ (۴۸:۵)

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں یعنی زمین میں، پہاڑوں اور چٹانوں میں، حیوانوں اور نباتات میں اور خود انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے جو تنوع رکھا ہے، قرآن بار بار اس کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ انسانی تنوع نہ صرف ان کے ظاہری خد و خال میں موجود ہے [۳۰:۲۲، ۴۹:۱۳]، بلکہ انسانوں کی سوجھ بوجھ میں اور ان کی قوت فیصلہ میں بھی رکھا گیا ہے جو اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی فرد، یا متعدد افراد یا گروہ کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح عقائد کے معاملے میں بھی انسانوں میں اختلاف اور تنوع ایک فطری اور متوقع امر ہے۔ اور مختلف قوموں کے لئے اللہ کا پیغام اگرچہ یہی ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے، لیکن مختلف قوموں کے زمان و مکان کے فرق کے لحاظ سے کچھ مخصوص معاملوں میں ان کے لئے فرق کو روا رکھا گیا: ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے''۔ قرآن

اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے، جیسا کہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے، ”تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو پہلے سے آئی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔“ تاہم مسلمان یہ توقع نہیں رکھتے دنیا کے تمام انسان ان کی دعوت کو بالاتفاق قبول کرلیں گے، کیوں کہ ایسا ہونا انسانی فطرت میں تنوع کی حقیقت کے خلاف ہے: اور اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔۱۱۸۔مگر جن پر تمہارا رب رحم کرے اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے رب کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔[۱۱:۱۱۸ تا۱۱۹]

جو لوگ اللہ کے فضل و رحمت سے فیض یاب ہیں وہ اپنی انسانی طبیعت و فطرت کے فرق کو تبدیل نہیں کرتے بلکہ اپنی اپنی فطرت وطبیعت کے اختلاف کو برتنے کے لئے اللہ کی ہدایت کا اتباع کرتے ہیں۔لوگوں کو فطری تنوع کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے تا کہ وہ ان تفرقات سے کام لے کر اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور اس بات کو طے کریں کہ رنگ و نسل وطبیعت اور عقائد و خیالات کے اپنے اختلاف کو وہ کیسے حل کریں، تا کہ ٹکراؤ کے بجائے باہمی تفہیم کے نتیجہ پر پہنچیں۔آیات قرانی[۹:۳۳، ۴۸:۲۸، ۶۱:۹] میں جس حقیقت کو بار بار دہرایا گیا ہے، اس کے باوجود ان آیات کا مطلب لازمی طور سے یہ نہیں ہے کہ تمام کے تمام انسان مسلمان ہو جائیں گے، کیوں کہ جغرافیائی، نفسیاتی اور ثقافتی روکاوٹیں پوری طرح معدوم کبھی نہیں ہوں گی۔چنانچہ انسانی فطرت کا تنوع باقی رہے گا۔یہ آیات جس بات کو اجاگر کرتی ہیں وہ یہ کہ ایک اللہ کی عبادت ہی حق ہے، یہ بات آخر کار اکثر لوگ تسلیم کرلیں گے لیکن وہ مختلف اسباب سے اسے قبول کرنے کے لئے نفسیاتی طور سے راضی نہیں ہوں گے۔جب تک ہر انسان اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کے لئے آزاد رہے گا تب تک انسانوں کے درمیان اختلاقات چلتے رہیں گے اور ان کے نفسیاتی اور عقلی رویوں میں تنوع بنا رہے گا۔مسلمانوں کو جبراً عقیدے کی یکسانیت تھوپنے کی کسی بھی کوشش سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ ”عقیدے کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے“[۲:۲۵۶] اور اللہ تعالیٰ کسی ایسے انسان کے اقرار بندگی کو قبول نہیں کرتا جسے اس کی مرضی کے خلاف اس عقیدے کے اظہار کے لئے مجبور کیا جائے۔چنانچہ، انسان کے تمام نظریاتی معاملوں میں تکثیریت فطری ہے اور اس دنیا میں اللہ کی سنت ہے۔مسلمانوں کے لئے یہ بات سمجھنے کی ہے اور یہ فیصلہ کہ ”اس انسانی تنوع میں کون صحیح ہے اور کون غلط، اس علیم وخبیر ہستی کے اوپر چھوڑ دینا ہے جو ہر فرد کے حال سے باخبر ہے۔اس کے بجائے اس دنیا میں اچھے کام کرنے کے لئے لوگوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہئے، ایک دوسرے کی کمیوں کو پورا کرنا چاہئے اور ایک دوسرے سے مسابقت کرنی چاہئے: ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے“۔

وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ
ذُرِّيَّتَهُمۡ وَ اَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ‌ ۚ اَلَسۡتُ
بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ شَهِدۡنَا ‌ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ
الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۷۲﴾ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ
اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ ۚ

اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی اُن سے پوچھ لیا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی

افتهلكنا بما فعل المبطلون ﴿۱۷۳﴾ و كذلك نفصل الايت و لعلهم يرجعون ﴿۱۷۴﴾

اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہلِ باطل کرتے رہے اُس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں۔
(۷:۱۷۲ تا ۱۷۴)

یہاں ایک بہت ہی اہم بات کہی گئی ہے جسے ''روحانی قطب نما'' کہا جا سکتا ہے جو تمام نسلوں کے ہر ایک انسان کے اندر موجود ہے۔ یہ قطب نما کہاں ہے اور یہ کس طرح کام کرتا ہے؟ کیا یہ دماغ میں ہے؟ کیا وہ دل جسے متعدد قرآنی آیات میں روحانی احساسات کا مرکز کہا گیا ہے، کوئی علامتی اور تمثیلی چیز ہے یا ان آیات کا کوئی ٹھوس مطلب ہے؟ [جیسے ۲:۷، ۱۰، ۹۷:۲۲۵؛ ۳:۱۵۴؛ ۶:۱۱۰، ۱۱۳؛ ۷:۱۰۰، ۱۷۹؛ ۹:۴۵، ۶۴، ۷۷، ۸۷، ۱۱۰، ۱۲۵، ۱۲۷؛ ۱۳:۲۸؛ ۱۴:۴۳؛ ۱۶:۲۲، ۷۸، ۱۰۶، ۱۰۸؛ ۱۷:۳۶، ۴۶؛ ۱۸:۲۸، ۵۷؛ ۲۲:۴۶، ۵۳، ۵۴؛ ۲۳:۷۸؛ ۲۶:۸۹؛ ۴۰:۳۵؛ ۴۱:۵؛ ۴۲:۲۴؛ ۴۵:۲۳؛ ۴۶:۲۶؛ ۴۷:۱۶، ۲۰، ۲۴، ۲۹؛ ۴۸:۱۸، ۲۶؛ ۴۹:۳؛ ۵۰:۳۳، ۳۷؛ ۵۳:۱۱؛ ۵۷:۱۶؛ ۵۸:۲۲؛ ۵۹:۱۴؛ ۶۱:۵؛ ۶۴:۱۱؛ ۶۷:۲۳؛ ۸۳:۱۴] اس کا کوئی متعین جواب نہیں دیا جا سکتا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ کہ ہمارے اندر ایک روحانی داعیہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ انسانی زندگی کے ان قدیم ترین آثار میں بھی جو باقی بچے ہیں اور جنہیں تلاش کیا جا سکتا ہے یہ چیز پائی گئی ہے۔ انسانی وجود کا جو روحانی جز ہے اس کے لئے قرآن الٰہی سرچشمہ کا حوالہ دیتا ہے: جب اس کو (صورتِ انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ [۱۵:۲۹، ۳۸:۷۲]

چنانچہ انسان کی روحانیت انسان کے ظاہری وجود کے ساتھ پیوستہ اور اس سے ہم آہنگ ایک داعیہ ہونے کے ناطے، انسان کی عقلی اور نفسیاتی استعداد کو بروئے کار آنے میں غالباً معاون بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغامات انسان کے اس جبلی روحانی جز کو مکمل کرنے کے لئے آئے۔ اب یہ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے روحانی قطب نما کی کارکردگی کو درست رکھے اور جس طرح اپنی جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کو بڑھاتا ہے اسی طرح اپنی روحانیت کو بھی مستقلاً ترقی دیتے ہوئے بلندی کی طرف لے جائے۔ چوں کہ اللہ نے انسان کو مجموعی طور پر باہم مربوط وجود بخشا ہے اور اس وجود کے مختلف اجزاء ایک دوسرے سے الگ اور متضاد نہیں ہیں، اس لئے اللہ کی رہنمائی انسان کو جامع طور پر متوازن طریقے سے ترقی دینے کے خاکہ کے تحت اس کی روحانی ترقی سے بھی تعارض کرتی ہے۔

ساء مثلا القوم الذين كذبوا بايتنا و انفسهم كانوا يظلمون ﴿۱۷۷﴾ من يهد الله فهو المهتدي و من يضلل فاولئك هم الخسرون ﴿۱۷۸﴾ و لقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن و الانس لهم قلوب لا يفقهون بها و لهم اعين لا يبصرون بها و لهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغفلون ﴿۱۷۹﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بُری ہے اور انہوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں، اُن کے دل ہیں لیکن اُن سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۷:۱۷۷ تا ۱۷۹)

جو انسان بغیر سوچے سمجھے آنکھ بند کر کے دوسروں کے پیچھے چلتا/ چلتی ہے وہ خود اپنے وجود کے ساتھ ناانصافی کرتا/ کرتی ہے، کیوں کہ وہ اپنے حواس اور اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتا /تی ہے اور ان کی ضرورت کو نظر انداز کرتا/تی ہے۔ دوسرے تمام انسانوں کی طرح اس کے پاس بھی آنکھیں، کان، دماغ اور دل ہوتا ہے لیکن اس کو ملی یہ ساری نعمتیں اس کے لئے بے کار ہوتی ہیں کیوں کہ وہ ان کا استعمال ہی نہیں کرتا/ کرتی۔ اگر انسان اور حیوان کے بیچ وجہ امتیاز یہی ہے کہ انسان کے پاس عقل اور روحانیت ہے تو ان عظیم طاقتوں کو قصداً معطل کر کے رکھنے سے انسان حیوانوں سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ
حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ
رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ
فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾
اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا تا کہ اُس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اُس کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کیساتھ چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے) تو دونوں (میاں بیوی) اپنے رب سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ جب وہ اُن کو صحیح وسالم (بچہ) دیتا ہے تو اُس (بچے) میں جو وہ اُن کو دیتا ہے اُس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ جو وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کا رتبہ) اُس سے بلند ہے۔ کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔

(۷:۱۸۹ تا ۱۹۲)

مرد اور عورتیں، جو کہ ایک ہی زندہ وجود سے پیدا ہوئے ہیں، ایک دوسرے کے تئیں طبعی اور نفسیاتی کشش رکھتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ راحت محسوس کرتے ہیں۔ اس جنسی کشش کے ذریعہ سے ایک خاندان تشکیل پاتا ہے۔ پھر یہ جوڑا بچے پیدا کرتا ہے اور ان کی جنسی مسرتیں والدین بننے کی نفسیاتی ضرورت پورا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ یہ پیداواری عمل اپنے تمام طبعی اور جذباتی پہلوؤں کے لحاظ سے ان لوگوں کے لئے ایک روزمرہ کا عجوبہ (معجزہ) ہیں جو اس پر غور کرتے ہیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ صحت منداور چست درست پیدا ہو، اس کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی آرزوئیں پوری ہوں ، اور وہ عہد کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی اس مہربانی پر اس کے شکر گزار اور احسان مند ہوں گے۔ لیکن جب اللہ ان کی دعائیں سن لیتا ہے اور انہیں اولاد سے نوازتا ہے تو والدین اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ بھول جاتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرنے کا خیال نہیں کرتے۔ وہ یا تو خود کو بچہ پیدا کرنے والا مان لیتے ہیں یا ان لوگوں کو جنھوں نے دوران حمل ماں کی دیکھ بھال کی ہوتی ہے اور ولادت کے وقت مددگار بنتے ہیں۔ لوگ کسی متوفی بزرگ کے یا کسی زندہ مقدس ہستی کے بارے میں بھی یہ گمان کر لیتے ہیں کہ اس کی دعا سے یا اس کے کہنے سے اللہ نے انہیں بچہ سے نوازا ہے اور پھر وہ اسی کی شکر گزاری کرنے لگتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیتوں میں جو چیز خاص طور سے اجاگر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت کے

وقت تو بندہ/ بندی اللہ سے وعدے کرتا/تی ہے، اور جب ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو وہ بندہ یا بندی اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو بھول جاتا/جاتی ہے۔ قرآن بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے بندے/ بندی کو اپنی انفرادی ذمہ داریوں کے بارے میں دوسروں سے زیادہ محتاط ہونا چاہئے اور اللہ سے یا اپنے جیسے انسانوں سے کئے ہوئے وعدوں کو ہمیشہ پورا کرنا چاہئے چاہے حالات موافق ہوں یا نا موافق [۲:۴۰، ۱۷۷؛ ۳:۷۶؛ ۶:۱۵۲؛ ۱۳:۲۰؛ ۱۶:۹۱؛ ۱۷:۳۴؛ ۲۳:۸؛ ۳۳:۲۳؛ ۷۰:۳۲]

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۟ۙ﴿٧﴾
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ
النَّعِيْمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ
فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۟ع﴿١٠﴾ وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ
اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ
الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ وَ
اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ
قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ
اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا
ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا
لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ
جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اُسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں اُن کا ٹھکانہ اُن (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے, (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن کو اللہ تعالی اُن کے ایمان کی وجہ سے (ایسے محلوں کی) راہ دکھائے گا (کہ) اُن کے نیچے نعمت کے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ (جب وہ) اُن میں (اُن کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے سبحان اللہ! اور آپس میں اُن کی دعا السلام علیکم ہوگی اور اُن کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی حمد (اور اُس کا شکر) ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کی بُرائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلبِ خیر میں جلدی کرتے ہیں تو اُن کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی، سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں انہیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دُور کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو اُن کے اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں۔ اور تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم اختیار کیا ہلاک کر چکے ہیں اور اُن کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے، ہم گنہگاروں کو اسی طرح بدلا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ (۱۰:۷ تا ۱۴)

دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اس زندگی کی مسرتوں میں پوری طرح مگن ہیں اور ان کے آگے کچھ نہیں دیکھتے۔ ایسے لوگ وقتی طور پر تو مطمئن رہ سکتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت سے بے پرواہ ہیں کہ یہ زندگی کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے، بغیر اس کے کہ کسی فرد کی تمام

خواہشیں پوری ہوں، اور بعض اوقات خواہشات کی یہ تکمیل دوسروں کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ناعاقبت اندیش لوگ محض اپنے لئے خوشحالی اور مسرت کی فکر میں رہتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ یہ راحتیں اور مسرتیں انہیں برحق طریقے سے حاصل ہورہی ہیں یا دوسروں کے حقوق پامال کرکے۔ اگر یہ زندگی اور اس کی مسرتیں ایک دن ختم ہوجانی ہیں، تو ہر وہ طریقہ جس سے یہ حاصل ہوں اسی صورت میں قابل قبول ہوسکتا ہے کہ آدمی قانون شکنی کے نتائج سے بچ نکلے۔ لیکن یہ کم نظر لوگ یقینی طور سے موت کا سامنا کریں گے اور اس وقت اس بات کو سمجھنے میں بہت دیر ہوچکی ہوگی کہ یہ زندگی اور اس کے عیش تو بہت مختصر تھے، اور آنے والی لافانی زندگی میں، جس کو انھوں نے پوری طرح بھلا رکھا تھا، وہ محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو خواہ وہ اچھے عمل کرنے والا ہو یا برے، اس بات کا موقع دیتا ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے، سوچے اور غور کرے اور اپنی اندر جو کمی پائے اسے دور کرے۔ جو لوگ اس زندگی میں گزرتے وقت پر کوئی توجہ نہیں کرتے اور اللہ کے قوانین پر دھیان نہیں دیتے وہ اس لاپرواہی کا اس وقت خمیازہ بھگتیں گے جب انہیں ناگزیر طور سے موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مذکورہ بالا آیات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ انسان کتنا کم نظر اور جلد باز ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں اور اس کے پیغامات کے فطری منظر نامہ کو نہیں دیکھتا۔ تاہم اللہ تعالیٰ اپنی حکمت، رحم اور فضل سے ایسے لوگوں کو توبہ اور اصلاح کا ایک موقع دیتا ہے، اور ان کے گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ انسان کی کوتاہ نظری اور غیر مستقل مزاجی ایک ایسے شخص کے معاملے میں بھی دیکھی جاسکتی ہے جو مشکل کے وقت تو اللہ سے بہت قریب ہوتا ہے، لیکن سہولت اور آسانی کے اوقات میں اسے بھول کر بہت دور نکل جاتا ہے۔

یہ حیرت کی بات ہے کہ کچھ لوگ آخر اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ اس زندگی کی خوشیاں آخرکار ختم ہوجائیں گی، جس طرح پچھلے لوگ دنیا سے آکر جاچکے۔ برائی کے خوگر لوگ اس زندگی میں بھی کسی نہ کسی انداز میں اپنی برائی کا انجام بھگت چکے، اور ان کے گناہوں وجرائم کی سخت سزا آنے والی زندگی میں انہیں آنے والی زندگی میں ملنے والی ہے۔ موجودہ پیڑھی کو ان لوگوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہر فرد اور ہر سماج کو اس دنیا میں کسی نہ کسی مقررہ طریقے سے آزمایا جاتا ہے۔ بعد والوں کی زندگی بھی اپنے متعین وقت پر ختم ہوجائے گی جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو ختم ہوچکی۔ لہٰذا ہوش مندی کی بات یہ ہے کہ آزمائش کے اس عرصہ کو کامیابی کے ساتھ گزارنے اور کامیابی کے لازوال انعامات حاصل کرنے کی تمنا اور کوشش کی جائے۔

هُوَ الَّذِىۡ يُسَيِّرُكُمۡ فِى الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِى الۡفُلۡكِ‌ۚ وَ جَرَيۡنَ بِهِمۡ بِرِيۡحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِيۡحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِيۡطَ بِهِمۡ‌ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ لَـئِنۡ اَنۡجَيۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰٮهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ‌ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ‌ۙ مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ثُمَّ

وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے اُن پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو) لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی عبادت کرکے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں۔ لیکن جب وہ اُن کو نجات دے دیتا تو ہے ملک میں

اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝٢٣
اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَ
الۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَ
ازَّيَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ
اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ
بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝٢٤
وَ اللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝٢٥

ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔لوگو! تمہاری شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہوگا، تم دنیا کی زندگی کے فائدے اٹھالو پھر تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے کہ ہم نے اُس کو آسمان سے برسایا پھر اُس کے ساتھ سبزہ اگا یا جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اُس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گو یا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔جو لوگ غور کرنے والے ہیں اُن کے لئے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

(۱۰:۲۲ تا ۲۵)

انسان ایک آفاقی مخلوق ہے، اور اس کائنات میں اس کی جلت پھرت اس کی ایک عظیم خوبی ہے۔اللہ نے انسان کو کائنات میں کارفرما قوانین الٰہی سے فیض یاب ہونے اور بحر و بر میں، نیز ہوا اور خلا میں تصرف کرنے کی اہل بنایا ہے [۴۵:۱۲ تا ۱۳]۔بحر و بر اور ہوا و خلا کے یہ سفر حالانکہ آسان نہیں ہوتے، اور ان کے مسافروں کو دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے۔جب کسی صحرا میں، فضا میں یا سمندر میں مسافر آندھی اور طوفانوں سے گھر جاتے ہیں تو خود کو بچانے کے لئے فطری طور پر اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ پکارتے ہیں، اور یہ دہائی دیتے ہیں کہ اگر وہ اس مصیبت سے بچ نکلے تو زندگی پھر رب کے شکر گزار رہیں گے اور تنہا اسی کی عبادت کریں گے اور اس کی ہدایت کا اتباع کریں گے۔لیکن جب وہ محفوظ ہو جاتے ہیں تو اپنا عہد توڑ دیتے ہیں، جارحیت پر اتر آتے ہیں اور زمین پر تباہی مچاتے ہیں اور دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہیں۔اس عہد شکنی اور ظلم و زیادتی پر وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کی یہ بدکاریاں خود ان کے اپنے لئے نقصان دہ ہیں اور اس دنیا میں وہ اس کے تکلیف دہ نتائج جھیلیں گے، اور جب یہ مختصری زندگی اور اس کے عیش و آرام ختم ہو جائیں گے اور ابدی زندگی شروع ہوگی تو وہ انتہائی بھیانک اذیتوں سے دوچار ہوں گے۔

اس زندگی پر یہ فریفتگی اور اس سے پیدا ہونے والی خود غرضی، جارحیت اور کم نگاہی سے نہ صرف افراد میں بلکہ سماجوں میں بھی تکبر اور گھمنڈ پیدا ہوتا ہے۔وہ زمین پر اپنے تصرف اور مختلف قسم کی خوبصورتیوں سے آراستہ اس زمین کی زیب و زینت، اور اپنی خوشحالیوں کو دیکھ کر لوگ اس فریب میں آسکتے ہیں کہ انہیں ہر چیز پر اختیار حاصل ہو گیا ہے۔وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ اس وسیع وعریض کائنات میں کارفرما الٰہی قوانین کے تحت ہی کام کر رہے ہیں، جہاں انہیں بہت ہی حقیر سا موقع ملا ہوا ہے اور اس کے بارے میں ان کا علم بہت ہی کم ہے۔یہ تنگ نظری اور تنگ ذہنی پر مبنی یہ تکبر سماجوں اور تہذیبوں کو خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی پر ڈال دیتا ہے، پھر وہ تو خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں یا کوئی اور طاقت انہیں ہٹا یا مٹا کر ان کی جگہ لے لیتی ہے۔یہ دنیا اپنی تمام رنگینیوں اور خوبصورتیوں کے

باوجود بالآخر فنا ہوجائے گی اور پھر ایک نئی دنیا آباد ہوگی جہاں ابدی انصاف اور کبھی ختم نہ ہونے والا سکون ہوگا۔ حقیقی شادمانیوں والی اس دنیا کو قرآن میں امن کا گہوارہ کہا گیا ہے [۶:۱۲۷]۔ اس دنیا کے مسرور باشندے چوں کہ امن میں ہوں گے، دوسروں کے ساتھ بھی پر امن ہوں گے اور ہر جگہ امن میں ہی ہوں گے [۶:۵۴؛ ۷:۴۶؛ ۱۰:۱۰؛ ۱۳:۲۴؛ ۱۴:۲۳؛ ۱۵:۴۶؛ ۱۶:۳۲؛ ۱۹:۶۲؛ ۲۵:۷۵؛ ۳۳:۴۴؛ ۳۶:۵۸؛ ۳۹:۷۳؛ ۵۰:۳۴؛ ۵۶:۲۶،۹۱]۔ آنے والی زندگی میں امن کے اس مقام کو پانے کا راستہ اللہ کی رہنمائی کا اتباع کرنا ہے اور خود اپنے لئے بھی اور دوسروں کے سلسلے میں بھی صراط مستقیم پر چلنا ہے، یہ ایک ایسا راستہ ہے جسے قرآن راہ امن کہتا ہے:
''۔۔۔تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔ [۵:۱۵ تا ۱۶]

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں ازراہِ ظلم تباہ کر دے۔ اور اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جن پر تمہارا رب رحم کرے۔ اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے رب کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (اے محمد ﷺ!) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں اُن سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں اور ان (قصوں) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور (یہ) مومنوں کے لئے نصیحت اور عبرت ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ ہم (اپنی جگہ) عمل کئے جاتے ہیں اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے اور تمام امور کا رجوع اُسی کی طرف ہے تو اُسی کی عبادت کرو اور اُسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا رب اس سے بے خبر نہیں ہے۔ (۱۱:۱۱۷ تا ۱۲۳)

درج بالا آیات بہت ہی اہم دینی اور سماج اصول بیان کرتی ہیں۔ بدکار لوگ، انجام کار کے لحاظ سے، خود اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں۔ اپنی کوتاہ نظری اور انا پرستی کی وجہ سے وہ خود اپنے مفادات کو نقصان پہنچاتے ہیں حالانکہ انہیں دوسروں کے ساتھ مل کر باہمی فائدے کے لئے دوسروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ جن لوگوں کو اس دنیا میں اللہ کی طرف سے براہ راست سزا دی جا چکی ہو (مثلاً قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب، قوم لوط وغیرہ) انہیں صرف اللہ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے سزا نہیں دی گئی بلکہ ان کی بدکاریوں کی وجہ سے سزا دی گئی، جیسا کہ قرآن کریم کے ایک ممتاز مفسر الرازی نے مذکورہ بالا آیت (۱۱:۱۱۷) کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ظلم اور بدکاریوں کے

علاوہ انھوں نے اپنے نبیوں کی بھی نا قدری اور توہین کی اور انہیں ڈرایا، دھمکایا اور اپنی بستیوں سے انہیں نکال دینے یا قتل کر دینے کے درپے ہوئے اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستایا[۷:۶۰، ۶۶، ۷۰، ۷۴، ۷۷، ۸۰ تا ۸۲، ۸۵ تا ۸۸، ۱۲۷؛ ۱۱:۲۷، ۳۲، ۳۸، ۵۳ تا ۵۴، ۵۹، ۸۷، ۸۴ تا ۸۷، ۹۱؛ ۱۹:۴۶؛ ۲۱:۶۸ تا ۷۰؛ ۲۶:۳۰، ۱۵۱ تا ۱۵۴، ۱۸۱ تا ۱۸۷؛ ۲۸:۴؛ ۴۴:۲۰ تا ۲۱]۔ مسلم فقہا کا کہنا ہے کہ اللہ کے تئیں انسان پر عائد ذمہ داریوں کا فیصلہ عفو درگزر اور رحم کے ساتھ ہوگا، لیکن انسان کے باہمی معاملات میں ایک دوسرے کے حقوق کا تصفیہ بہت باریک بینی کے ساتھ اور سخت فیصلہ کن انداز میں ہوگا۔

آگے کی آیات ایک لازمی حقیقت کو اجاگر کرتی ہیں جس کے سنگین اثرات مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر بھی اور اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات پر مرتب ہوتے ہیں خود ان کے ملکوں میں بھی اور پوری دنیا میں بھی۔ چوں کہ ہر انسان اپنی مرضی اور پسند میں آزاد ہے، اس لئے عقلی فیصلوں اور اخلاقی رویوں میں فرق ہونا ناگزیر ہے۔ اللہ پر ایمان اور اس کی ہدایت کا اتباع کرنے سے انسانوں کے مابین فرق ختم نہیں ہوتا یا اہل ایمان کوئی مشین یا فرشتہ نہیں بن جاتے۔ اہل ایمان اپنی انسانی فطرت پر قائم رہتے ہیں اور ان کے باہمی فرق بھی اور دوسروں کے ساتھ اختلافات بھی باقی رہتے ہیں۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ انسانوں کے درمیان فرق و اختلاف باقی رہے، تا کہ انہیں آزمایا جا سکے کہ ان اختلافات کے باوجود وہ ایک دوسرے کے ساتھ کتنی ایمانداری اور اچھے سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اہل ایمان اپنے عقیدے اور اللہ کی ہدایت کی اتباع کرتے ہوئے یہ سیکھنے کا موقع رکھتے ہیں کہ مشترک عقائد، قدروں اور اصولوں پر راضی ہونے کے بعد وہ اپنے باہمی اختلافات کو ممکن حد تک کیسے کم کر سکتے ہیں، اور اپنے فرق و اختلافات پر ایک تعمیری انداز سے [۴:۵۹] اور اخلاقی طریقہ سے [۱۶:۱۲۵؛ ۴۹:۵ تا ۱۳] سے گفتگو کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ کسی فیصلہ تک پہنچ جائیں۔ اسی طرح، انسانی سوچ کے کسی بھی میدان میں، بشمول ہدایت الٰہی کے فہم اور اس کے انطباق میں، ایک سے زیادہ طریقے مسلمانوں کے لئے ایک لازمی اصول ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو وہ تمام انسانوں کو ایک ہی انداز سے سوچنے والا اور یکساں رویہ رکھنے والا بنا دیتا تا کہ ہر ایک اچھا عمل کرنے والا ہوتا اور انعام کا حق دار بنتا، لیکن اس کے بجائے اس نے یہ چاہا کہ انسان اپنی مرضی اور انتخاب میں آزاد ہوں، اور اپنے فیصلے اور سلوک میں مختلف ہوں۔ اس کے نتیجے میں اچھا عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں گی، اور برا عمل کرنے والے، خواہ وہ انسان ہوں یا نظر نہ آنے والے جن ہوں، سزا کے حق دار ہوں گے۔

آخر میں یہ آیات اس پر زور دیتی ہیں کہ تاریخی واقعات کو حال سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہیئے، کیوں کہ پوری انسانی تاریخ میں انسانی ترقی کے مرحلوں اور اعمال کو جوڑنے والے تار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہی تار ہے جو انسانی ترقیات میں کارفرما قانون الٰہی کو اجاگر کرتا ہے۔ بدکاری افراد، سماجوں اور تہذیبوں کے لئے ہمیشہ تباہ کن رہی ہے۔ جو ایمان لے آئے ہیں انہیں تاریخ سے یہ سبق لینا چاہیئے اور ان لوگوں کو متنبہ کرنا چاہیئے جو ایمان نہیں لاتے کہ سچائی اور نیکی ہی باقی رہے گی۔ انہیں اپنے اوپر پورا اعتماد رکھنا چاہیئے اور اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے، کہ وہی ہے جس پر بھروسہ کیا جانا چاہیئے اور جس کی طرف سارے معاملات پلٹنا ہیں۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳	اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۲:۵۳)

اس آیت میں، اس معاملہ کے سلسلہ میں جو حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر (جو حکمران مصر کے یہاں ایک اعلیٰ منصب دار تھا) کی بیوی کے درمیان پیش آیا تھا، عزیز مصر کی بیوی کے آخری الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کی مختلف آیتوں میں انسانی نفس کے تین داعیوں کا بیان ہوا ہے۔ ایک اکسانے والا نفس، جس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا ہے، دوسرا نفس لوامہ (۲:۷۵]، اور تیسرا نفس مطمئنہ (۸۹:۲۷)۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، نفس انسانی کے حوالے سے یہ تین طرح کی قرآنی تقسیم ایک اور قسم کی سہ طرفہ تقسیم کی طرف ذہن کو متوجہ کرتی ہے، جسے تحلیل نفس کی تھیوری میں الگ الگ نام دئے گئے ہیں: 'آئی ڈی' جو تحت الشعور میں ہوتی ہے اور جبلی ضرورتوں سے پیدا ہونے والی قوت نفس کا منبع ہوتی ہے؛ ''سپرا یگو'' جو جزوی طور سے شعور کا حصہ ہوتی ہے اور انسانی نفس میں پیوست آبائی طور سے اور سماجی ضابطوں سے بننے والے ضمیر کی نمائندگی کرتی ہے اور اخلاقی قدروں کے نظام کی مطابق انسان کے اعمال کی توصیف یا تنکیر کرتی ہے یعنی مطمئن کرتی ہے یا احساس جرم کے کچوکے لگاتی ہے؛ اور ''ایگو'' جو انسان اور اس کے اطراف موجود حقیقت کے درمیان ایک محتاط ثالث کا رول ادا کرتی ہے اور خاص طور سے حقیقت کو سمجھنے اور اسے اپنانے میں اپنا رول ادا کرتی ہے۔ یہ دونوں سہ رخی داعیے اس بات کو سمجھنے کے لئے اہل فن کے درمیان زیر بحث آسکتے ہیں کہ ان میں کہاں یکسانیت ہے اور کہاں فرق ہے، لیکن اس بحث کا ہماری گفتگو سے فی الحال تعلق نہیں۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ
هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝١٠ لَهٗ
مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ
مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ
لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝١١

کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اللہ کے نزدیک) برابر ہے۔ اُس کے آگے اور پیچھے (اللہ کے) چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ اُس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کیساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ رد نہیں ہوتا اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ (۱۳:۱۰ تا ۱۱)

ان آیات میں یہ جتایا گیا ہے کہ اللہ علیم خبیر ہر کہی یا کی گئی بات کو جانتا ہے، چاہے وہ رات کے اندھیرے میں کہی یا کری جائے یا دن کے اجالے میں۔ انسان کے آگے اور پیچھے جو نگہبان اس کی حفاظت کے لئے لگے ہوئے ہیں وہ فرشتے بھی ہوسکتے ہیں یا اللہ کے بنائے ہوئے فطری قوانین بھی۔ لیکن ایک دوسرا خیال، جیسا کہ الرازی نے اپنی تفسیر میں ظاہر کیا ہے، یہ ہے کہ ان نگہبانوں سے مراد وہ انتظامات ہیں جو انسان اپنی حفاظت کے لئے خود کرتا ہے، اللہ ہی کے حکم سے۔ لیکن یہ ایک انسانی اختراع ہے جس کی تردید آیت کے دوسرے حصے سے ہوجاتی ہے: ''جب اللہ کسی گروہ کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے اس ارادے کو کوئی پھیرنے والا نہیں''۔ بہر حال، یہ آیت سماجی تبدیلی کے ایک لازمی ضابطہ کو بیان کرتی ہے: اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات تبھی بدلتا ہے جب وہ خود اپنے اندر بدلاؤ لاتے ہیں، چاہے یہ بدلاؤ بہتری کے لئے ہو یا بدتری کے لئے۔ انسانی شخصیت کی طرح انسانی تبدیلی بھی کثیر جہتی ہوتی ہے، چنانچہ اللہ الہ واحد کے آگے خود کو پیش کردینے کے تصوراتی، نفسیاتی، اخلاقی اور عملی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ اور حیات اخروی پر حقیقی ایمان کا مطلب ایک جامع تبدیلی ہے، ایسی تبدیلی جو تنگ نظری پر مبنی خود پسندانہ طرز فکر سے نکال کر انسان کو ایک وسیع، انسانی اور آفاقی طرز فکر و عمل کی طرف لے

جاتی ہے۔لیکن یہ تمام نتائج اسباب وعلل کے فطری قوانین سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور اللہ پر ایمان لانے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی خاص رعایت نہیں ہوتے۔ ہر فرد اور گروہ کو اپنے اندر تبدیلی کی خواہش رکھنی چاہئے، اور پھر اس خواہش کو مستقل اور متواتر اعمال میں ڈھالنا چاہئے، کیوں کہ محض خواہش اور خالی خولی دعووں سے کبھی کامیابی نہیں ملتی: ''اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے۔۔۔'' [۴:۴۷]

مومن کے اندرون کو بدلنے کے لئے، انسانی نفس کے منفی اور مثبت داعیوں کو اس دعا میں اجاگر کیا گیا ہے جو مومن کو خود اس کے رب کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔اس دعا میں مومن بندہ/ بندی اللہ سے اپنے اندر مضبوطی پیدا کرنے اور کمزوریوں سے بچنے کے لئے اللہ سے رہنمائی اور مدد طلب کرتا/کرتی ہے۔ یہ عجز اور دعا مومن کو بیدار رکھتی ہے اور اپنے مستقل ارتقاء کے لئے تحریک دیتی رہتی ہے۔دوسرے وہ کمزور پہلو جن سے بچنے کے لئے مومن بندے/بندی کو یاددہانی کرائی جاتی ہے، وہ ہمیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اس دعا میں ملتے ہیں: ''اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا/ چاہتی ہوں رنج و غم سے، اور میں تیری پناہ چاہتا/ چاہتی ہوں عاجزی اور سستی سے اور میں تیری پناہ چاہتا/ چاہتی ہوں کنجوسی سے اور بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا/ چاہتی ہوں قرض کی آزمائش سے اور لوگوں کے قہر سے''۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد بہ روایت ابن حنبل)

اس کے بالمقابل ایک دوسری دعا میں مومن کو قوی بنانے والے عنصر کا ذکر ہے جس کی طلب اور دعا اسے کرتے رہنا چاہئے: اللھم انی اسئلك العفو والعافیة فی الدنیا و فی الآخرۃ (اے اللہ میں آپ سے دنیا اور آخرت میں بخشش اور عافیت چاہتا ہوں)، [ابن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ]۔ یہ دعا ہمیں قرآن میں مذکور ایک اور دعا کی یاددہانی کراتی ہے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً [۲:۲۰۱]، اور اس طرح دنیا اور آخرت کے درمیان، جو کہ فی الواقع انسانی زندگی کے دو مرحلے ہیں، کسی بھی قسم کے تضاد کا خیال ہمارے دل سے نکل جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک ارتباط اور باہمی تعلق کا احساس جاگزیں ہوتا ہے۔

ان دعاؤں کے واسطے سے مومن کو یہ یاددہانی کرائی جاتی ہے اور اسے آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ کن چیزوں کو حاصل کرے اور کن چیزوں سے بچے۔کوئی فرد اس وقت تک اپنی دعاؤں کا جواب نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندرون کو درست کرنے پر توجہ نہ دے، اور ہدف کو حاصل کرنے کے لئے مستقلاً کوشاں نہ رہے۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۠﴿۳۴﴾

اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تمہیں عنایت کیا اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کرسکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ (۱۴:۳۴)

قرآن کی کئی آیتوں میں انسان کو اس کی خاص کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔انسان کی کمزوریوں کا یہ بیان اسے رسوا کرنے کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ ہی انسان کو پیدائشی طور پر گنہگار بتانے کے لئے کیا گیا ہے (کیوں کہ آدم و حوا علیھما السلام کی خطا اللہ تعالیٰ نے معاف کردی تھی)، بلکہ انسان کو متنبہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ ان کمزوریوں پر قابو پانے کی کوشش کرے۔مذکورہ بالا آیت میں انسان کی ناانصافی اور ناشکری کی کمزوری کو اجاگر کیا گیا ہے، خاص طور سے خالق کے احسانات کی ناشکرگزاری جس نے تمام انسان کو ایسی بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے جو انسان کے اپنے لئے بھی اور زمین پر انسانی زندگی کے لئے بھی لازمی ہیں۔دوسری آیتوں میں انسان کو ایک

طرف فوراً ہی مایوس ہوجانے والا اور دوسری طرف ناشکرا بتایا گیا ہے: ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں پھر اس سے اس کو چھین لیں تو ناامید (اور) ناشکرا (ہوجاتا) ہے [۱۱:۹] اسے جھگڑالو۔ [۱۶:۴ اور ۳۶:۱۱]، جلد باز [۱۷:۱۱] اور تنگ دل [۱۷:۱۰۰] بھی بتایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس دنیا میں انسان کے اوپر اللہ کی نعمتوں اور فضل کا دروازہ بند نہیں ہوتا خواہ انسان کا رویہ کچھ بھی ہو [۱۷:۲۰]۔ تمام انسانوں پر اللہ کا ایک اہم احسان یہ ہے کہ وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کو قائم رکھتا ہے اور انسانی دنیا کو چلائے رکھتا ہے۔ اللہ نے مرد اور عورت کے درمیان اور اولاد و والدین کے درمیان جو جبلی میلانات رکھے ہیں ان کی تکمیل شادی اور خاندان کے ادارہ سے ہوتی ہے۔ ازواج اور اولاد واقعتاً آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور سماج کے لئے ایک اکائی قائم کرتے ہیں [۲۵:۷۴]۔ ایسا کوئی آسودہ و مطمئن خاندان اگر اللہ کے فضل سے زندگی کی بہترین چیزوں سے متمتع ہو [۱۷:۷۰]، تو ایک سمجھدار انسان کو چاہئے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرے جو ان نعمتوں کا خالق اور ان سے نوازنے والا ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جو ان نعمتوں پر توجہ نہیں کرتے اور ناشکری کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡــًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصٰرَ وَ الۡاَفۡـِٕدَةَ ‌ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۷۸

اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل (اور ان کے علاوہ اور) اعضاء بخشے تاکہ تم شکر کرو۔ (۱۶:۷۸)

کسی نوزائدہ بچے میں جو حواس اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے ان میں نمو کا عمل جاری ہوتا ہے اور اطراف کے مادی اور سماجی ماحول سے ان کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ ان ابتدائی اعضاء اور اطراف کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ان کی استعداد کے بغیر، وہ خوبیاں اور لیاقتیں جو انسان کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں وہ اس کے اندر موجود نہیں رہیں گی۔ تاہم یہ حقیقت کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو ہر بات سے بے خبر ہوتا ہے، قرآن کے اس بیان سے نہیں ٹکراتی کہ نفس میں برائیوں اور نیکیوں کو القا کردیا گیا ہے [۹۱:۱۸]، کیوں کہ ہر آیت میں الگ الگ قسم کی بات بتائی گئی ہے اور انہیں حاصل کرنے کے دو مختلف راستے بتائے گئے ہیں۔ بچپن سے لے کر جوانی تک انسان کے اندر جو ارتقاء ہوتا ہے اس میں تمام انسانی خوبیاں مجموعی طور پر شامل ہیں خواہ وہ جسمانی ہوں، عقلی اور نفسیاتی ہوں، اخلاقی اور روحانی ہوں۔ یہ مجموعی ارتقاء اللہ کی تخلیق میں حرکیت کی نشاندہی کرتا ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ انسان پر اپنی قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق فروغ دینے کی ذمہ داری ہے، ''اور جان لو کہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی [۱۷:۳۶]۔ قرآن بار بار سمع و بصر کے بعد دل کا ذکر کرتا ہے [مزید حوالہ کے لئے ۲۳:۷۸، ۳۲:۹، ۴۶:۲۶، ۶۷:۲۳] اور اسے قدردانی کرنے والا عضو کے طور پر پیش کرتا ہے [۲:۸۸، ۶:۲۵، ۱۱۰، ۱۱۳؛ ۷:۱۷۹، ۱۳:۲۸؛ ۱۶:۲۲، ۱۰۸؛ ۱۷:۴۶؛ ۱۸:۲۸، ۵۷؛ ۲۲:۴۶؛ ۳۳:۴؛ ۴۱:۵؛ ۴۵:۲۳؛ ۴۷:۲۴]۔ بار بار دل کا یہ تذکرہ کیا محض ایک استعارہ ہے، یا واقعتاً اس سے مراد وہ عضو جسم ہے جو انسان کے سینے میں دھڑکتا ہے؟ کیا یہ اسی پیرایہ میں استعمال کیا گیا ہے جس طرح عربی اور دیگر زبانوں کے ادب میں جذبات و احساسات کا مرکز دل کا مانا گیا ہے، کہ جوش و جذبات کا سیدھا اثر اسی پر ہوتا ہے، یا قرآن میں اس کی اہمیت کچھ اور ہی ہے؟ کیا انسان کے دل کا تعلق انسان کی روحانیت سے ہے؟ [۱۵:۲۹؛ ۱۷:۸۵؛ ۳۲:۹؛ ۳۸:۷۲] یہ تمام سوالات ماہرین طبیعات و نفسیات کے لئے بھی تحقیق طلب ہیں اور عربی زبان، تقابلی لسانیات و ادب کے ماہرین اور مسلم علماء پر ان کا جواب ڈھونڈنے کی ذمہ داری ہے۔

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱

اور جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا ہے اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔ (۱۱:۱۷)

اس آیت میں انسان کی ایک بڑی کمزوری کواجاگر کیا گیا ہے اور وہ ہے جلد بازی یا عجلت پسندی۔ اس عجلت پسندی کے ساتھ اگر انسان کی علمی محدودیت بھی جڑی ہو، یعنی کسی معاملے کے تمام پہلوؤں سے واقف نہ ہونا، خاص طور سے لوگوں کے ساتھ تعلقات اور زمان و مکان کے علم سے انسانیت کی ناواقفیت، تو انسان سے غلط فیصلوں کی ہی توقع کی جائے گی۔ اسی طرح یہ بات ہے کہ کوئی فرد اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی یہ سوچ کر دعا کرے کہ وہ اس کے لئے بہتر ہے حالانکہ وہ اس کے لئے بہتر ثابت نہ ہو، جیسا کہ قرآن کی ایک اور آیت میں کہا گیا ہے: ’’عجب نہیں کہ ایک چیز تمہیں بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگی اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے‘‘[۲۱۶:۲]۔ علاوہ ازیں، غصہ کی حالت میں کبھی انسان اپنے کسی قریبی عزیز جیسے بیوی، بچے یا کسی دوست یا خود کو کوستے ہوئے مرجانے کی دعا کرلیتا ہے، حالانکہ سکون کی حالت میں وہ قطعی ایسا نہیں چاہ سکتا۔ اللہ سے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی بددعا نہیں کرنی چاہئے سوائے اس کے کہ کوئی مظلوم ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا ہمیشہ کی جاسکتی ہے، لیکن اللہ سے کسی کے لئے بغیر کسی ایسے سبب کے، جس کی وجہ سے اللہ سے انصاف کی فریاد کرنا برحق ہو، بددعا نہیں کرنی چاہئے کیوں کہ کسی گنہگار کو اللہ توبہ کی توفیق بھی دے سکتا ہے اور اپنی پچھلی غلطیوں کی تلافی کا موقع دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مہربان اور رحیم ہونے کی بنا پر ایسے لوگوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا جو دنیا میں اس کی سزا کے حق دار ہوں کیوں کہ اس نے ہر انسان کے لئے ایک مدت مقرر کررکھی ہے، اور ہر انسان جب ناگزیر طور سے اپنے آقا کی طرف واپس ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف اور جزا کے ترازو میں تولا ہی جائے گا[۱۱:۱۰؛ ۶۱:۱۶؛ ۱۲۹:۲۰؛ ۲۹:۵۳، ۵۴؛ ۴۵:۳۵؛ ۱۴:۱۲]۔ تاہم کسی غلط کار کی غلط کاری کے اثرات خود اس کے اوپر پڑتے ہیں اور دنیا کی اس زندگی میں دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳ وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اُسے نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (۱۳:۱۷، ۱۴)

ایک سچا مومن اپنی قسمت کا حال پرندوں سے، فال سے، یا ستاروں سے معلوم نہیں کرتا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب میں رائج تھا یا دوسری جگہوں میں بہت سے لوگ ابھی بھی ان اوہام میں یقین رکھتے ہیں۔ یہ صرف انسان کی جستجو اور اس کے اعمال ہیں جو اس دنیا میں اور دنیا کے بعد آخرت کی زندگی میں اس کی تقدیر طے کرتے ہیں۔ ہمارے اوپر خود ہمارے عمل کی ذمہ داری ہے اسبابی یا حادثاتی واقعات کی نہیں۔ فیصلہ کے دن، ہر انسان کے اچھے یا برے اعمال کا حساب کتاب اس کے سامنے آجائے گا اور اس طرح ہر ایک کو اس کے اپنے اعمال کا صلہ ملے گا۔ اسلام میں فرد کی نجی جواب دہی کا معاملہ بنیادی ہے اور قرآن میں اسے بار بار جتایا گیا ہے (مثلاً: ۵۲:۲۱؛ ۳۸:۵۳ تا ۴۱؛ ۳۸:۷۴]اور یہ جوابدہی نہ صرف اس دنیا میں لوگوں کے سامنے ہے جہاں کوئی شخص خود کو دوسروں کی نظروں سے چھپا

سکتا ہے یا حقائق کو بدل سکتا ہے، بلکہ یہ اللہ کے سامنے بھی ہے جو علیم وخبیر ہے، جہاں ہر ایک کا اپنا ریکارڈ خود اسی کے خلاف گواہی دے گا۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝

اور جب تمہیں دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (یعنی ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارتے ہو سب اس (رب) کے سوا گُم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو! اور انسان ہے ہی ناشکرا۔ کیا تم (اس سے) بے خوف ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں کی بھری ہوئی آندھی چلا دے پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ۔ یا (اس سے) بے خوف ہو کہ تمہیں دوسری دفعہ دریا میں لے جائے پھر تم پر تیز ہوا چلائے اور تمہارے کفر کے سبب تمہیں ڈبو دے پھر تم اس غرق کے سبب اپنے لئے کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا نہ پاؤ! (۱۷:۶۷ تا ۶۹)

انسان کی کمزوریاں زندگی کی مشقتوں میں سامنے آتی ہیں جن میں انسان کے ارادوں اور کوششوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ لوگ بالعموم سختی کے حالات میں اللہ کو پکارتے ہیں، اور جیسے ہی سختی کے حالات گزرتے ہیں اور راحت مل جاتی ہے تو وہ اللہ کو بھول جاتے ہیں اور اپنی تنگ نظری، انانیت اور مصلحت کی اتباع کرنے لگتے ہیں [۱۰:۱۲؛ ۱۷:۶۷، ۸۳؛ ۳۹:۸، ۴۹؛ ۴۱:۵۱؛ ۱۶:۵۳؛ ۹۶:۶ تا ۷]۔ دوسری طرف، ایسے بھی لوگ ہیں جو سختی کے حالات میں ناامید ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے انہیں غرق ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہے اور انہیں ذلیل کر دیا ہے حالانکہ وہ اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہیں [۱۱:۹؛ ۴۱:۴۹؛ ۴۲:۴۸؛ ۸۹:۱۵ تا ۱۶]۔ اللہ پر سچا ایمان انسان کو زندگی کے نشیب وفراز کو صبر کے ساتھ جھیلنے اور غرور یا لاچاری کے بجائے اعتدال پر قائم رہنے کی ہمت دیتا ہے اور اس طرح سختی و آسانی دونوں حالتوں میں اللہ کی ناشکری سے بچاتا ہے۔ [۱۱:۹ تا ۱۱]۔ جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس نے شکر کیا تو اس کے لئے اس میں بھی ثواب ہے، اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لئے اس میں بھی ثواب ہے۔ (مسلم)

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ (۱۷:۷۰)

اللہ تعالی نے انسان پر جو احسان اور فضل فرمائے ہیں قرآن میں انہیں بار بار دوہرایا گیا ہے تاکہ انسان ان کا اعتراف کرے، ان کی قدر کرے اور ان سے فائدہ اٹھائے اور اللہ کا شکر گزار رہے۔ انسان کو جسمانی، عقلی اور روحانی اعتبار سے دوسری بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔۔ انسانی وقار کی حفاظت اللہ تعالی کے پیغام کا بنیادی ہدف۔ ہے جس کے لئے انسان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں

توحید کے عقیدے کو جاگزیں کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے جذبے نیز انفرادی جواب دہی میں یقین کو پیوست کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے، بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ جھوٹے خداؤں سے بچے اور ان کی مزاحمت کرے جو اس دنیا میں ان کا استحصال کرتے ہیں، ان پر جبر وستم کرتے ہیں اور انسانوں کے ساتھ جانوروں یا مشینوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ انسانی وقار اور شرف اللہ نے ہر ابن آدم کو مساوی طور سے عطا کیا ہے، خواہ اس کا عقیدہ، صنف، نسل، رنگ اور ذات کچھ بھی ہو۔ انسانی وقار حقوق اور ذمہ داریوں دونوں پر مشتمل ہے، کیوں کہ ذمہ داریوں کو چھوڑ کر صرف حقوق پر توجہ دینے سے وقار صحیح معنوں میں حاصل نہیں ہوسکتا نہ فرد اور سماج کو اس سے حقیقی ترقی حاصل ہوسکتی ہے۔ ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر ہی حقوق سے استفادہ کرنے کی اخلاقی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ چنانچہ انسانی وقار ان دونوں جزئیات کے بغیر نہ حاصل ہوسکتا ہے اور نہ مکمل ہوسکتا ہے۔

شرف وکرامت کے حامل انسان کو اپنی جسمانی، عقلی اور روحانی استعداد کی حفاظت اور اسے فروغ دینے کے لئے اور اس دنیا میں اس کی کارکردگی کو بنائے رکھنے نیز بڑھانے کے لئے پاکیزہ رزق فراہم کیا گیا ہے۔ چوں کہ انسان ایک چلنے پھرنے والی مخلوق ہے اس لئے اس کے خالق نے اس کے لئے زمین، سمندر اور ہوا وخلا میں آمد ورفت کے ذرائع فراہم کئے ہیں: ''اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو، اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں [۴۵: ۱۲، ۱۳]۔ اسلامی قانون اور اسلامی ریاست کی یہ عام ذمہ داری ہے کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں عملی طور پر انسان کے وقار کو بحال رکھنے کے ذرائع فراہم کرے، انسان کی قوتوں کی حفاظت کرے اور جن توانائیوں سے اللہ نے انسان کو نوازا ہے انہیں فروغ دے۔ انسان کی روحانی، اخلاقی اور عقلی صلاحیتیں، جو کہ اللہ کی عظیم ترین نعمتیں ہیں، انسان کو اللہ کی دیگر مخلوقات سے بلند کرتی ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انہیں اس بات سے پوری طرح باخبر ہونا چاہئے کہ انسانی وقار کا مطلب کیا ہے اور یہ چیز ہر زمان ومکاں میں ایک لازمی نعمت خداوندی اور الٰہی قانون کے بطور انہیں کس طرح مضبوط بناتی ہے۔

وَ اِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾ قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿۸۴﴾ وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ‌ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾

اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو رُوگرداں ہوجاتا اور پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اُسے سختی پہنچتی ہے تو ناامید ہوجاتا ہے۔ کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اُس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے۔ اور تم سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔

(۱۷: ۸۳ تا ۸۵)

انسان کی عقلی استعداد کے باوجود اس کی سوچ محض عارضی حالت تک ہی محدود رہ سکتی ہے، اور اس لئے وہ راحت وآسائش کے حالات میں مغرور اور خودغرض نظر آتا ہے اور سختی کے حالات میں ناامید اور حواس باختہ ہوجاتا ہے۔ اللہ پر ایمان مومن کو ایک وسیع مطمحِ نظر دیتا ہے، تاکہ وہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں خود کو لاچار محسوس نہ کرے۔ نشیب وفراز ناگزیر ہیں، اور کامیابی یا ناکامی کا مطلب یہ قطعی نہیں

ہوتا کہ اس کے آگے دنیا ختم ہے۔ یہ زندگی، بہر حال، بہت مختصر ہے، اور ہر انسان اسی چیز کا حق دار ہے جو کچھ آخرت میں اسے ملنے والا ہے۔

انسان کے نفسیاتی اور عملی توازن پر ایمان کے مضمرات کو قرآن بیان کرتا ہے: ''اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو اُن لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم اُن کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو متمیز کردے اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا'' [۳:۱۴۰]؛ ''اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم اللہ سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے'' [۴:۱۰۴]؛ ''اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں'' [۱۲:۸۷]، مزید دیکھیں ۱۵:۵۶]۔ البتہ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ لوگ اپنی لیاقتوں، قدروں اور اپنے مقاصد کے لحاظ سے فکر و عمل کے مختلف طور طریقوں کی نمائندگی کرتے ہیں، اور یہ اللہ ہی ہے جو ہر فرد کے تمام حالات سے پوری طرح باخبر ہے اور صرف وہی ہے جو کسی فرد کی پسند کا، جسے فرد اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا/ سمجھتی ہے، فیصلہ کرسکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں میں سب سے آخری آیت ایک ایسے سوال کے بارے میں ہے جو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تھا، کہ روح کیا ہے۔ کیا اس سے مراد وہ روح ہے جو اللہ نے انسان کے پتلہ خاکی (آدم) میں پھونکی تھی [۱۵:۲۹؛ ۳۲:۹؛ ۳۸:۷۲؛]؟ یا اس سے مراد روح القدس ہے؟ جو قرآن میں جبرئیل علیہ السلام کو کہا گیا ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کی طرف وحی لے کر آتے تھے [۲:۸۷، ۲۵۳؛ ۵:۱۱۰؛ ۱۶:۲؛ ۱۷:۱۹؛ ۲۶:۱۹۳؛ ۴۰:۱۵؛ ۷۰:۳؛ ۷۸:۳۸]۔ اس سے مراد خواہ وہ روح ہو جو اللہ نے انسان میں پھونکی تھی اور جو انسان کی روحانیت کو انگیز کرتی ہے، یا نبی ﷺ کی طرف ایک خاص پیغمبر کے ذریعہ بھیجی گئی وحی ہو، دونوں ہی پر اسرار ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک جستجو پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ قرآن بعض ایسی چیزوں کی نوعیت کو واضح نہیں کرتا جو انسانی فطرت سے بعید ہوں اور انسانی فہم میں نہ آسکتی ہوں، جس سے اشارہ ملتا ہے کہ ''روح'' اللہ کا کلام ہے اور اس پر اسی کا حکم چلتا ہے اور انسان کا علم جو اسے اپنے حواس اور دماغ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، محدود ہے۔ انسان کے علم میں، زمین پر اپنے آباد ہونے سے لے کر اب جو کچھ بھی آسکا ہے، وہ حالیہ صدیوں کی ترقیوں کے باوجود ابھی بھی بہت محدود ہے، اور اس کائنات میں، روح کے سربستہ راز تو اپنی جگہ، بے شمار ایسے مادی حقائق ہیں جن تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکی ہے۔ اس کے باوجود، روح سے مرتب ہونے والے اثرات، خواہ وہ انسان کے اندر اللہ کے ذریعہ پھونکی گئی روح ہو یا پیغمبروں کی طرف آنے والا فرشتہ ہو، ظاہر ہیں اور ان کی اہمیت قابل فہم ہے، اگرچہ اس کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی جس طرح مقناطیس اور بجلی جیسی مادی قوتوں کے اثرات تو معلوم ہیں لیکن ان کی نوعیت معلوم نہیں۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کیلئے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔

(۱۸:۷)

زمین کو زینت و آراستگی بخشی گئی ہے جس سے اس پر بسنے والے انسانوں کو معاش کے ذرائع فراہم ہوتے ہیں اور مختلف قسم کی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اگر ان مسرتوں سے فیض یاب ہوتے ہوئے یہ ذہن میں رکھے کہ یہ مسرتیں اس سے اپنی زندگی میں تو کبھی بھی چھن سکتی ہیں اور تمام انسانوں کے لئے ان کا ایک دن خاتمہ ہو جائے گا، اور پھر وہ اللہ سے رہنمائی طلب کرتا/ کرتی ہے، اور جو نعمتیں اسے دنیا

میں ملی ہوئی ہیں انہیں استعمال کرتے ہوئے اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے تب ایسا آدمی آسودگی کی ان عارضی خوشیوں کو اوراس دنیا کی زیب وزینت کو بہترین طریقے سے برتے گا اوراس دنیا کے بعد آنے والی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتیں اور انعامات اسے حاصل ہوں گے۔ اکثر معاملوں میں یہ ضروری توازن قائم نہیں رہتا اور آدمی اس دنیا کی مسرتوں اور زیب وزینت میں مگن ہوجاتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں اسباب وسامان کو جمع کرنے میں لگ جاتا ہے اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ اس سے دوسروں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے یا خود اسے بالآخر کیا نقصان پہنچے گا۔ یہ بلا شبہ اللہ کی طرف سے انسان کی عقل وارادہ کے لئے، جو کہ انسان کو اس کی طرف سے بے نظیر عنایت ہیں، ایک سخت آزمائش ہے۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝۵۴

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں لیکن انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ (۱۸:۵۴)

ذہانت اور گویائی کی قوتوں کو کوئی فرد حد سے زیادہ اور غلط طریقے سے بھی استعمال کرسکتا ہے جو وقت کو ضائع کرنے یا کسی خاص معاملے میں اپنی ضد پر پردہ ڈالنے کے لئے، یا کسی نامناسب اور غیر منطقی بات کو منوانے کے لئے ان صلاحیتیوں کو استعمال کرے۔ ان چیزوں کے لئے دماغ اور زبان کا استعمال ناسمجھی کی بات ہے اور ان صلاحیتوں کا یہ غلط استعمال انسانی فہم وفراست کے خلاف ہے اور اسے دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ اس طرز فکر وعمل میں، الفاظ وخیالات کے بامقصد اظہار اور افکار کے تعمیری تبادلہ کے لئے استعمال نہیں ہوتے، بلکہ خالی خولی لفاظی اور جھگڑے فساد کے لئے ہوتے ہیں۔ جو لوگ سمجھنے اور بولنے کی عظیم الشان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں، وہ کسی بھی بات پر حجت کرسکتے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ اس طرح کے باتونی لوگوں کو جو اپنے غلط اور مجرمانہ خیالات وکارروائیوں کو جائز ثابت کرنے کے لئے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے بحث برائے بحث اور مناظرہ بازی کرتے ہیں قرآن کی شکل میں موجود اللہ کا پیغام ہدایت بھی اس حجت بازی سے نہیں روک سکتا۔ [۲:۲۶]

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵

ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آ ؤ گے۔ (۲۱:۳۵)

یہ آیت اس دنیا میں انسان کی کہانی کو مکمل کرتی ہے۔ اس زندگی کے تمام نشیب وفراز ہر انسان کے لئے ایک امتحان ہیں اور ان تمام مختلف قسم کے حالات وواقعات میں انسان کا جو عمل رہا ہوگا اس کے مطابق اس کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ کی ذات میں اور آخرت کی زندگی میں کسی کا سچا یقین اسے کامیابی کے غرور اور ناکامی کی مایوسی سے بچائے گا۔ اسے اپنا کام مستقل مزاجی سے جاری رکھنے کی مضبوط قوت ارادی حاصل ہوگی، کامیابی ملنے پر وہ اللہ کا شکر گزار ہوگا اور ناکامیوں کی تلافی کے لئے صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ کوشش کرے گا کیوں کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش میں ہوتا ہے اور اس سے رہنمائی ومدد کا طالب ہوتا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷

انسان (کچھ ایسا جلد باز ہے کہ گویا) جلد بازی ہی سے بنایا ہے۔ میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم جلدی نہ کرو۔ (۲۱:۳۷)

انسان کی فطرت میں جلد بازی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے فائدے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانے میں لگا رہتا ہے۔ ایسی جلد بازی میں وہ عام طور سے نامناسب اور نامعقول حرکتیں کرتا ہے۔ انسان اپنے رب سے بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ بھی فوراً ہی اپنی بات پوری کرے اور قیامت لے آئے اور آخرت کا جو یقین دلایا جا رہا ہے اسے برپا کرے [دیکھیں ماقبل مذکور آیات ۱۰:۱۱؛ ۱۷:۱۱، اور ان کی تفسیر] حالانکہ اگر وہ غور کرے تو یہ جلد بازی اسے عذاب سے قریب ہی کرتی ہے [۶:۵۷،۵۸؛ ۱۰:۱۱،۵۱؛ ۲۲:۴۷؛ ۲۶:۲۰۳،۲۰۴؛ ۲۷:۴۶،۷۱،۷۲؛ ۲۹:۵۳،۵۴؛ ۳۷:۱۷۶؛ ۴۲:۱۸]۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبہ اور شان انصاف کے مطابق دنیا کے خاتمہ کا وقت مقرر کیا ہوا ہے اور یہ وقت جلد یا بدیر برپا ہونے کی انسانی تمنا سے کبھی بدلے گا نہیں [۶:۶۰؛ ۱۱:۳؛ ۱۴:۱۰؛ ۱۶:۶۱؛ ۱۸:۵۸؛ ۲۰:۱۲۹؛ ۲۹:۵۳؛ ۳۹:۴۲؛ ۴۰:۶۷؛ ۴۲:۱۴؛ ۷۱:۴]۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ وَ تَرَی الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۶

لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہو تو ہم نے تمہیں (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے پھر اُس سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعادِ مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مرجاتے ہیں اور بعض (بوڑھے ہوجاتے اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔ اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے۔ ۵۔ ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ ہی (قادرِ مطلق ہے جو) برحق ہے اور یہ کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۲۲:۵تا۶)

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ﴿١٢﴾ ثُمَّ
جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۪ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ
عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا
فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ ﴿١٤﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
لَمَيِّتُوْنَ ؕ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾

اورہم نے انسان کومٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھراس کوایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھراس کونئی صورت میں بنا دیا تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بابرکت ہے۔ پھراس کے بعد تم مرجاتے ہو۔ ۱۵۔ پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے۔ (۲۳:۱۲ تا ۱۶)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ
لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ
الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾

وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے (کہ تم) بچے (ہوتے ہو) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تو تم میں سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور تم (موت کے) وقت مقرر تک پہنچ جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو۔ ۶۷۔ وہی تو ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب کوئی کام کرنا (اور کسی کو پیدا کرنا) چاہتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔
(۴۰:۶۷ تا ۶۸)

قرآن جس طرح بعض مقامات پر انسان کے نفسیاتی اور اخلاقی پہلو پر کلام کرتا ہے اسی طرح بعض اوقات انسان کے طبعی پہلو سے بحث کرتا ہے۔ اوپر کی آیتوں میں پہلی آیت خاک سے آدم کی تخلیق کے ابتدائی مرحلے سے لے کر انسان کے جسمانی یا طبعی ارتقاء پر روشنی ڈالتی ہے۔ قرآن کی ایک دوسری آیت بتاتی ہے کہ آدم کے اندر اللہ نے خود روح پھونکی اور پھر آدم وان کی بیوی، جو خود اسی وجود سے پیدا کی گئی تھیں، کو زمین پر افزائش نسل کے لئے اور کسب معاش کے ذریعہ فروغ دینے کے لئے بھیجا گیا۔ اوپر کی آیت [۲۲:۵] میں قرآن انسان کی تخلیق نو کے طبعی مراحل کو بیان کرتی ہے، پہلے مرد کا نطفہ اور عورت کا بیضہ تخلیق پاتا ہے، پھر نکاح کے ذریعہ دونوں کے جنسی اتصال سے بوند جمتی ہے اور لوتھڑا بنتا ہے، پھر انسانی وجود کی تشکیل ہونے لگتی ہے اور یہ وجود بچے کی شکل میں پیدا ہوتا ہے اگر اللہ چاہتا ہے اور اگر اللہ نہیں چاہتا تو نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے وہ بچہ اپنی زندگی میں جسمانی، دماغی اور روحانی طور سے کیسا ہوگا، وہ چوں کہ انسان کے آبائی خطوط کے انسان میں منتقل ہونے کو جانتا ہے اور طبعی وسماجی ماحول کے عناصر سے اس کے تعامل کے نتائج سے واقف ہے۔ اللہ یہ بات جانتا ہے کہ وہ کب تک جئے گا/ جئے گی، اور کب مرے گا/مرے گی۔ زندگی کا اوسط دورانیہ ختم ہونے پر انسانی ارتقاء کا ایک نیا موڑ آتا ہے اور پھر سے جسمانی، عقلی اور نفسیاتی کمزوری آنا شروع ہوجاتی ہے [نیز دیکھیں ۱۶:۷۰ اور اس کی تفسیر، ۳۶:۶۸]۔

قرآن میں انسان کے طبعی ارتقاء کے جو مراحل بیان کئے گئے ہیں انہیں ایک عام قاری آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور ماہرین حیاتیات انہیں گہرائی کے ساتھ اور سائنسی انداز سے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ قرآن کا ایک نرالا انداز ہے جس میں حسن بیان اور درستگی کا شاندار امتزاج

نظر آتا ہے۔ یہ ایک عام آدمی کے علم کو بھی بڑھاتا ہے اور ماہرین کی آنکھیں بھی کھولتا ہے اور انہیں سطحی نظر سے اوپر اٹھ کر دیکھنے کے لائق بناتا ہے۔ جب قرآن انسانی جسم کے ارتقاء کے مراحل بیان کرتا ہے تو وہ اسے زندگی کے مجموعی تناظر میں پیش کرتا ہے اور انسانی ارتقاء کو بیان کرتے ہوئے پیڑ پودھوں کے ارتقاء کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اس طرح سے ذہن طبعی زندگی سے روحانی زندگی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جو اللہ سے تعلق کے ذریعہ اور اس کی رہنمائی سے تقویت پاتی ہے۔ کائنات اور زندگی کے بارے میں قرآن جو خبریں دیتا ہے وہ سائنسی حقائق بیان کرنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ لوگوں کو عام بنیادی علم دینے کے مقصد سے ہے اور قارئین کو تخلیق سے خالق کی طرف اور پیدائش سے پیدا کرنے والے کی طرف لے جانے کے لئے ہے۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی۔ پھر اس کو درست کرلیا پھر اُس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ (۳۲:۷ تا ۹)

اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کی صورت گری اس طرح کرتا ہے کہ وہ مخلوق اپنی عمومی شکل اور مخصوص اعضاء اور ساختیاتی خصوصیات کے ساتھ اپنی کارکردگی کے لئے پوری طرح موزوں اور ماحول کے موافق ہوتی ہے۔ ذی حیات مخلوقات میں کائناتی فضا سے ہم آہنگی اور ان دونوں عوامل کے درمیان ایک فطری نظم و ربط نمایاں ہے جو اس کے پیچھے ایک حکیمانہ کارفرمائی اور قدرت کا مظہر ہے۔ پہلا انسان مٹی کے پتلے سے اس متناسب انداز سے بنایا گیا کہ وہ دنیا میں اپنی انسانی کارکردگی کے لئے پوری طرح موزوں ہو، پھر اس پتلے میں اللہ نے اپنی روح پھونکی۔ یہ سوال غور کرنے کا ہے کہ انسانی وجود کو تخلیق کرنے اور پھر اسے اللہ کی منشاء کے مطابق ٹھیک اسی تناسب میں جو انسانی کارکردگی کے لئے موزوں ہو، نئی تخلیق کرنے کے لائق بنانے کے درمیان کیا کوئی وقفہ ہے؟ کیا تخلیق انسانی کا ارتقاء ان مراحل سے گزرنے میں لمبا وقت لیتا ہے جیسا کہ حرف اضافت ''ثم'' سے لگتا ہے اور اس انداز بیان سے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا'' [۲۳:۱۲]۔ قرآن کے ایسے بیانات کا کوئی متعین جواب بہت مشکل ہے جس کا خطاب آنے والی تمام انسانی نسلوں کے لئے ہو، خواہ ان کے علم و معلومات کی سطح کچھ بھی ہو۔ ''ثم'' جو عام طور سے 'پھر اس کے بعد' یا 'کچھ وقت بعد' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، 'اور' کے معنی میں بھی استعمال ہوسکتا ہے، کسی وقفہ کی علامت کو ظاہر کئے بغیر۔ قرآن کہتا ہے، '' میں نے اُن کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود اُن کے پیدا کرنے کے وقت۔ اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا'' [۱۸:۵۱]۔

کسی بھی چیز کو تخلیق کرنے کے لئے اللہ کا امر اس طرح کام کرتا ہے کہ ''جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہوجاتی ہے۔'' [۳۶:۸۲؛ نیز دیکھیں ۲:۱۱۷؛ ۳:۴۷؛ ۶:۷۳؛ ۱۶:۴۰؛ ۱۹:۳۵؛ ۴۰:۶۸]۔ لیکن اللہ کا یہ فرمان تخلیق اس بات سے متصادم نہیں کہ تخلیق کردہ چیزیں مختلف مراحل سے گزریں یا ان کی تکمیل میں کچھ وقت لگے۔ تخلیق ایک سلسلہ وار حرکت پزیر عمل ہے جیسا کہ اس کائنات میں اور ذی حیات مخلوقات میں، جن میں انسان بھی شامل ہے، نظر آتا ہے: ''وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں

(پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے''[۶:۳۹]، ''وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے'' [۱:۳۵]۔انسان پیدا ہونے کے بعد تخلیق کے ایک لگاتار عمل سے گزرتا رہتا ہے اور اپنے اطراف کے مادی وسماجی ماحول سے خواہی نہ خواہی اس کا واسطہ پڑتا ہے۔اس لحاظ سے اللہ کا نام 'الخالق' ہمیشہ اور ہر وقت کے لئے برحق ہے اور اس دنیا کی زندگی میں لگاتار جاری حرکت پر دلالت کرتا ہے: ''سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے)''[۵۴:۷]۔آخرت کی ابدی زندگی میں اللہ کی تخلیق کسی دوسری شکل اور سمت میں جاری رہتی ہے: ''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) ''[۴۸:۱۴]۔کئی آیات میں قرآن نے آخرت کی زندگی کو تخلیق نو سے تعبیر کیا ہے[۱۰:۳۴؛ ۲۱:۱۰۴؛ ۲۷:۶۴؛ ۲۹:۱۹؛ ۳۰:۱۱، ۲۷]۔کئی دوسری آیات میں انسان کی زندگی بعد موت کو ایک نئی تخلیق سے تعبیر کیا ہے[۱۷:۴۹، ۹۸؛ ۵۰:۱۵] اللہ تعالیٰ تخلیق کی ابتداء کرتا ہے''اور پھر اپنی تخلیق کو ایک نئی شکل دیتا ہے''[۲۹:۲۰] اس طرح اللہ تعالیٰ ہمیشہ تخلیق کرتا رہتا ہے اور ہمیشہ کے لئے خالق ہے'' ر تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ کر لیتا ہے۔۔۔''[۲۸:۱۶۸]۔

اولین مرد وعورت کو تخلیقی نظام دیا گیا تھا جس سے نوع انسانی کا سلسلہ چلا، اور ان کی تمام طبعی، عقلی اور نفسیاتی وروحانی خصوصیات آنے والی نسلوں میں نسل درنسل منتقل ہوتی رہیں۔انسان کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرنے والی اس کی طاقتیں صرف جسمانی موزونیت تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ عقلی، نفسیاتی واخلاقی وروحانی گوشوں پر بھی محیط ہیں۔محسوس کرنا، سوچنا، ارادہ کرنا اور فیصلہ لینا جیسی خوبیوں نے انسان کی صورت گری کی ہے جسے ان نعمتوں کے لئے اپنے خالق اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہیئے حالانکہ عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔ان نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہوئے اور روزہ مرہ کی جسمانی وطبعی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انہیں کام میں لیتے ہوئے ہماری اخلاقی گراوٹیں ہمارے لئے رکاوٹ بھی بن سکتی ہیں اور انسان کے وجود اور اعمال پر حیوانیت غالب آسکتی ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ
قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ
اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ لَهُ
اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلۡ
قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَ
کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا
نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ
الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸۳﴾

اور وہی تو ہے جس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم کم شکرگزاری کرتے ہو۔اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم سب جمع ہو کر جاؤ گے۔اور وہی ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اُسی کا تصرف ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟ بات یہ ہے کہ جو اگلے (کافر) کہتے تھے اسی طرح کی (بات یہ) کہتے ہیں۔کہتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور (بوسیدہ) ہڈیوں (کے سوا کچھ) نہ رہے گا تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ ہم سے اور ہم سے پہلے باپ دادا سے بھی ہوتا چلا آیا ہے (اجی) یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (۲۳:۷۸ تا ۸۳)

آخرت کی زندگی کے حوالہ سے قرآن کا ایک اور استدلال یہ ہے کہ اللہ نے اس دنیا اور پوری کائنات کو ایک لگے بندھے نظم میں تخلیق کیا ہے اور اس میں انسان کے لئے عظیم فائدے رکھے ہیں۔انسان کو پہلی بار اس طرح سے پیدا کرنا کہ اس کے اندر سننے، دیکھنے،

محسوس کرنے، سوچنے اور پوری زمین پر چلنے پھرنے کی طاقتیں اور صلاحیتیں موجود ہیں، اسے دوبارہ اسی طرح پیدا کرنے کی بہ نسبت کوئی آسان بات نہیں، اور یہ کسی مقصد کے بغیر بھی نہیں ہوسکتی۔ انسانی زندگی اور یہ سارا عالم ایسی عجوبہ خیز تخلیق ہے کہ یہ اچانک ہی حادثاتی طور پر وقوع میں نہیں آسکتی، اور ایسی عجوبہ خیز تخلیق کی نقل کرنے والے کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسے تکمیل تک پہنچائے بنا، اور خاص طور سے انسانوں کے حوالہ سے، ان کے ساتھ انصاف کئے بغیر اسے تباہ ہونے دے گا ورا سے ختم ہو جانے دے گا۔ مندرجہ بالا آیات یہ جتاتی ہیں کہ آخرت کی زندگی کا انکار کوئی نیا انداز فکر نہیں ہے اور اس انکار کا تسلسل اس کے صحیح ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے برعکس یہ انکار مادی حواس کے ایک سطحی اور بے سوچے سمجھے استعمال پر دلالت کرتا ہے اور انسان کی اعلیٰ ترین اور گہری عقلی اور روحانی طاقتوں کے انکار کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ کہ اوپر کی پہلی آیت جو اللہ کی بخشی ہوئی انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے وہ محض مادی حواس کا ہی ذکر نہیں کرتی، بلکہ آنکھ اور کان سے آگے بڑھ کر دل کا تذکرہ بھی کرتی ہے کہ جو محسوس کرنے، سوچنے، تحریک پانے، ارادہ کرنے اور خیالات کے جمع ہونے کی جگہ کے حوالہ سے پہچانا جاتا ہے۔ محض حسی علم تک محدود رہنے سے انسان اپنی مخصوص خوبیوں سے محروم رہتا ہے، تصوراتی لحاظ سے مفلس رہتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کی صلاحیت مجموعی طور پر سکڑی رہتی ہے۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ۧ

بھلا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے، کیا تم ایسے شخص پر ذمہ دار بنو گے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ (۲۵: ۴۳ تا ۴۴)

جب کوئی انسان اپنی اعلیٰ عقلی اور روحانی صلاحیتوں کو نظر انداز کرتا ہے اور وقتی خواہشات اور لذات کی گرفت میں رہتا ہے اور اس طرح وہ جانوروں کی طرح سلوک کرتا ہے۔ جانور کا کام صرف اپنی بھوک کو مٹانا ہے یہ دیکھے بغیر کہ اس کی حرکت سے دوسروں پر کیا اثر پڑتا ہے، یا اس کا کیا نتیجہ سامنے آئے گا۔ لیکن یہ جانور اپنی جبلتوں کے مطابق اور فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان پر انا پرستی یا ناعاقبت اندیشی کا الزام نہیں عائد ہوتا۔ یہ تو انسان ہے جسے اس بات کا الزام دیا جانا چاہئے کہ وہ اپنی سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی طاقتوں کو مفلوج رکھتا ہے اور اپنے وجود اور عمل کو جانوروں کی سطح پر رکھتا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا پھر اس کو صاحب نسب اور صاحب قرابت دامادی بنایا اور تمہارا رب (ہر طرح کی) قدرت رکھتا ہے۔ (۲۵: ۵۴)

انسان کو زمین پر شادی کر کے اور اولاد پیدا کر کے خانوادہ بنانے کے اسباب بخش کر بھیجا گیا ہے۔ یہ ازدواجی اور تولیدی تعلقات انسانوں کی توسیع کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ چوں کہ انسان کو زمین پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے جسمانی اور عقلی لیاقتیں بھی بخشی گئی ہیں [دیکھیں ۱۷: ۷۰]، چنانچہ انسان پوری زمین پر پھیل گئے اور اس طرح نسل انسانی کو نئے خاندان بنانے کا موقع ملتا ہے اور زمین

کے دیگر حصوں پر ان کے آباد ہونے اور ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ان تمام لیاقتوں سے فیضیاب انسان کو اللہ نے زمین پر بسایا، اور آنے والی نسلوں میں یہ چیزیں منتقل کیں تا کہ وہ اسے اور خود کو اللہ کی رہنمائی کے مطابق ترقی دیں [دیکھیں ۲:۳۰، ۳۸ تا ۳۹؛ ۱۱:۶۱]۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور جو (مال) تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۲۸:۷۷)

یہ آیت دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان ایک درست توازن پیش کرتی ہے اور یہ وضاحت کرتی ہے کہ انسان کس طرح دونوں جہانوں کی بہترین نعمتیں حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالی کی ہدایت کی اتباع کرنے کا مطلب کسی بھی طرح سے یہ نہیں ہوتا کہ انسان اس زندگی سے یا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے دست بردار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو جسمانی، عقلی، نفسیاتی اور روحانی طاقتیں دی ہیں، انہیں جب مناسب ڈھنگ سے استعمال کیا جاتا ہے تو وہ ایک متوازن فرد اور متوازن سماج کی تشکیل کرتی ہیں۔ قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان کو اللہ نے جو کچھ بھی بخشا ہے، خواہ وہ جسمانی توانائی ہو، یا علم ہو، یا دوسری نعمتیں ہوں، وہ ان لوگوں پر خرچ کرے جو ان کے ضرورت مند ہوں۔

اوپر کی آیت میں قرآن یہ سکھاتا ہے کہ ہر ایک انسان کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے استعمال میں وسیع الذہن اور وسیع النظر ہونا چاہئے۔ ان نعمتوں کو فرد اور سماج کے فائدے کے لئے استعمال کرنا چاہئے، اس طرح فرد آخرت کی ابدی زندگی میں بھی اپنے لئے بھلائیاں جمع کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس زندگی کی جائز ضروریات کو بھلا نہیں دینا چاہئے جیسا کہ بعض لوگ یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ مذہبی انسان کو اس دنیا سے کوئی لینا دینا نہیں ہونا چاہئے۔ اس زندگی کی بہترین چیزوں سے اللہ کی ہدایت کے مطابق لذت اندوز ہوتے ہوئے اور دونوں طرح کی انتہا پسندیوں (افراط و تفریط) سے بچتے ہوئے انسان اس عبوری زندگی اور آخرت کی ابدی زندگی میں مقام حاصل کرنے کی جستجو کو جسم اور روح کے تقاضوں کے درمیان اور فرد و سماج کی ضرورتوں کے درمیان متوازن رکھتا ہے۔ یہ توازن اسلامی تعلیمات کی خصوصیات کی وجہ سے ہوتا ہے جو دین حنیف ہے اور اس فطرت کے مطابق ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے [۳۰:۳۰]، اور مسلمانوں کو امت وسط (درمیانی امت) بنایا ہے [۲:۱۴۳]۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی، جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہلِ دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔
(۳۰:۲۱تا۲۳)

وحدت میں کثرت اور ہم آہنگی اللہ کی تخلیق کا عام قاعدہ ہے۔ کائنات میں بالعموم اور زمین پر بطور خاص، اشیاء کی بناوٹ، خاصیت، فضا، دن اور رات کے وقفے وغیرہ ہر چیز میں زبردست تنوع ہے۔ انسانوں میں دو صنفیں اور متعدد انسانی نسلیں ہیں، زبانیں اور حلئے ہیں اور انسان کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے بھی اور نسل ورنگ وثقافت میں مختلف دوسرے انسانوں سے بھی تعلقات قائم کرنے کی صلاحیتیں بخشی گئی ہیں۔ اسے اپنے سماجی اور مادی ماحول میں بدلاؤ لانے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے اور ماحول کے ساتھ خود کو ڈھالنے اور بدلنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے۔ انسان کو اس زمین پر کام اور محنت کے ذریعہ اپنی روزی بھی کمانی ہے اور اسے ترقی بھی دینا ہے۔ خود اپنے آپ کو ترقی دینے، دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور کائنات کو فروغ دینے کی اہلیت مختلف النوع چیزوں کو برتنے میں انسان کی سوجھ بوجھ اور اختراعی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر اس ہستی کے بارے میں سنجیدہ غور وخوص کا مادہ پیدا ہونا چاہئے جو اس پوری تخلیق اور اس کے زبردست متنوع اجزاء کے درمیان باہمی ربط کے پیچھے کارفرما ہے، کیوں کہ یہ انسان کے لئے نشانیاں ہیں جو ظاہر میں نظر آنے والی سطحی چیزوں کے پرے انسان کو دکھائی دے سکتی ہیں۔ کوئی فرد اگر سونے اور خواب دیکھنے پر سنجیدگی سے غور کرے تو وہ انسانی زندگی پر اور دنیا میں نیز انسان کے اپنے اندر ہونے والے ارتقا پر اس کے لازمی اثرات کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر عقل پوری کائنات کے تنوع میں اس طاقت کا ادراک کر سکتی ہے جس نے یہ تنوع پیدا کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان متنوع چیزوں کے درمیان ایک ربط اور نظم کو بنائے ہوئے ہے تو وہ واقعتاً علم کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ یہ طبیعاتی اور انسانی تنوع غور وتدبر سے کام لینے والے انسان کے لئے اللہ کی طاقت وقدرت کی اور نسل انسانی کی نگہداشت کے لئے اس کے انتظام کی کیسی بصیرت افروز نشانی ہے!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں وہ باز آجائیں۔
(۳۰:۴۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے یا برے اعمال کرنے کی آزادی کے ساتھ پیدا کیا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ جب اپنے دماغ کے بجائے تکبر، خود غرضی اور تنگ نظری جیسے منفی اور ناقص انسانی جذبوں کی پیروی کرتے تو اس کائنات میں اودھم مچاتے ہیں اور اسے خراب و برباد کرتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی، سماجی برائیوں، تشدد اور جنگوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کس طرح خود اپنی تباہی کے راستے پر چلتے ہوئے خود کو سنگین نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ کی ہدایت کے ذریعہ انسان کی خودی اور دنیاوی مسرتیں اللہ پر ایمان اور آخرت میں اعمال کی جوابدہی کے یقین کی بدولت ایک خاص نقطہ نظر میں ڈھل جاتی ہیں اور فرد کی زندگی اور اس کے تعلقات میں ایک توازن قائم ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں برے کاموں کے طویل مدتی نتائج کو جھیلنا انسانی سماجوں کے لئے اللہ کی سنت ہے، اور اس طرح لوگوں کو اپنے ہاتھوں کئے گئے برے اعمال کی سزا ملتی ہے۔ یہ سزا ان کی بدکاریوں کے نتیجے میں اور اللہ کے بنائے ہوئے عام فطری قوانین کے مطابق ہوتی ہے، کیوں کہ

یہ غلط کاریاں اس کے نظام عمل کی خلاف ورزی پر مبنی ہوتی ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضَعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضَعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضَعۡفًا وَّ شَیۡبَةً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ ﴿۵۴﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ علم والا، قدرت والا ہے۔ (۵۴:۳۰)

یہاں انسان کے عرصہ حیات میں طاقت کے بڑھنے اور گھٹنے کا ایک اور حوالہ دیا گیا ہے (دیکھیں اس سے پہلے مذکور آیات ۷۰:۱۶، ۵:۲۲ اور ان کی تفاسیر)۔ دنیا میں انسان کی زندگی کی شروعات اور خاتمہ کمزوری کے ساتھ ہوتا ہے، شروع میں وہ ایک لاچار نوزائدہ وجود ہوتا ہے جو دھیرے دھیرے بڑا ہو کر بڑھاپے کی عمر کو جا پہنچتا ہے۔ لیکن زندگی کا یہ چڑھاؤ اتار جو کہ ہر ایک کی زندگی میں آتا ہے، اس کی آنکھیں نہیں کھولتا اور اس کا دل اس تبدیلی کے پیغام کو قبول کرنے کے لئے نہیں کھلتا بلکہ زندگی اس انداز میں میں گزرتی رہتی ہے کہ گویا وہ ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ تبدیلی اللہ کی ہر تخلیق کا قانون ہے، اور دائمی ہستی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، جس نے آخرت کی زندگی کو ابدی بنایا ہے۔ کائنات کے تمام قوانین اور نظم میں، تدبر کرنے والا ہر فرد خالق کائنات کی حکمت اور انصاف کو دیکھ سکتا ہے۔

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ كَانَ الشَّیۡطٰنُ یَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۲۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)۔ (۳۱:۲۰ تا ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی، عقلی، نفسیاتی اور روحانی طاقتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے جو اسے اس لائق بناتی ہیں کہ وہ فطرت کی طاقتوں سے فائدہ حاصل کرے ان قوانین کے مطابق جن پر اللہ نے ان کو استوار کیا ہے۔ انسان کو اپنے علم اور قوت کار کے ساتھ زمین کی پہنائیوں اور آسمان وفضا کی بلندیوں تک پہنچنے کے لائق بنایا گیا ہے۔ اللہ کا فضل صرف مادی اور ٹھوس چیزوں تک ہی محدود نہیں ہے: اس کے عجائبات انسان کی نفسیاتی اور روحانی طاقتوں میں بھی دن بہ دن سامنے آرہے ہیں۔ تاہم انسان کو اپنی لیاقتوں سے فیض یاب ہونے کے لئے، اور اپنی تنگ نظری، خودغرضی اور دیگر کمزوریوں پر قابو پانے کے لئے مادی حدود سے ماوراء رہنمائی کی بھی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے احساسات اور افکار کو ایک صحیح ترازو میں تول سکے۔ ایسی جامع اور حقیقی رہنمائی صرف اللہ سے ہی ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے جو ہر چیز کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو علم، منطق اور کسی قابل بھروسہ ذریعہ معلومات کے بغیر اللہ کی رہنمائی کے خلاف حجت بازی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ مانتے ہیں کہ انہیں اپنے آباؤاجداد کی روایتوں پر چلتے ہوئے ان کے ہی عقیدے اور سلوک پر عمل کرنا چاہئے۔ قرآن ایسی اندھی تقلید کی بار بار مذمت کرتا ہے جو انسانی عقل کی توہین کرتی ہے اور انسان کی انفرادیت اور پیش رفت کو ضائع کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس مکرم مخلوق کو جانوروں کی سطح پر رکھتی ہے جو کہ بس اپنے ریوڑ کے ساتھ ساتھ ہی چلتے رہتے ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾

ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین کو پیش کیا تو اُنہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ (۳۳:۷۲)

یہ ایک واقعہ ہے جو انسانوں کو یہ بتانے کے لئے قرآن میں بیان کیا گیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے وارث ہونے کی حیثیت سے، اور یہاں ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے جو بھروسہ انسان پر کیا ہے اسے جب انسان نظر انداز کرتا ہے تو وہ کس قدر گستاخ، غلط کار اور بے علم ہو جاتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو بھول کر اپنے مقام اور اپنی خوبیوں پر فخر جتانا انسان کی غیر مستقل مزاجی، انانیت اور تنگ نظری کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ انسان کو مقام و مرتبہ بخشا ہے اور اسے سمجھ بوجھ دی ہے اور ارادہ کی آزادی دی ہے لیکن وہ اپنا کردار حیوان کی طرح صرف حیاتیاتی سطح تک ہی محدود رکھتا ہے اور محض اپنی جسمانی جبلتوں اور تسکین کو پورا کرنے پر قناعت کئے رہتا ہے۔ انسانی ذمہ داری جو کہ انسان کو اس کی استعداد کی وجہ سے ملی ہوئی ہے اتنی بھاری ہے کہ کائنات اور اس کے عناصر اس کے بوجھ سے کانپ کر رہ گئے۔ انسان کو اللہ کی اس امانت کے تئیں پوری طرح باخبر رہنا چاہئے اور اللہ کے اس فضل کو زندگی اور اس دنیا (جس میں وہ رہتا ہے اور اپنی روزی حاصل کرتا ہے) کے جامع ارتقاء کے لئے استعمال کرنے کی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو اکرام بخشا ہے اسے اگر انسان بھلا دے گا اور اپنی ذمہ داری سے منھ موڑے گا تو یہ انسان کے لئے کتنی بے وقوفی کی اور ناحق بات ہوگی۔

وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا (لاغر) کر دیتے ہیں تو کیا یہ سمجھتے نہیں۔ (۳۶:۶۸)

یہ آیت انسان کو اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں اپنی جسمانی، نفسیاتی اور عقلی تبدیلیوں پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ بچپن میں انسان کی جسمانی اور عقلی لیاقتیں اپنے پورے عروج تک نہیں پہنچتیں، پھر وہ بڑا ہوتا ہے اور ترقی کرتا ہے اور اظہار ذات کے کچھ خاص نفسیاتی خصائص بھی عود کر آتے ہیں۔ پھر آخر میں، بڑھاپے کی حالت میں دوسری قسم کا اک بچپنا واپس لوٹ آتا ہے اور ویسی ہی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی کمزوریاں آ جاتی ہیں۔ چنانچہ لمبی عمر مجموعی طور سے لاحاصل ہی ہے۔ اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کو یہ دعا کرنی چاہئے: ''اے اللہ میں برے بڑھاپے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں'' ۔۔۔۔۔ نیز دیکھیں قبل ازیں مذکور آیات ۱۶:۷۰، ۲۲:۵ اور ان کی تفسیر]۔ انسان کو ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے جو تنہا ایک دائمی ہستی ہے اور قادر مطلق ہے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ زمین پر اس کی سرگرمی محدود اور متعین عرصہ کے لئے ہے، اور اس کی تمام تر طاقت اس زندگی کے بھی ایک مختصر حصہ کے لئے ہے کہ زندگی کا ابتدائی اور انتہائی وقت تو کمزوری کا وقت ہے۔ کوئی فرد ایک بار جب اس بات سے آگاہ ہو جائے تو اسے اپنی جوانی اور توانائی کا وقت اپنی اور دوسروں کی

بھلائی کے لئے لگانا چاہئے۔ بزرگوں اور معذوروں کی مدد جیسے خیر کے کاموں میں ہر فرد کی ذاتی خوبی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کے لئے اجتماعی کوششیں اور باہمی تعاون درکار ہوتا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے چار پایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں (پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟
(۶:۳۹)

انسان (مرد اور عورت دونوں) کی تخلیق کا ایک اور قرآنی حوالہ یہاں دیا گیا ہے کہ ایک زندہ وجود سے اولین تخلیق، پھر انسان کے عمل تخلیق کی نگرانی جس سے نسلی سلسلے جاری رہتے ہیں اور نوع انسانی کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جسم کی تخلیق و ترکیب کا عمل کئی مرحلوں سے گزرتا ہے اور ان مرحلوں کے دوران جو تبدیلیاں آتی ہیں وہ اتنی عظیم الشان ہیں کہ ہر مرحلہ اور اس میں ہونے والی پیش رفت کو ایک نئی تخلیق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے: ''پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا'' [۲۳:۱۴]۔ جنین ایک محفوظ حصار کے اندر نشونما پاتا ہے (۲۳:۱۳) جو قرآن کی رو سے تین اندھیرے پردوں سے گھرا ہوتا ہے۔ ان سے مراد وہ سیال چکنا مادہ ہوسکتا ہے جو جھلی کی طرح جنین کے چاروں طرف لپٹا ہوتا ہے اور جس کے اندر جنین کی پرورش ہوتی ہے، دوسرے پردے سے مراد رحم ہوسکتا ہے جس کے چاروں طرف نال لپٹی ہوتی ہے اور پینڈو تک جاتی ہے، اور تیسرے پردے سے مراد پیٹ کا نچلا حصہ ہوسکتا ہے۔

یہ آیت انسان کو زندہ مخلوقات کے ایک اور طبقہ کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے یعنی مویشی، جن کے اوپر انسان کا بہت کچھ دار و مدار ہے، خاص طور سے قبائلی اور ان میں بھی خصوصاً چرواہوں کا سماج، جیسے عرب کے لوگ جہاں سے اسلام کے پیغام کی ابتداء ہوئی، اپنی ضروریات زندگی کے لئے منحصر رہتے ہیں اور کھانا، پانی، کپڑا، اسباب رہائش اور ذریعہ آمدورفت ان مویشیوں سے حاصل کرتے ہیں [۱۶:۵ تا ۸، ۸۰]۔ آٹھ قسم کے مویشی ہیں جو دنیا کے زیادہ تر حصوں میں غالب تعداد میں پائے جاتے ہیں اور جن کا حوالہ قرآن کی آیتوں (۶:۱۴۳ تا ۱۴۴) میں بھی دیا گیا ہے، اور قدیم مفسرین یہ مانتے ہیں کہ وہ بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ ہیں جن کے جوڑے تعداد میں آٹھ ہوتے ہیں۔ انسان کو اپنی عقل سے یہ سوچنا چاہئے کہ اسے اللہ نے ضروریات زندگی کی اہم ترین چیزیں، ان مویشیوں کو ان کے تابع کر کے کس طرح فراہم کی ہیں اور رہنے، کھانے اور چلنے کے اسباب ان کے ذریعہ مہیا کر دئے ہیں۔ انسان کو خود اپنی تخلیق اور اپنے ارتقاء پر گہرائی سے غور کرنا چاہئے۔ لیکن بہت سے لوگ اپنی عقل کو سنجیدگی سے کام میں نہیں لاتے اور خالق کائنات کی طرف اشارہ کرنے والی ان صاف نشانیوں کو بے نیازی کے ساتھ سطحی نظروں سے دیکھتے گزر جاتے ہیں، اور اس طرح وہ خود اپنے دماغ اور اپنی عقل کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کرتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا

اور جنہوں نے اس سے اجتناب کیا کہ بتوں کو پوجیں اور اللہ کی طرف

اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

رجوع کیا تو ان کے لئے بشارت ہے تو میرے بندوں کو بشارت سنا دو جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقل والے ہیں۔

(۳۹:۱۷،۱۸)

یہ آیت ہر سمجھ دار انسان کو دو لازمی اصول بتاتی ہے۔ پہلا اصول یہ کہ برائی اور ناانصافی کرنے والی طاقتوں کے ساتھ وابستگی اختیار کرنے سے بچیں۔ آیت میں عربی کا لفظ ''طاغوت'' استعمال ہوا ہے جو عربی کے اسم فعل طغٰی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے زیادتی کرنا، حد سے گزر جانا۔ اس معنیٰ میں یہ لفظ صرف بتوں تک ہی محدود نہیں رہتا، جیسا کہ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں بتوں کو پوجا کرتے تھے اور بہت سے قدیم مفسرین نے اس کا یہی مطلب لکھا بھی ہے، بلکہ اس سے مراد برائی کی وہ تمام طاقتیں بھی لی جاسکتی ہیں جو طاقت کے نشہ میں چور ہو کر لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتی ہیں [دیکھیں ۲:۲۵۶ تا ۲۵۷؛ ۴:۷۶؛ ۱۶:۳۶]۔ البتہ بتوں کی پوجا اور ان کو قدرت و طاقت والا ماننے کی نامعقول بات خود عقل انسانی کی زبردست توہین ہے اور ایک ایسی برائی ہے جس سے اور بہت سی برائیاں پنپتی ہیں [۶:۱۳۸ تا ۳۹، ۱۴۸؛ ۱۶:۳۵،۱۱۶]۔

اس کے بعد والی آیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے سامنے جو خیال یا رائے پیش کی جائے اسے وہ سنجیدگی سے سنے اور اس پر غور کر کے، اسے اچھی طرح جان کر اس کے بارے میں خود فیصلہ کرے اور پہلے سے کوئی رائے بنا کر نہ رکھے نہ کسی ذاتی یا گروہی تعصب میں اسے رد کرے۔ تاہم مختلف خیالات و نظریات کو سننا اس پختہ اخلاقی عزم کے ساتھ ہونا چاہئے کہ عقلی، اخلاقی اور مادی لحاظ سے جو بات سب سے زیادہ قابل قبول ہوگی اسے ہی قبول کرنا اور اسی کی تائید و حمایت کرنا ہے۔ قرآن انسانوں سے یہ نہیں چاہتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اسلام کی طرف دوڑ لگا دیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل کا احترام کرے اور اسے مناسب طریقے سے کام میں لائے پھر جس نتیجہ پر بھی وہ پہنچے اور جو بھی فیصلہ کرے۔ جیسا کہ خود محمد ﷺ نے فرمایا: عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے بس وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ [بخاری، مسلم، ابن حنبل، ابوداؤد، الترمذی، النسائی، ابن ماجہ]

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحیں سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ (۳۹:۴۲)

قرآن بار بار زندگی و موت کا اور سونے و جاگنے کا تذکرہ کرتا ہے [۳:۱۴۵،۱۵۶؛ ۷:۲۵،۱۵۸؛ ۱۰:۵۶؛ ۲۵:۴۷؛ ۳۰:۲۳،۴۰؛ ۴۰:۱۱،۶۸؛ ۴۵:۲۶؛ ۴۳:۵۰؛ ۷۸:۹ تا ۱۱]۔ مذکورہ بالا آیت میں موت اور سونے کے عمل کو ایک جیسا بتایا گیا ہے کیوں کہ موت کی حالت میں انسان کا شعور پوری طرح اور ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا ہے، جب کہ نیند کی حالت میں شعور جزوی اور عارضی طور پر سویا ہوا ہوتا ہے۔ نیند میں خواب آتے ہیں، جو کچھ انسان کے شعور کی حالت میں اس پر گزرتا ہے یا اس کے اردگرد پیش آتا ہے وہ

اسے خواب میں نظر آتا ہے لیکن موت روح کو وہ کچھ دکھاتی ہے جو حواس کے ذریعہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ سونا اور جاگنا انسانی ذہن کے لئے یہ سمجھنے میں مددگار ہو سکتا ہے کہ جس طرح سونے کے بعد انسان جاگتا ہے اسی طرح موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی ممکن ہے، اگرچہ کہ سونے اور موت میں بہرحال فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ پہلی بار جسم کو زندگی بخشتا ہے اس انداز سے کہ وہ نیند کی حالت میں عارضی طور پر معطل ہوجاتی ہے، اور موت کے وقت مکمل طور پر منقطع ہوجاتی ہے۔ زندگی کے ان سارے حقائق کا اگر مشاہدہ کیا جائے اور اس کو اپنی گرفت ادراک میں لیا جائے تو ابدی زندگی کا تصور کیا جا سکتا ہے اور وہ لوگ جو اپنی عقل کا استعمال کرتے ہیں اور سنجیدگی سے غور وفکر کرتے ہیں اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے (میرے) علم (ودانش) کے سبب سے ملی ہے (نہیں) بلکہ وہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (۳۹:۴۹)

انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے نقائص پر توجہ نہیں کرتا۔ محنت ومشقت سے انسان کو اپنی حدود کا احساس ہوتا ہے اور پھر وہ اس قوت حقیقی سے آگاہ ہوتا ہے جو پوری انسانیت اور پوری دنیا کو کنٹرول کرتی ہے۔ لیکن جب مشکل وقت گزر جاتا ہے تو انسان عموماً خود کو ملنے والا سبق بھول جاتا ہے۔ زندگی جب دوبارہ شروع ہوتی ہے تو انسان یہ بھول جاتا ہے کہ کامیابی اور خوشحالی اللہ کی طرف سے ہے جس کا انسان کو شکر گزار ہونا چاہئے اسی توجہ کے ساتھ جس توجہ اور انہماک سے مشکل حالات میں اس کو پکارتا ہے، اس کے بجائے وہ یہ شیخی بگھارنے لگتا ہے کہ اس نے اپنی ہوشیاری اور جان کاری سے یہ کامیابی اور خوشحالی حاصل کی ہے۔ راحت وسہولت کی حالت میں بھی اللہ کی شکر گزاری اسی طرح ہونی چاہئے جس طرح پریشانی اور مشکل کے وقت اسے پکارا جاتا ہے [دیکھیں ماقبل مذکور آیات [۱۰:۱۲، ۱۴:۳۴، ۳۳:۲:۷۲ مع تفسیر]۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔
(۴۵:۲۳ تا ۲۴)

اللہ کی رہنمائی انسانی فطرت کی ضرورت ہے، جس کا وہ خالق ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، اور اسی لئے فرد اور سماج کے لئے جو چیز

نفع بخش اور مفید ہوتی ہے اس کی وہ حفاظت کرتا ہے۔ جب انسان اللہ کی رہنمائی کو نظر انداز کرتا ہے اور اپنی خواہشات پر چلتا ہے جو کہ تنگ نظری اور خود پسندی پر ٹکی ہوتی ہیں تو یہ چیز فرد اور سماج کو بالآخر مجموعی طور سے نقصان پہنچاتی ہے۔ انسانی عقل کے مستقل غلط استعمال اور آزادروی سے غلط فیصلے اور غلط سلوک کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے جو کہ خود اسی غلط استعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی طرح افراد کا اپنی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی واخلاقی وروحانی طاقتوں کے بے جا استعمال سے ''کان اور دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔'' جب انسان صحیح علم اور صحیح فیصلوں کے لئے اللہ کی دی ہوئی تمام صلاحیتوں کو منجمد کر دیتا ہے تو اس کی اپنی بے بصیرتی اور خود غرضانہ رویہ بالآخر اس کی اپنی تباہی کا سبب بنتے ہیں، اور پھر کون ہے جو علیم وخبیر خالق کی رہنمائی سے محروم ایسے شخص کی کوئی مدد کر سکے؟

کچھ لوگ اپنے خود غرضانہ اور مادی فلسفہ کے جواز دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ اس دنیا سے ماوراء ہے اس پر ایمان لانے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، آرزوؤں، مفروضوں اور سطحی علم پر چلتے ہیں۔ جب کہ اس کائنات کا باہمی ربط اور تعلق، اس کا مسحور کن منظر نامہ اور نظم وترتیب، ایک حکمت اعلیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس نے اس کائنات کو بے مقصد نہیں بنایا ہے، اور انسانی زندگی کو انصاف کی تکمیل کے بغیر ختم نہیں کرے گا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آ ؤ گے؟ تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اُس کی شان) اس سے اونچی ہے،۔۔۔۔۔۔۔(۱۳: ۱۱۵ تا ۱۱۶)

اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ وَ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ﴿۳۸﴾ وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ﴿۴۱﴾ وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۴۲﴾

کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی؟ اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا۔ یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور یہ کہ تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ (۵۳: ۳۶ تا ۴۲)

مذکورہ بالا آیات دنیا کی اس زندگی میں اللہ کے نظام انصاف کے اصول بیان کرتی ہیں اور اللہ کے قانون یعنی شریعت و آخرت کے یوم الحساب سے باخبر کرتی ہیں۔ ان اصولوں پر اللہ کے متواتر پیغامات میں بار بار زور دیا گیا ہے، جن میں ابراہیم اور، موسیٰ علیھما السلام کے پیغام کا یہاں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا تمام پیغمبروں میں ایک ممتاز مقام ہے کہ انھوں نے، جہاں کہیں بھی وہ گئے، ایک اللہ کی عبادت کرنے کی تلقین کی، اور ایک ایسے پیغمبر کی حیثیت سے جنھوں نے توحید کی روایت کو اپنے بیٹوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور ان کی اولادوں کے ذریعہ مضبوطی سے قائم کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے حوالہ سے جانا جاتا ہے جن میں خاص طور سے ان کے دس احکامات شامل ہیں۔

اس الٰہی انصاف کا لازمی اصول، جیسا کہ درج بالا آیات میں اشارہ ملتا ہے، یہ ہے کہ کسی بھی فعل کا بوجھ اور ذمہ داری اسی پر ہوگی جس نے وہ فعل کیا ہوگا، اور کسی دوسرے کو نہ تو اس دنیا میں اور نہ آخرت میں جواب دہی کے وقت اس کے لئے ذمہ دار بنایا جائے گا چاہے وہ خود کو اس کے لئے خود کو رضا کارانہ ہی پیش کرے۔ انسان اپنی نیتوں کے لئے اور اپنی کوششوں کے لئے جواب دہ ہوگا اور فیصلہ کے وقت انسان کے اعمال تولے جائیں گے نا کہ اس کے دعوے اور نہ کسی دوسرے کے اعمال، چاہے کوئی اس کا کتنا بھی قریبی رہا ہو۔ یہ ہے اللہ کا

اصول انصاف جو اس دنیا میں بھی لاگو ہوتا ہے۔ فیصلہ کے دن اللہ تعالیٰ تن تنہا ہی انسان کی تمام کوششوں اور نیتوں کا اس کے تمام حالات کے مطابق فیصلہ کرے گا، یہ فیصلہ پوری طرح مکمل ہوگا اور وہ اکیلا ہی ہر چیز کے انصاف کے ساتھ کرے گا۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ — انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا (۵۵:۳تا۴)

حضرت آدم کی تخلیق کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے نوع انساں کو بیان یعنی اظہار کی صلاحیت دی ہے اور ساتھ ہی عقل بھی بخشی ہے۔ ان عقلی اور لسانی قوتوں کے ساتھ انسان کو آزاد مرضی کا بھی حامل بنایا گیا ہے اور انسان کے ذہن میں جو خیالات آتے ہیں انہیں اظہار کے لئے منتخب کرنا اور ان کے اظہار کے لئے الفاظ کا انتخاب کرنا بھی انسان کے آزاد اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ انسان کے اندر پھونکی گئی روح اور انسان کی عقلی و لسانی اہلیتوں کے درمیان ایک پختہ تعلق ہے۔ سوچنے اور بولنے کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے کام لے کر انسان کہنے یا کرنے کے لئے جس بات کا انتخاب کرتا ہے اس کے لئے وہ جواب دہ ہے [۵۰:۱۸]۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۙ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۙ﴿۲۰﴾ وَّ اِذَا مَسَّهُ الۡخَیۡرُ مَنُوۡعًا ۙ﴿۲۱﴾ اِلَّا الۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۲۲﴾ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ۪ۙ﴿۲۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ۪ۙ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ۪ۙ﴿۲۵﴾

کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ مگر نماز گزار، جو نماز کا التزام رکھتے (اور بلا ناغہ پڑھتے) ہیں اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے۔ (یعنی) مانگنے والے کا اور (نہ مانگنے والے) محروم کا۔ (۷۰:۱۹تا۲۵)

یہ آیات انسان کی خودی کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز میں انسان کی کمزوریاں اور اس کی بندشیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ناموافق حالات میں انسان دل برداشتہ ہوجاتا ہے اور خود کو لاچار سمجھنے لگتا ہے اور اپنی مصیبتوں کی بپتا بیان کرنے لگتا ہے۔ سکون و خوش حالی میں متکبر ہوجاتا ہے اور دوسروں کی ضروریات کو بھول جاتا ہے اور اپنی کوتاہیوں و ناکامیوں کو فراموش کردیتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے وہ اپنی جگہ مستقل طور سے درست آدمی ہے اور اپنی خصوصی استعداد سے وہ کامیابی کا حق دار ہے۔

جو لوگ اللہ کی عبادت پر قائم رہتے ہیں وہ اپنے اس روحانی قطب نما کو استعمال کرتے ہیں جو کہ اللہ نے ہر انسان کو اپنے اندر اعتدال اور استحکام پیدا کرنے کے لئے بخشا ہے، وہ اللہ کی رہنمائی کی بدولت زندگی کے اتار چڑھاؤ کا سامنا معتدل ذہن کے ساتھ کرنے کے اہل بنتے ہیں۔ عبادت پر قائم رہنے کا مطلب محض کچھ مخصوص مذہبی رسموں کو ادا کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کے حوالے کردینا اور اس کی رہنمائی کو قبول کرلینا ہے، اور اللہ کے وجود پر حقیقی ایمان رکھنا ہے۔ عبادات کے ذریعہ اللہ سے ایسا قریبی تعلق پیدا ہونے سے انسان کے اندر استحکام آتا ہے اور کامیابی و ناکامی دونوں حالتوں میں انسان کا جوش اور توانائی قائم رہتی ہے۔ اللہ سے اس طرح کا تعلق رکھنے والا شخص صالحیت یعنی صحیح طرز عمل کی تبلیغ کرتا ہے اور اپنے حلقہ تعلق میں رہنے والے سبھی لوگوں کے لئے نفع رساں ہوتا ہے، کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے [۲۹:۴۵]۔ صالحیت اور اچھائی کی واضح علامتیں جو کہ اللہ کے سامنے مستقل طور سے سربسجود ہونے اور نماز میں اس سے ہم کلام ہونے سے فروغ پاتی ہیں، وہ ہیں دوسروں کے حقوق کو پہچاننا، ضرورت مندوں یا اپنے حقوق سے محروم لوگوں کی مدد کرنا اور جو لوگ اپنی ضروریات زندگی اور کسب

معاش کے پورے حقوق اور اپنا جائز حصہ حاصل کرنے کی اہلیت سے محروم ہوں، انہیں حسب استطاعت دینا[۵۱:۱۹؛ ۷۰:۲۴،۲۵]۔ اور جسمانی یا عقلی مدد تو انسان بہر حال کسی بھی معاملے میں دوسروں کو دے سکتا ہے۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے کا ذکر نماز کے ساتھ جوڑ کر قرآن کی ۲۶ آیتوں میں آیا ہے اور ان عبادات کو لاحاصل باور کرایا گیا ہے جن سے انسان کے اندر دوسروں کی تئیں خیر خواہی اور فکر مندی کا جذبہ پرورش نہیں پاتا [دیکھیں سورۃ ۱۰۷ کی تمام آیات]۔

وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ؕ۝۲ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ۝۳ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝۴

اور نفس لوامہ کی قسم (کہ سب لوگ اٹھا کر) کھڑے کئے جائیں گے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے؟ ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔ (۷۵:۲ تا ۴)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، قرآن نے نفس انسانی کے تین پہلو بتائے ہیں، ایک برائی پر اکسانے والا، ملامت کرنے والا اور انسان کو اطمینان و قناعت کا احساس دلانے والا [۱۲:۵۳، ۷۵:۲، ۸۹:۲۷ بالترتیب]۔ تحلیل نفس کا نظریہ نفس انسانی کی مزید تین اقسام بتاتا ہے، آئی ڈی، جو کہ پوری طرح تحت الشعور میں ہے اور جبلی ضرورتوں اور خواہشات سے پیدا ہونے والی نفسی توانائی کا منبع ہے، دوسرا 'سپر ایگو' جو جزوی طور سے شعور کا حصہ ہوتا ہے اور آباء سے نیز سماجی اصولوں سے منتقل ہونے والے تمیز برائی و بھلائی کی نمائندگی کرتا ہے اور اخلاقی قدروں کے نظام کے توسط سے جزاء سزاء کے طور پر کام کرتا ہے، یعنی ضمیر اور احساس جرم، اور تیسرا ایگو، جو حقیقت کے تئیں ایک لگے بندھے اخلاقی رویہ کو ظاہر کرتا ہے اور حقیقت کو اپنانے یا نہ اپنانے اور اس کے تئیں نظریہ بنانے کا کام کرتا ہے۔

انسان کی جسمانی ساخت اور انسانی نفسیات اور روحانیت میں اللہ کی تخلیق کے عجائبات کی واضح علامتیں نظر آتی ہیں۔ جیسے انگلی کی حیرت انگیز بناوٹ اور اس کے کام، کہ اس نے انسانی تہذیب کے ارتقاء میں براہ راست یا بالواسطہ طریقے سے زبردست رول ادا کیا ہے۔ چیزوں کو پکڑنے اور حرکت میں لانے کا کام انگلیوں سے لیا جاتا ہے، فن کارانہ کاموں میں انگلیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ انگلی کے لمس سے چیزوں کی حدت و سردی کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور دوسرے کسی انسان کو یا جانوروں کو اپنے نجی جذبہ اور احساس منتقل کیا جا سکتا ہے۔ انگلیوں کے پوروں پر موجود انگلیوں کے نشان (فنگر پرنٹس) شناخت کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ انسانی جسم کا یہ ایک چھوٹا سا حصہ ہی کتنا اہم ہے اور اللہ کی تخلیق کا کیسا عظیم شاہ کار ہے۔

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِهٖ بَصِیۡرَةٌ ۙ۝۱۴ وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَهٗ ؕ۝۱۵

انسان اپنے نفس پر خود ہی گواہ ہے، خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔ (۷۵:۱۴،۱۵)

انسان اپنے احساسات سے، اپنے رجحان سے اور اپنی نیتوں سے باخبر ہوتا ہے، اگرچہ کہ وہ اپنے بہت سے افعال پر معذرت خواہی کے لئے اپنی عقلی لسانی صلاحیت کو استعمال کرتا ہے اور اپنے اصل مقاصد کو چھپاتا ہے۔ لیکن خود کو فریب دینے سے یا دوسروں کو فریب میں مبتلا کرنے سے آخر کار کوئی فائدہ نہیں۔ ایک نہ ایک دن آدمی کا اندرون ظاہر ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس نے اپنے اندر چھپا رکھا ہوتا ہے وہ براہ راست یا بالواسطہ سامنے آجاتا ہے۔ فیصلہ کے دن، آدمی خود اپنے خلاف گواہی دے گا: ''۔۔۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ

جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی دوسرے اعضاء) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے [۴۱: ۲۰]۔

اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى ؕ۝۳۶ اَلَمۡ يَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِىٍّ يُّمۡنٰى ۙ۝۳۷ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ۝۳۸ فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَ الۡاُنۡثٰى ؕ۝۳۹ اَلَيۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡـىِۦَ الۡمَوۡتٰى ۝۴۰

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا؟ پھر لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد اور (ایک) عورت۔ کیا اس خالق کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مُردوں کو جلا اٹھائے؟ (۷۵: ۳۶ تا ۴۰)

اپنی حیرت انگیز جسمانی، نفسیاتی، عقلی اور روحانی ترکیب اور کثیر جہتی زندگی کے ساتھ انسان آخر یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ وہ اپنی تمام طاقتوں کو جیسے چاہے استعمال کرے کوئی اس سے جواب لینے والا نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے اعمال اور نیتوں کے لئے جواب دہ بناتا ہے اور ہر انسان کو وہ اس کی موت کے بعد اٹھا کھڑے کرے گا۔ اگر مرد اور عورت کے جنسی تعلق سے ایک چلتا پھرتا انسان وجود میں آ سکتا ہے تو پھر اس بات میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک بنی بنائی مخلوق کو موت دے کر دوبارہ اٹھا کھڑا کرے۔

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا ۝۱ اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوۡرًا ۝۳

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سننے، دیکھنے والا بنا دیا۔ (اور) اسے رستہ بھی دکھا دیا (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا۔ (۷۶: ۱ تا ۳)

یہ کائنات تو اس وقت وجود میں آئی جب انسان کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا، اس لئے کائنات کے موازنہ میں انسان کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں: ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' [۴۰: ۵۷]۔ دوسری طرف انسان ایک غیر معمولی مخلوق ہے باوجود اپنے عجز وکمزوری کے کہ اسے ابتداء میں مٹی کے پتلے سے بنایا گیا اور پھر مرد کے نطفہ کی ایک بوند اور عورت کے بیضہ سے اس کی نسل چلی۔ انسان کو غیر معمولی خصوصیات اور خوبیاں بخشی گئی ہیں اور جسمانی، عقلی و روحانی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ پھر ان صلاحیتوں اور قوتوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا اختیار دیا گیا کہ وہ خود اور اپنے چاروں طرف بسی دنیا کو چاہے تو بنائے یا چاہے تو بگاڑے۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور انسان کی روحانی استعداد آدمی کو صالح اعمال اور تعمیری کاموں کی طرف تحریک دے کر اور تخریب کاری، انانیت اور کم نظری سے بچا کر تعمیر کی طرف لے جا سکتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ ۙ۝۶ الَّذِىۡ خَلَقَكَ فَسَوّٰٮكَ فَعَدَلَكَ ۙ۝۷ فِىۡۤ اَىِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ۝۸ كَلَّا بَلۡ تُكَذِّبُوۡنَ بِالدِّيۡنِ ۙ۝۹

اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟ (وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا۔ اور جس صورت میں

چاہا تجھے جوڑ دیا۔ (۶:۸۲ تا ۸)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو ایک متناسب جسم دیا اور اسے مختلف قسم کی قوتیں دیں اور وسائل دیئے جن سے کام لے کر وہ اپنی عظیم انسانی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتا ہے اور دنیا کی اس زندگی میں اپنا رول ادا کر سکتا ہے۔ اپنی ہمہ جہت قوتوں اور لیاقتوں سے کام لے کر انسان خود اپنے کو بھی ترقی دے سکتا ہے اور اپنے مادی وسماجی ماحول کو بھی ترقی دے سکتا ہے۔ ان متوازن عقلی اور نفسیاتی و روحانی قوتوں کو پہچان کر انسان کو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے جو اگر چاہتا تو کسی اور شکل میں بھی پیدا کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کر کے ایک متوازن اور کارآمد وجود بنایا۔ اس کی شکر گزاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان انسانی قوتوں اور استعداد کو ایک جامع انسانی ترقی کے لئے استعمال کیا جائے اور دنیا کے اسباب ووسائل کو خود غرضی، کم نظری اور ناانصافی کے بغیر مجموعی ترقی دی جائے۔

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾

اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا۔ (۶:۸۲)

زندگی کو اگر آخرت کی ابدی زندگی سے الگ کر دیا جائے جو کہ جزائے عمل کی جگہ ہے اور جس کی امید اللہ نے دلائی ہے، تو دنیا کی یہ زندگی مشکلوں اور مشقتوں سے بھری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ، نظموں، کہانیوں اور فلسفوں کی شکل میں تشکیکی اور الحادی ادب ہر زمانہ میں کچھ دماغوں نے دیا ہے، ان دماغوں نے اللہ سے امید کا یہ رشتہ ختم کر دیا، اور اس وجہ سے شک اور بے یقینی پیدا ہوئی۔ اس زندگی میں ایسا ہو سکتا ہے کہ اچھے لوگ دشواریوں اور دقتوں میں مبتلا رہیں اور برائی کے خوگر لوگ خوب پھلیں پھولیں، اور اس زندگی کا عرصہ بھی اتنا کم ہے کہ تمام انفرادی اور اجتماعی صلاحیتیں پوری طرح بروئے کار نہیں آپاتی ہیں یا انصاف اور امن کے تمام تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ فطری ہے کہ ایک اور زندگی ہو جہاں انصاف مکمل ہو اور انسانی استعداد کی تکمیل ہو، جہاں وہ لوگ جو یہاں ناانصافی کی اذیتیں جھیلتے ہیں وہ راحت و مسرت کو حاصل کر سکیں، اور وہ لوگ جو یہاں ناجائز اور ظالمانہ طریقوں سے موج مستی کر رہے ہیں وہ اپنی غلط کاریوں پر پچھتائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصاف کی ایک ایسی ضمانت ہے جو انسان کے لئے بجا طور پر ایک امید پیدا کرتی ہے اور آخرت کی ابدی زندگی پر انسان کا یقین مستحکم کرتی ہے۔

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۙ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۚ﴿۳۰﴾

اے اطمینان پانے والی نفس! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔ (۸۹:۲۷ تا ۳۰)

انسان کے سفر زندگی کا بہترین خاتمہ یہ ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کی طرف پورے اطمینان اور سکون کی حالت میں لوٹے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، ہر انسان کی نفس کے تین پہلو ہیں، اکسانے والا نفس، ملامت کرنے والا نفس اور داخلی سکون وطمانیت بخش نے والا نفس جس کی طرف اوپر کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ تین پہلو انسانی نفسیات کے تین دائروں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو تحلیل نفس کی تھیوری میں بیان کئے گئے ہیں: آئی ڈی، سپرا یگو، اور ایگو (دیکھیں ماقبل مذکور آیات ۱۲:۵۳، ۷۵:۲، اور ان کی تفسیر] لیکن ان کا موازنہ کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍؕ ﴿۴﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ
یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌۘ ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًاؕ ﴿۶﴾
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌؕ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ
عَیْنَیْنِۙ ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِۙ ﴿۹﴾ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِۚ ﴿۱۰﴾

ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے۔ کیا وہ خیال رکھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا؟ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال برباد کیا۔ کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟ ۷۔ بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟ (یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔ (۹۰: ۴ تا ۱۰)

زندگی محنت و مشقت سے بھری ہوئی ہے اور زندگی کو ٹھیک سے گزارنے کے لئے آدمی کو خود پر قابو رکھنے کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ البتہ جن لوگوں اس دنیا میں اختیار اور وسائل حاصل ہوجاتے ہیں وہ اس فریب میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ان کی یہ خوشحالی ہمیشہ کے لئے ہے اور انہیں یہ وسائل و اختیارات کس طرح حاصل ہوئے ہیں یا اس طاقت و دولت کا استعمال وہ کس طرح کرتے ہیں، اس کی کوئی جواب دہی انہیں نہیں کرنی ہے۔ آدمی جب ان چیزوں کا عادی ہوجاتا ہے اور تکبر میں انہیں اپنے لئے ایک استحقاق سمجھنے لگتا ہے تو وہ اللہ کے فضل کو بھول جاتا ہے جس نے انسان کو جانوروں سے ممتاز کیا ہے، اور اپنی آنکھوں کو جن سے وہ دیکھتا ہے، اپنی زبان اور ہونٹوں کو جن سے وہ بولتا ہے، اور خاص طور سے اپنی عقلی اور اخلاقی و روحانی لیاقتوں کو جن سے وہ صحیح اور غلط کی تمیز کرسکتا ہے، اپنی ملکیت سمجھنے لگتا ہے۔

انسان اللہ کی ان تمام نعمتوں کے لئے جواب دہ ہے اور اس جواب دہی کا خیال اسے اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے، چاہئے وہ کتنا ہی طاقت ور ہو یا دولت مند ہو۔ یہ زندگی اپنی تمام راحتوں کے ساتھ ختم ہوجائے گی اور جنھوں نے زندگی کے ان اتار چڑھاؤ میں خود پر قابو رکھا ہوگا، اور اس کی سختیوں اور مزاحمتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا ہوگا، اور اپنی قوت و دولت کو استعمال کرتے ہوئے لالچ سے بچے ہوں گے انہیں اس دنیا میں بھی اس کا بدلہ ملے گا اور آخرت میں بھی انعام سے نوازے جائیں گے۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جن کی دولت اور قوت نے ان میں تکبر و گھمنڈ پیدا کردیا ہوگا، آخر کار نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۪ۙ ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۪ۙ ﴿۸﴾
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۪ۙ ﴿۹﴾ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ ﴿۱۰﴾

اور انسان کی اور اس کی جس نے اس (کے اعضاء) کو برابر کیا۔ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مُراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔ (۹۱: ۷ تا ۱۰)

وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىۙ ﴿۱﴾ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىۙ ﴿۲﴾ وَ مَا
خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤىۙ ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰىؕ ﴿۴﴾ فَاَمَّا
مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰىۙ ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ
لِلْیُسْرٰىؕ ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰىۙ ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ

رات کی قسم جب (وہ دن کو) چھپا لے، اور دن کی قسم جب چمک اٹھے، اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کئے؛ تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔ تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک

بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾ؕ وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ؕ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ۖ

بات کو جھوٹ سمجھا اسے سختی میں پہنچائیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ ہمیں تو راہ دکھا دینا ہے اور آخرت اور دنیا ہماری ہی چیزیں ہیں۔

(۹۲:۱ تا ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو موثر کارکردگی کے لائق بنایا ہے، اور اس بات کو متعدد جسمانی، عقلی، اور نفسیاتی و اخلاقی و روحانی قوتوں سے اور انسانی زندگی کو نیز دنیا کو ترقی دینے کے مشن کو پورا کرنے کی صلاحیتیں دے کر ثابت کیا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی انتہا یہ ہے کہ اس نے انسان کو ارادہ کی آزادی دی ہے اور اسے عقلی و اخلاقی اور روحانی صلاحیتیں بخشی ہیں جو اسے صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے لائق بناتی ہیں۔ تاہم نفس انسانی میں صحیح طرز عمل اختیار کرنے اور پاک رہنے کی پوری قوت پیدا کرنے کے لئے مستقل کوشش ضروری ہے کیوں کہ برائی کی ترغیب اور اخلاقی کمزوریوں کی ودیعت کردہ فطرت کی وجہ سے، جو کہ اسے اپنی آزاد مرضی کو برتنے کے لئے اسے دی گئی ہے، اسے مستقل ایک چیلنج درپیش رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی انسان کو اپنے نفس کی پاکی اور اخلاقی خوبیاں بنائے رکھنے کی مستقل کوشش میں مددگار ہوتی ہے اور برائی کے جال میں پھنسنے سے بچانے کے لئے اس کی نگرانی کرتی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ۚ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿۵﴾ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ؕ

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اسے الٹا پھیر کر سب نیچوں سے نیچ کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔ (۹۵:۴ تا ۶)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر چلنے پھرنے، اسے ترقی دینے اور زمین پر تہذیب کو فروغ دینے کے لائق بنایا ہے۔ اسے مختلف قسم کی طاقتیں اور لیاقتیں دی گئی ہیں جو متوازن و متناسب ہیں اور باہمی طور پر مربوط ہیں اور اسے اس زندگی میں اپنا انسانی مشن پورا کرنے کے لائق بناتی ہیں۔ لیکن جب تک انسان کی مرضی اور خواہش اپنی عقل اور اخلاقی و روحانی قوتوں کو مناسب طریقے سے استعمال کرنے کی پابند نہیں ہوگی تب تک انسان صرف اپنی حیوانی ضرورتوں کو ہی جانوروں کی طرح پورا کرتا رہے گا [دیکھیں ماقبل مذکور آیات ۷:۱۷۹، ۲۵:۴۴ اور ان کی تفسیر]۔ اللہ کی رہنمائی انسان کو اپنی جبلی استعداد کو جو کہ باری تعالیٰ نے اسے بخشی ہے، برقرار رکھنے اور اس دنیا میں زمین پر اپنا انسانی مشن پورا کرنے اور اپنی منزل موعود و نصب العین کو پانے کے لئے ہے۔ جو لوگ اس رہنمائی کی اتباع کرتے ہیں انہیں اس دنیا میں سکون و اطمینان اور دوسروں کی محبت حاصل ہوتی ہے، اور آخرت کی ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے لازوال انعامات حاصل ہوں گے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾ؕ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ

اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ جب کہ

لَيَطْغٰۤى ۙ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى ؕ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى ؕ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ (اس کو) تمہارے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۹۶:۱تا۸)

یہ وہ پہلی آیات ہیں جو پیغمبر ﷺ پر ان کے مشن اور پیغام کے سلسلے میں نازل ہوئی تھیں، اور اس طرح یہ آیات اسلام کے اولین پیغام اور انسانیت کی فلاح کے لئے اللہ کی پکار کا ابتدائیہ ہیں۔ یہاں اللہ تعالی انسان کو اس کی پیدائش کی حقیقت یاد دلاتا ہے: یعنی نطفہ اور بیضہ کے ملے ہوئے جرثومہ سے، جو اگر چہ بہت مہین ہوتا ہے، لیکن اس میں بیش بہا انسانی قوتوں کا خزانہ ہوتا ہے، جن میں سب سے اعلی چیز انسانی دماغ اور ارادہ و مرضی کا اختیار ہے۔ انسان کو قوت گویائی بخشی گئی ہے جن سے وہ ان تمام چیزوں کا نام لیتا ہے جن سے اس کا سابقہ پڑتا ہے (دیکھیں ماقبل مذکور آیت ۲:۱۳۱ اور اس کی تفسیر)۔ اسے اللہ نے یہ اہلیت بھی دی کہ وہ الفاظ کو تحریری علامتوں میں بھی بدل سکتا ہے، اور اس طرح انسان کو اس قابل بنایا گیا کہ وہ جو کچھ جانے اسے ضبط تحریر میں لاکر محفوظ کرے اور اس محفوظ شدہ مواد کو دوسروں تک پہنچائے، یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو تہذیب کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لئے ضروری چیز بن گیا۔ انسان کو قلم کا استعمال سکھا کر اور علم حاصل کرنے نیز اس کی اشاعت کرنے کی لیاقت دے کر اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو کرہ ارض پر ایک جگہ سے دوسری جگہ اطلاعات کو پہنچانے اور ان کا تبادلہ کرنے میں مدد دی۔ قرآن کی یہ ابتدائی آیات زمین پر انسان کے اس تہذیبی کردار پر زور دیتی ہیں، جہاں اسے اللہ کی خلافت کی ذمہ داری نبھانے کا ذمہ سونپا گیا ہے۔

انسان کی عقل، علم، گویائی، تحریر سمیت تمام کثیر جہتی صلاحیتیں اسے قوت و طاقت اور خود انحصاری کا احساس دلاتی ہیں اور وہ حدود کو پھلانگنے اور دوسروں کے حقوق پامال کرنے میں لگ جاتا ہے۔ ایسے متکبر شخص کو یہ آیات یاد دلاتی ہیں کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں تو اپنی خواہشات پوری کر سکتا ہے لیکن تمام انسانوں کو آخر کار ضرور بالضرور اپنے مالک کی طرف پلٹنا ہے اور ہر فرد کو اس دنیا میں اپنے تمام کاموں کی جواب دہی یقینی طور سے آخرت کی لازمی زندگی میں کرنی ہی ہوگی۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَـكَنُوۡدٌ ۚ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۚ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ؕ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس (اور ناشکرا) ہے، اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔ وہ تو مال کی محبت میں شدید ہے۔ (۱۰۰:۶تا۸)

یہ آیات دنیا کے آرام و آسائش اور مال کی محبت کو اجاگر کرتی ہیں جن کی طرف انسان مائل رہتا ہے لیکن یہ ایک ایسا رویہ ہے جس میں خالق حقیقی کی تئیں شکر گزاری نہیں ہے جو زندگی کی آسائشیں اور لطف و آرام فراہم کرتا ہے۔ اس دنیا کی راحتوں کی طرف راغب رہنے کا یہ رویہ آدمی کو عموماً اعتدال اور انصاف کی فکر سے دور لے جاتا ہے اور وہ اس زندگی کی آسائشوں اور دولت مندی میں مبتلا ہو کر ان لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو واقعی ضرورت مند ہوتے ہیں اور اس مالک کو بھول جاتا ہے جس نے یہ دولت دے کر اسے اس آزمائش میں ڈالا ہے کہ وہ اپنی دولت کو کس طرح استعمال کرتا ہے اور ان لوگوں سے کیسا برتاؤ کرتا ہے جو ضروریات زندگی کے محتاج ہیں۔ لیکن جب وہ وقت آئے گا جو اس زندگی میں بھی کبھی آ سکتا ہے اور آخرت میں تو یقینی طور سے آئے گا تو وہ اپنی اس ناعاقبت اندیشی، خود غرضی اور لالچ کا اعتراف کریں گے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالی کی ڈالی گئی آزمائش میں ناکام ہوئے، دوسروں کے حقوق کو نظر انداز کیا اور اللہ کے فضل کا غلط استعمال کیا۔ لیکن یہ پچھتاوا اگر اس وقت ہوا جب یہ زندگی ختم ہو رہی ہوگی تو بہت دیر ہو چکی ہوگی اور کوئی ندامت اور توبہ کسی کام نہ آئے گی۔

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

زمانے کی قسم! کہ انسان نقصان میں ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔ (۱۰۳:۱ تا ۳)

انسان کی صلاحیتوں کے محدود ہونے اور اس کی کم نظری کی وجہ سے، جلد بازی، لالچ اور خود غرضی اسے بالآخر مکمل طور سے نقصان کی طرف لے جاتی ہے: اس دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی ابدی زندگی میں بھی۔ اللہ پر ایمان اور جواب دہی کی فکر سے انسان کی نظر وسیع ہوتی ہے، وہ لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال رکھتا ہے اور دنیا کی اس زندگی میں کام کرتے ہوئے وہ آخرت کی زندگی پر نظر رکھتا ہے۔ یہ وسیع النظری اسے خود اپنی کم نظر انانیت سے بچاتی ہے اور صالح عمل کی ترغیب دیتی ہے، اور حق پر مبنی اخلاقی قدروں کو برقرار رکھنے نیز انہیں فروغ دینے کے لئے دوسروں کے ساتھ تعاون پر آمادہ کرتی ہے۔ حق کا دائرہ بہت وسیع اور جامع ہے، اللہ پر ایمان لانا اور اس کی عبادت کرنا نیز اس کی ہدایت پر چلنا اس حقیقت کا مظہر ہے جس کے نور سے یہ دنیا جگمگا رہی ہے۔

معاشرے، تہذیبیں اور سیاسی و حاکمانہ طاقتیں

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

کہو کہ اے اللہ! (اے) بادشاہی کے مالک، تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔ (۳:۲۶ تا ۲۷)

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو اُن لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم اُن کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۳:۱۴۰)

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۬ ذٰلِكَ ؕۛ وَ لَوْ یَشَآءُ

جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہئے یا کچھ مال لے

اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰکِنْ لِّیَبْلُوَاْ بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍؕ وَ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

کر یہاں تک کہ (فریقِ مقابل) لڑائی (کے) ہتھیار (ہاتھ سے) رکھ دے یہ (حکم یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (۴:۴۷)

قرآن یہ نکتہ بیان کرتا ہے کہ سیاسی اور حاکمانہ طاقت کا تعلق اس حرکیت سے ہے جو پوری کائنات کی طبیعاتی اور حیاتیاتی دونوں سطحوں پر غالب ہے۔

سیاسی اور سماجی اقتدار کی تبدیلی رات اور دن کے بدلاؤ کی طرح ہے، یا زندگی اور موت کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے کی طرح ہے [۳:۲۶ تا ۲۷]۔ خود مسلمان بھی اللہ کی اس سنت سے مستثنیٰ نہیں ہیں جس کے تحت افراد اور سماجوں کی ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے [۴:۴۷]۔ جب کامیابی کی شرائط کو پورا نہیں کیا جاتا تو ناکامی کی ذلت سے کوئی نہیں بچتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کو جس طرح چلاتا ہے اس میں کسی کے لئے کوئی جانب داری نہیں ہے۔ کوئی بھی مسلم سیاسی اقتدار یا حکومت دائمی نہیں ہے یا دوسروں کے ساتھ معاملات کے واسطہ سے ہونے والی آزمائش سے مبرا نہیں ہے۔ مسلم معاشرے اور ریاست میں اختلافات رائے پیدا ہوسکتے ہیں جن میں ہر ایک کو اپنا اختلاف کسی تشدد یا اشتعال کے بغیر آزادانہ ظاہر کرنے کا حق ہے، لیکن بہترین طریقے سے اور اخلاقیات کے دائرے میں رہتے ہوئے [۱۶:۱۲۵]۔

سماجی اور سیاسی تنظیمیں اسلام کے شورائی نظام میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر [۳:۱۰۴] کی ذمہ داری وحق کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہیں: [دیکھیں باب پنجم میں قوانین کے تحت ''حاکم ومحکوم کے مابین تعلقات'']۔ سماجی اور سیاسی حرکیات اور تبدیلیوں کے بارے میں قرآن کا نظریہ مسلم ذہنوں کو اپنے سلوک یا امور میں بالعموم اور سیاسی معاملات میں بالخصوص ایک ہمہ وقت نظر رکھنے والی شوریٰ کی تاکید کرتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کئی صدیوں سے کسی بھی سطح پر اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں، سماجی ترقی کی مختلف جہتوں پر غور کرنے سے انسانی عقل نے جو نتائج نکالے ہیں وہ بھی اس ضمن میں قرآن کے نظریہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ اگر ابن خلدوں (متوفی ۱۴۰۶) کے شاندار علمی کاوش پر بعد کے لوگوں نے کام کیا ہے اور اسے آگے بڑھایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے مسلمان صدیوں پہلے سماجی علوم کا ایک آزاد، منظم اور اہم ترین مکتب قائم کر چکے تھے۔

فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَهْلَکْنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَۃٌ فَهِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ ۝۴۵ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَاۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ

اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (بہت سے) کنوئیں بیکار اور (بہت سے) محل ویران (پڑے ہیں)۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تا کہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ اُن سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ اُن سے سن سکتے، بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے

فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

ہیں۔اور (یہ لوگ) تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور اللہ اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرے گا اور بے شک تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے حساب سے ہزار برس کے برابر ہے۔ اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں اُن کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

(۲۲:۴۵ تا ۴۸)

سیاسی اقتدار اور تہذیبوں کا عروج وزوال تاریخ کا ایک اہم ترین منظر نامہ ہے، اور ایسی سماجی تبدیلیوں کو انسانی ذہن نے بتدریج قبول کر لیا ہے جس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تبدیلی کے یہ قوانین مادی تبدیلیوں کے قانون کی بہ نسبت کم دوامی نہیں ہیں [یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ دونوں طرح کی تبدیلیوں کا قرآن کی دولگاتار آیتوں سے کیا تعلق ہے [۳:۲۶ و ۲۷]۔عربی کا لفظ 'قریۃ' یہاں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے شہر، یا ایسی جگہ جہاں لوگ مستقل طور سے بستے ہوں، اور قرآن میں اسے جمع کے صیغے میں ''قراء'' پچاس سے زائد بار استعمال کیا گیا ہے۔قرآن سماجی واقتصادی انصاف کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دولت مند کے غیر اخلاقی وغیر ذمہ دارانہ سلوک کی طرف انگلی اٹھاتا ہے جو خود کی تباہی اور کسی سماج یا آبادی کے زوال کا سبب بنتا ہے [۷:۹۶؛ ۱۶:۱۱۲؛ ۱۷:۱۶، نیز دیکھیں باب چھ میں سماجی و اقتصادی انصاف واس کے قوانین]۔کسی ملک پر فوجی حملہ اور قبضہ بسی بسائی آبادی کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور مادی وسماجی لحاظ سے متاثر کرتا ہے [۲۷:۳۴]۔شہری آبادی کی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انصاف اور اخلاقیات کے لئے اپنی رہنمائی وہاں بھیجنے کا اہتمام کرتا ہے [۶:۹۲،۱۳۱؛ ۲۱:۱۰۹؛ ۲۵:۱۵؛ ۲۶:۲۰۸؛ ۵۸:۵۹؛ ۴۲:۷؛ ۴۳:۲۳]۔

غلط کار افراد اور گروہوں کو سزا دینے کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے بالعموم اسباب وعلل کے فطری قوانین پر رکھ چھوڑا ہے (دیکھیں ماقبل مذکور آیت ۱۳:۱۱ اور اس کی تشریح]۔قرآن کے مطابق، کچھ خاص لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں فوراً سزا دینے کا فیصلہ، جیسا کہ سابق امتوں کے ساتھ پیش آیا، محض اس بنا پر نہیں کیا کہ انھوں نے پیغام کو جھٹلایا، بلکہ ان کی بدکاریوں، ظلم واستحصال وغیرہ کی وجہ سے کیا [۷:۴۷ تا ۷۶، ۸۰ تا ۸۲، ۸۵ تا ۸۸؛ ۱۱:۵۹، ۸۴ تا ۸۸، ۹۱ تا ۹۲، ۱۰۲، ۱۱۷؛ ۱۶:۱۲: ۱۸:۵۹؛ ۲۱:۱۱؛ ۲۸:۵۹]۔مزید برآں، ان غلط کاروں نے، جنھیں سزا دی گئی، اللہ کے پیغمبروں کو دھمکایا، انہیں قتل کیا اور انہیں وان کے ماننے والوں کو اپنی بستیوں سے نکالا [۷:۸۸؛ ۱۱:۹۱؛ ۱۴:۱۳؛ ۱۶:۱۲؛ ۱۸:۲۰؛ ۱۹:۴۶؛ ۳۶:۱۸؛ ۴۴:۲۰ تا ۲۱]۔رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کے حوالہ سے قرآن واضح طور سے کہتا ہے کہ لوگوں کو فطری قوانین پر چھوڑا گیا ہے: ''اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے'' [۴۷:۴]

سابقہ امتوں اور تہذیبوں کی باقیات کسی کے لئے بھی باعث عبرت ہو سکتی ہیں لیکن بہت سے لوگ سطحی نظر سے آگے نہیں بڑھ پاتے اور ان کے عروج وزوال کے اسباب کو نہیں سمجھ پاتے۔دل کے لئے عربی کا لفظ دماغ کے ساتھ جذباتی تعامل کرنے والے مقام کے لئے بولا جاتا ہے جو ترغیب، ارادہ اور فیصلہ کا مرکز ہے۔جو لوگ اللہ کے پیغام کو مسترد کرتے ہیں، ان کے پاس آنکھیں اور کان تو ہوتے ہیں لیکن وہ حواس سے محسوس ہونے والے حقائق کے ساتھ عقل اور جذبات کا رشتہ قائم کرنے میں ناکام رہنے والے لوگ ہوتے ہیں۔اگر ان کی تصوراتی اور ارادی قوتیں کام کرتیں تو اللہ کے پیغام کی رسائی ان تک ہوتی اور تاریخ میں ہونے والی سماجی تبدیلیوں اور ماضی کی باقیات کا

وہ نوٹس لیتے۔ اس طرح کے فوری عذاب حالانکہ اب نہیں آتے لیکن اللہ کی سنتیں یعنی قوانین فطرت غلط کاروں کو ان کے کئے کی سزا دینے کے معاملے میں اب بھی نہیں بدلی ہیں اور بالآخر نہیں اس کا انجام بھگتنا ہی ہوتا ہے اگرچہ ایسا ہوسکتا ہے کہ بظاہر کسی جواب دہی کے بغیر ہی اس دنیا سے گزر جائیں۔

جو چیز لوگوں کو سمجھنی چاہئے وہ یہ کہ وقت خواہ وہ ہمارے حساب سے ایک دن کا ہو، ایک مہینے کا ہو یا ایک سال کا ہو، اللہ تعالیٰ کے ابدی اور زمان و مکان سے بالاتر نظام کی نسبت کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لوگ وقت کا حساب زمین پر اپنے وجود کے حساب سے، اور زمین و سورج یا چاند کے درمیان ربط کے حساب سے گنتی کرنے کے لئے لگاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیزیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اور دنیا و اس کے خاتمہ کے لئے اس نے جو قوانین بنائے ہیں اور جو فرامین جاری کئے ہیں ان سے ان چیزوں کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ ہمارا وقت ہمارے لئے اہم ہے، وقت کی قید سے آزاد الٰہی نظام کے لئے نہیں ہے، اس کا ایک دن ہمارے ۲۴ گھنٹوں کے حساب سے نہیں ہے کہ زمین سورج کے گرد اپنا ایک چکر پورا کرنے میں اتنا وقت لیتی ہے۔ اللہ کا دن تو ہمارے حساب سے ایک ہزار سال کا یا پچاس ہزار سال کا بھی ہوسکتا ہے [۷۰:۴]، اور اس کا عرصہ اس پر منحصر ہے کہ اللہ اپنے ایک دن (یوم اللہ) میں کیا کرنا چاہتا ہے۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ایک نوری سال (لائٹ ائیر) کا عرصہ یعنی وہ دوری جس تک روشنی خلا کے اندر ایک سال میں پہنچتی ہے ۵۸۷۸ ارب میل ہے، اور یہ ناپ خلائی سائنس میں ستاروں اور کہکشاؤں کے بیچ کا فاصلہ ناپنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے ہمارے نظام شمسی اور قریب ترین ستاروں الفا کینٹوری (Alpha Centauri) اور پروکسما کینٹوری (Proxima Centauri) کے بیچ کی دوری تقریباً ۳۔۴ نوری سال ہے۔ اگر وقت کا حساب روشنی کی رفتار سے لگایا جائے تو یہ بہت لمبا وقت ہے اور اس کی رفتار بہت تیز ہے، تو پھر اللہ کا طے کردہ وقت کیا ہے اور کتنا ہے؟ جو بات طے ہے وہ یہ کہ کائنات اور انسانی معاشروں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے قوانین اس دنیا میں لگاتار جاری رہتے ہیں قطع نظر اس کے کہ ہمارے حساب سے کوئی کام کتنے عرصہ میں مکمل ہوا۔ تمام انتہائیں اللہ پر جا کر ختم ہیں، اور آخرت کی زندگی میں انسان کی جواب دہی اور جزاء و سزا یقینی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ (۴۹:۱۳)

یہ آیت عالم گیر تکثیریت کی اسلامی بنیاد فراہم کرتی ہے، اور یہ بتاتی ہے کہ انسانوں کے درمیان تنوع عالمی سطح پر باہمی تعامل، تعاون اور ایک دوسرے کی تکمیل کا وسیلہ ہے نہ کہ ایک دوسرے کو الگ تھلگ کرنے اور تنازعہ پیدا کرنے کے لئے ہے۔ مختلف زمانوں میں اور مختلف مقامات پر بسنے والے انسان انسانی حقوق اور انسانی وقار میں مساوی ہیں، اور اللہ کے نزدیک سب ایک ہیں، چاہے ان کی جسمانی اور ثقافتی خصوصیات باہم کتنی ہی مختلف ہوں۔ قبیلے، نسلیں اور ذاتیں، نیز زبانیں اور ثقافتیں [۳۰:۲۲] عملی اور سائنسی ضروریات کے لئے زمرہ بندی کی بنیاد فراہم کرتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے انسان کا جوہر خاص اور مختلف افراد یا گروہوں کے حقوق کبھی ختم یا کم نہیں ہوتے نہ ان کے درمیان ان بنیادوں پر کوئی رکاوٹ کھڑی ہوتی ہے۔ تمام دنیا کے لوگوں کو یہ بات جان لینی چاہئے، ہاں مختلف ثقافتی اور مادی ماحول میں

رہنے والے تمام لوگوں کو نا کہ کچھ خاص ملکوں کو جو دنیا کے نقشہ پر نظر آتے ہیں، کہ وہ ایک دوسرے کی مثبت خوبیوں سے فائدہ اٹھائیں، اور منفی باتوں کے خلاف ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ یہ ہے حقیقی طور پر علم رکھنا اور ایک دوسرے کو پہچاننا جس سے عالم گیر باہمی تعاون اور اتحاد کو بڑھاوا ملتا ہے۔

عالمی مخلوق

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر اُن دونوں سے بہ کثرت مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور اللہ سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور ناطہ توڑنے سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (۱:۴)

یہ اللہ تعالیٰ کے طرف سے جو تمام تخلیقات یا مخلوقات کا خالق ہے، پوری کائنات کا مالک ہے، جو مجسم انصاف اور منصف حقیقی ہے، تمام انسانوں، بشمول مردوں وعورتوں، کے درمیان برابری کا ایک لازمی اعلان ہے چاہے وہ رنگ ونسل میں باہم کتنے ہی مختلف ہوں۔ مزید برآں یہ اعلان ہے انسانی نسل کے عالم گیر ہونے کا جو پوری دنیا کے تمام خطوں میں پھیل گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز وناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہی۔ ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ جائے وہ زمین میں بہت سی جگہ اور وسعت پائے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے پھر اس کو موت آ پکڑے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۹۷:۴ تا ۱۰۰)

درج بالا آیات اس پر خاص طور سے زور دیتی ہیں کہ انسان کو، جسے اللہ نے اکرام بخشا ہے اور اپنی رہنمائی سے اس کے وقار کی حفاظت کا انتظام کیا ہے، اگر اپنے وطن میں ظلم وزیادتی کا سامنا ہو اور وہاں وہ اپنے حقوق حاصل نہ کرسکتا ہو تو اسے وطن چھوڑ دینا چاہیئے۔ انصاف کی جستجو میں انسان دنیا میں جہاں کہیں جاسکتا ہو وہاں اسے چلے جانا چاہیئے، ایسی جگہ جو مظلوموں کے لئے کھلی ہو۔ یا پھر اس کے اپنے محبوب وطن میں ہی اس کے حقوق اور اس کی عزت محفوظ ہو۔ جو لوگ اپنی عزت اور وقار کی خاطر وطن سے نکلنے کا موقع رکھتے ہوں لیکن پھر بھی وطن میں رہ کر ہی ذلت جھیلتے رہیں تو یہ ان کی غلطی ہے اور اگر وہ ایسی جگہ فوت ہوتے ہیں جہاں اللہ کے بخشے ہوئے انسانی شرف ووقار سے وہ محروم تھے تو پھر اس کی ذمہ داری انہی پر ہے کیوں کہ اس ذلت ورسوائی کو قبول کا کوئی عذر ان کے پاس نہیں ہے۔ جو لوگ نکلنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو اللہ ان کے حالات سے باخبر ہے اور وہ انسانوں کی کمزوریوں پر انہیں درگزر کردیتا ہے بشرط یہ کہ یہ کمزوری محض بے عملی کا ایک بہانہ نہ ہو۔

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۟

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ (۱۷:۷۰)

آیت بالا صاف طور سے یہ کہتی ہے کہ تمام انسانوں کو ان کے خالق نے مساوی عزت ووقار عطا کیا ہے اور یہ وقار فرد کے حقوق اور ذمہ داریوں دونوں پر محیط ہے۔ انسان کو جسمانی، عقلی اور نفسیاتی واخلاقی وروحانی استعداد کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے جن کی بدولت وہ خود کو ترقی دینے اور دنیا کو خوشحال بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ ابتدائی زمانہ سے ہی بحر وبر اور فضا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا اہل رہا ہے اور اب تو وہ خلا میں بھی جاتا ہے، اور دنیا کی تمام اچھی چیزوں سے وہ رزق کے ذرائع تلاش کرسکتا ہے جو اللہ نے انسان کی تمام طاقتوں کو برقرار رکھنے نیز فروغ دینے کے لئے پوری دنیا میں فراہم کی ہیں، اور یہی چیز انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے بلند درجہ دیتی ہے۔ اس طرح انسان ایک آفاقی مخلوق ہے اور پوری دنیا میں آمدورفت کے کسی بھی ذریعہ سے ادھر سے ادھر آنا جانا اللہ کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جن کی قدر وحفاظت ان تمام لوگوں کو کرنا چاہیئے جو اکرام انسانیت اور عالم گیریت میں یقین رکھتے ہیں۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۲۲

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہلِ دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں (۳۰:۲۲)

یہاں تمام انسانوں کے درمیان مساوات پر ایک بار پھر زور دیا گیا ہے، چاہے ان میں جسمانی، لسانی اور ثقافتی لحاظ سے کتنا بھی فرق ہو۔ عالم گیر تنوع اور تکثیریت ایک انسانی حقیقت اور تقدیر الٰہی ہے اور یہ مالک حقیقی کی نشانیوں اور عجائبات میں سے ہے جسے ان لوگوں کو ماننا چاہیئے جو فطری حقائق کو سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی اسی کے مطابق چلانا چاہیئے۔

وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَثَّ فِيۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ ﴿۲۹﴾

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔ (۲۹:۴۲)

یہ آیات آیا حشر کے دن انسانوں اور زمین پر بسنے والی دیگر تمام مخلوقات اور آسمانوں و خلا میں رہنے والی مخلوقات کے ایک جگہ جمع ہونے کا اشارہ کرتی ہیں یا ان سے مراد اس زندگی میں ہی زمین کی تمام مخلوقات کے کسی ممکنہ اجتماع سے ہے؟ اگر اس سے مراد یہی دوسری بات ہے تو یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان کی آفاقیت ایک نہ ایک دن سیاروں اور کہکشاؤں تک پہنچ جائے گی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَـكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِىَ الۡـفُلۡكُ فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۚ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔

(۱۲:۴۵ و ۱۳)

درج بالا آیات میں سے پہلی آیت سمندر کا ذکر کرتی ہے جسے انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے اور جہازوں سے آمدورفت کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے، اور دوسری آیت ان چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جنہیں آسمانوں اور زمین میں بالعموم انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ آیت پہلی آیت کی طرح آمدورفت کا حوالہ بھی دیتی ہے تو یہ ہوا اور خلا میں انسان کے جانے کا پہلا اشارہ ہے۔ انسان پر اللہ کا کتنا احسان ہے کہ اس نے انسان کو سفر اور آنے جانے کی ان صلاحیتوں سے نوازا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰى وَ جَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿۱۳﴾

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ (۱۳:۴۹)

درج بالا آیات انسان کی عالم گیریت اور انسانی دنیا کی تکثیریت کا ذکر کرتی ہیں۔ مختلف نسلوں، لوگوں، قبیلوں، اور ان کی الگ الگ جسمانی، لسانی اور ثقافتی خصوصیات عالم گیر معلومات، ایک دوسرے کو پہچاننے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کو فروغ دینے کا واسطہ ہیں تاکہ لوگ اس فراوانی اور فروق سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن انسانوں کے مابین یہ عالم گیر باہمی تعاون اس وقت تک قائم اور برقرار نہیں ہو سکتا جب تک تمام دنیا کے انسانوں کو انفرادی اور گروہی لحاظ سے قانونی اور عملی طور پر برابری کا درجہ نہیں دیا جائے۔

❀ ❀ ❀

انسانی دسترس سے ماوراء مخلوقات

فرشتے، جن اور شیاطین

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

جوغیب پر ایمان لاتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(۳:۲)

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی ٹھوس تخلیقات جیسے کائنات اور اس کی عظیم الشان کہکشاؤں، ستاروں وسیاروں، اور متعدد قسم کی ذی حیات مخلوقات جیسے طرح طرح کی پھپھوندی، جراثیم، پودھے، کیڑے مکوڑے، حیوانات، اور آبی مخلوقات، اور ان سب سے بالاتر انسان اور اس کی ہمہ جہتی اور نفیس لیاقتیں: حیوانی صلاحیت، عقلی صلاحیت اور نفسیاتی واخلاقی وروحانی صلاحیت، وغیرہ کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں، قرآن اللہ کی ایسی تخلیقات کا بھی ذکر کرتا ہے جو ''انسانی حواس کے دائرے سے پرے ہیں''، جیسا کہ محمد اسد نے مذکورہ بالا آیت کی اپنی تفسیر میں لکھا ہے، اللہ کی تخلیقات کے اس حصہ کو ''اسی وجہ سے سائنسی بنیاد پر نہ تو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ رد کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔ جس طرح اللہ کے وجود، کائنات کے مقصد وجود، حیات بعد موت، روحانی قوتوں کی موجودگی اور ان کے باہمی تعامل وغیرہ کو سائنسی مشاہدہ کے ذریعہ ثابت یا رد نہیں کیا جاسکتا۔ صرف وہی شخص اللہ پر اور اس بات پر ایمان لاسکتا ہے کہ زندگی کا ایک مقصد اور مطلب ہے، جو اس بات کا قائل ہو کہ حقیقت کائنات ہمارے لائق مشاہدہ ماحول سے ماوراء ہے''۔ (دی میسیج آف دی قرآن، نوٹ ۳، آیت ۲:۳)۔ اللہ کا وجود اور موت کے بعد آخرت کی ابدی زندگی کا یقین دلیل وحجت سے، اور اس بے عیب کائنات اور اس میں کارفرما قوانین اور نظم پر عقلی تدبر سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی روحانی مخلوقات جیسے فرشتوں، جنوں اور شیاطین وغیرہ کا وجود اور انسانوں سے ان کا تعلق انسانی حواس کے دائرے سے، بلکہ انسانی تصور سے بھی پرے ہے۔ لیکن ان کا حوالہ قرآن وسنت میں موجود ہے جو کہ وحی الٰہی کے مآخذ ہیں، اور اس لئے محض قیاس وگمان یا اوہام کا اس میں کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن میں اس سلسلے میں جو معلومات دی گئی ہیں وہ بنیادی ہیں، اور انسانی فکر کو اپیل کرسکتی ہیں، باوجود اس کے انہیں ٹھوس شکل میں یا حواس سے محسوس نہیں کیا جاسکتا۔

(الف) فرشتے:

اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے مقرب ہیں، لیکن اس کے شریک نہیں ہیں۔

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ
خَلِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡہَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡہَا وَ یَسۡفِکُ
الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ
اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا
ثُمَّ عَرَضَہُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ
ہٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ
لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ
یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۙ
قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ
الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ
اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ
اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کُشت و خون کرتا پھرے؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ وراس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ تعالیٰ نے (آدم علیہ السلام کو) حکم دیا کہ اے آدم! تم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے ان (چیزوں) کے نام بتائے تو (اللہ نے فرشتوں سے) کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھے معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔

(۲:۳۰ تا ۳۴، مزید ۷:۱۱؛ ۱۵:۲۸ تا ۳۱؛ ۱۷:۶۱؛ ۱۸:۵۰)

مَا کَانَ لِیَ مِنۡ عِلۡمٍۭ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰۤی اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۶۹﴾
اِنۡ یُّوۡحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۰﴾ اِذۡ قَالَ
رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا
سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ
سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ ۙ اِلَّاۤ
اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾

مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا۔ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں۔ جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ۷۳۔ مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا۔

(۳۸:۶۹ تا ۷۴)

درج بالا آیات خالق کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کی مخلوق فرشتوں کے درمیان تعلق کو بتاتی ہیں۔ یہ مخلوق اگرچہ ایک منتخب گروہ ہے جسے اللہ کا مستقل تقرب حاصل ہے، لیکن وہ از خود کسی چیز کا علم حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اور صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا

اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں بتاتا ہے یا کوئی حکم دے کران میں سے کسی کو کچھ جاننے کا موقع دیتا ہے۔البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ مخصوص حالات میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کا موقع رکھتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے تخلیق آدم کے وقت آدم اوراس کی اولاد کوزمین پر خلیفہ بنائے جانے کے منصوبہ الٰہی کے بارے میں کیا[۲:۳۰؛ ۳۸:۶۹]، حالانکہ وہ ہمیشہ اللہ کی ''تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان کس طرح مکالمہ ہوا؟ ہم یہ نہیں جانتے، جس طرح ہم یہ نہیں جان سکتے یا اس کا تصورنہیں کرسکتے کہ اللہ نے اپنے نبیوں کوکس طرح اپنا پیغام وحی کیا، ان نبیوں کو جومختلف زبانیں بولنے والے تھے [مثلاً: موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا ۴:۱۶۴؛ ۷:۱۴۳تا۱۴۴؛ ۲۰:۱۱تا۳۶؛ ۲۷:۸تا۱۱؛ ۲۸:۲۹تا۳۵؛ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معراج کے موقع پر گفتگو کرنا ۴۲:۵۱]۔ فرشتوں کو غالباً انسان کی طرح عقلی اورلسانی قوتیں نہیں بخشی گئی ہیں اس لئے وہ ان مختلف چیزوں کے نام لینے پر قادرنہیں تھے جوان کے سامنے پیش کی گئی تھیں، لیکن آدم یعنی نوع انسانی کواللہ نے یہ قدرت بخشی ہے۔مزید برآں، فرشتے اپنی فطرت کے لحاظ سے اللہ کی اطاعت پرکاربند ہیں[۶۶:۶]، جب کہ انسان کومرضی اورانتخاب کی آزادی دی گئی ہے، اوراسی لئے فرشتے اس بات سے متفکر تھے کہ انسان کی یہ اہلیت جب روبہ کارآئے گی توخرابی اور بربادی کا سبب بنے گی[۲:۳۰]۔

انسان کوخالق حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بخشے گئے ان اعزازات کی بدولت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جوکہ خودرفعت شان رکھتے ہیں اوراللہ کے مقرب ہیں، آدم کے آگے جھک جانے کا حکم دیا اوروہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق کوتسلیم کرنے اوراس کی رضا کے آگے سرتسلیم خم کردینے کا اظہار کرنے کے لئے آدم کے آگے جھک گئے۔

وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہ (اللہ کا پیغمبر) تم سے یہ کبھی نہیں کہے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کورب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہوچکے توکیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔ (۳:۸۰)

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

مسیح اس بات سے عارنہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جوشخص اللہ کا بندہ ہونے کوموجبِ عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کواپنے پاس جمع کرلے گا۔ (۴:۱۷۲)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

اورجس دن وہ ان سب کوجمع کرے گا پھرفرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے، توہی ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ، بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے اور اکثر انہی کو مانتے تھے۔ (۳۴:۴۰ تا ۴۱)

وَ لِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ ہُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوۡنَ رَبَّہُمۡ مِّنۡ فَوۡقِہِمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

اورتمام جاندار جوآسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے اور اپنے رب سے جواُن کے اُوپر ہے ڈرتے ہیں اور جواُن کوارشاد ہوتا ہے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ (۱۶:۴۹ تا ۵۰)

اَفَاَصۡفٰکُمۡ رَبُّکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ؕ اِنَّکُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾

(مشرکو) کیا تمہارے رب نے تم کوتو لڑکے دیئے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا، کچھ شک نہیں کہ (یہ) تم بڑی (نامعقول) بات کہتے ہو۔ (۱۷:۴۰)

وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَہِدُوۡا خَلۡقَہُمۡ ؕ سَتُکۡتَبُ شَہَادَتُہُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰہُمۡ ؕ مَا لَہُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ٭ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾

اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔ اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو نہ پوجتے ان کو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ (۴۳:۱۹ تا ۲۰)

وَ کَمۡ مِّنۡ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡـًٔا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡضٰی ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۷﴾ وَ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا ﴿۲۸﴾

اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو (اللہ کی) لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ (۵۳:۲۶ تا ۲۸)

اس کے باوجود کہ فرشتوں کو اللہ کا قرب حاصل ہے، یہ بات ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ وہ بھی محض اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی کے لئے بھی دیوتا ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، جن میں جبرئیل علیہ السلام بھی شامل ہیں کہ وہ ''روح القدس'' ہیں [۲:۸۷، ۲۵۳؛ ۵:۱۱۰؛ ۱۶:۲؛ ۱۷:۱۹؛ ۲۶:۱۹۳؛ ۴۰:۱۵؛ ۴۲:۵۲؛ ۵۸:۲۲؛ ۷۰:۴؛ ۷۸:۳۸؛ ۹۷:۴]۔ فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے عرب مشرکین کہا کرتے تھے، اسی طرح عیسیٰ بھی اللہ کے بیٹے نہیں ہیں جیسا کہ عیسائی مانتے ہیں، اسلامی عقیدے کے مطابق یہ تمام کے تمام اللہ کے بندے اور عبادت گزار ہیں، یہ ہستیاں ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں چاہتے [۴:۱۷۲]۔

حق کو جھٹلانے والوں کے خلاف یہ دلیل دینا کہ وہ اللہ کے لئے کیوں کر یہ بات سمجھتے ہیں کہ اللہ بیٹیوں کا باپ ہے جب کہ وہ اپنے لئے بیٹوں کا ہی باپ ہونا پسند کرتے ہیں، محض مخالفین کے خیالات کو دوہرانے کے لئے ہے تا کہ ان کے کردار کا دوہرا پن دلیل کے طور پر جتایا جائے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں کے درجہ سے بلند ہے [۳:۱۹۵؛ ۹:۷۱]۔ اسی طرح کسی بھی فرشتے کے بارے میں الوہیت کا کوئی تصور رکھنا یا اس کا دعویٰ کرنا، یا روح القدس کو یا مسیح ابن مریم کو الوہیت میں شریک ماننا اسلامی عقیدے میں حرام ہے۔ فرشتے روز محشر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی سفارش کا موقع دے، اور صرف اسی کے لئے سفارش کریں گے اور صرف اسی بات کی سفارش کریں گے، جسے اللہ پسند فرمائے۔

اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچانے کے لئے فرشتوں کو زمین پر بھیجنے کے خلاف دلیل

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا (جو ان کی تصدیق کرتا)؟ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔ نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اُسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے۔ (۶:۸ تا ۹؛ مزید دیکھیں ۱۵:۷ تا ۸؛ ۱۷:۹۲؛ ۴۱:۱۴؛ ۴۳:۵۳، ۶۰)

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۴ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝۹۵

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بستے) تو ہم اُن کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ (۱۷:۹۴ تا ۹۵)

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰

کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟ تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ (۶:۵۰؛ نیز دیکھیں ۱۱:۱۲، ۳۱)

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ

اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مُردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے

اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ یَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾	تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ بات یہ ہے کہ یہ اکثر نادان ہیں۔ (۱۱۱:۶)
فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۙ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتَفَضَّلَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَةً ۚۖ مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۚ۲۴﴾	تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنی چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا، ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی۔ (۲۳:۲۴)
وَ قَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَهٗ نَذِیۡرًا ۙ﴿۷﴾	اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ڈرانے والا بن کر آتا۔ (۲۵:۷)
وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَیَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ یَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ وَ جَعَلۡنَا بَعۡضَکُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَ کَانَ رَبُّکَ بَصِیۡرًا ﴿۲۰﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡمَلٰٓئِکَةُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ وَ عَتَوۡ عُتُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۲۱﴾ یَوۡمَ یَرَوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَةَ لَا بُشۡرٰی یَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۲۲﴾	ور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر و کرو گے؟ اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھ لیں، یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور کہیں گے (اللہ کرے تم) روک لئے (اور بند کر دیئے) جاؤ۔ (۲۵:۲۰ تا ۲۲)

یہ خیال کرنا غلط ہوگا کہ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے والی ہستی لافانی ہو اور انسانی فطرت سے بالاتر ہو۔ لیکن مخالفین کی طرف سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کے پیغمبر کی ہستی کو چیلنج کیا جائے اور لوگوں کے درمیان اس کی توقیر کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے مخالفین نے مختلف زمانوں میں یہ حجتیں کی ہیں کہ اللہ کا پیغمبر تو فرشتہ ہونا چاہئے، یا کم سے کم سے پیغام پہنچانے میں شریک و مددگار رہو، یا کسی بھی طرح سے پیغمبر کے ساتھ نظر آنے والا اس کا ساتھی ہو۔ ان حجتوں کے جواب میں قرآن سادہ طریقے سے لوگوں کی توجہ قوانین فطرت کی طرف دلاتا ہے، اور اس حوالہ سے یہ جتاتا ہے کہ فرشتوں کا ٹھکانہ زمین پر نہیں ہے، اور ان کی فطری نوعیت انسانی ماحول کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے لوگوں کے ساتھ مکالمہ کرنے، زبان اور حرکات سے ان کو پیغام دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ کا

پیغمبر انسانوں سے مختلف فطرت کا حامل ہوتا تو وہ انسانوں کے ساتھ یہ معاملہ کیسے کرتا۔ اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے فرشتہ کو ہی بھیجا جاتا تو یہ کیا یہ فرشتہ انسانوں کو صحیح طرح سے سمجھانے کے لئے ان کے پاس خود انسان بن کر ہی نہ آتا؟ اور اس طرح کی کٹ حجتی کے ساتھ، فرشتہ اگر انسان بن کر آتا تو اس کے ساتھ بھی کیا پھر یہی معاملہ نہیں کیا جاتا؟ یہ لوگ جو دوسروں کو ان باتوں سے کنفیوژ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیا سچائی کو جھٹلانے والے نہیں ہیں اور کیا اپنی کٹ حجتیوں سے خود کو ہی کنفیوژ نہیں کر رہے ہیں؟ اسی طرح، خود اللہ کے پیغمبر نے بھی پورا زور دے کر یہ بات کہی کہ وہ خود بھی انسان ہی ہیں، ان کے پاس اللہ کا پیغام آتا ہے، وہ فرشتہ نہیں ہیں۔ اس طرح انسانوں کو سمجھانے اور اللہ کا پیغام انہیں پہنچانے کے لئے فرشتوں کو بھیجے جانے کے خلاف قرآن خود بار بار دلیل دیتا ہے۔

فرشتوں کی کچھ خصوصیات

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ اُن کے ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔ (۷:۲۰)

درج بالا آیت میں شیطان پہلے انسانی جوڑے کو یہ جتانے کی کوشش کرتا ہے کہ فرشتوں کی فطرت اپنی روحانیت اور اپنے لافانی ہونے کی بنا پر انسانی فطرت سے بلند ہے۔ اگر اس وقت ان (آدم وحوا) کے ذہن میں یہ بات رہی ہوتی کہ اللہ کے حکم پر فرشتے ان کے آگے سربسجود ہو چکے ہیں تو اسی سے یہ بات ثابت ہے کہ شیطان کا یہ دعویٰ غلط ہے اور حقیقت اس کے برعکس ہے، تب شیطان انہیں پھسلانے میں ناکام ہو جاتا، لیکن انسان کو اس خصلت پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ برتری اور ابد تک زندہ رہنے کی جستجو میں رہتا ہے، حالانکہ یہ محض ایک فریب اور خام خیالی ہے، اور اسی کمزوری سے شیطان نے فائدہ اٹھایا: ''اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اُسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر وثبات نہ دیکھا'' (۲۰:۱۱۵)

اس آیت سے یہ بات بھی اجاگر ہوتی ہے کہ انسان کو فرشتہ بننے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ انسان کے طبعی اور عقلی ارتقاء کو نظر انداز کر کے محض اس کی روحانیت کو فروغ دینے کی کوشش، یا خود کو مستقل طور سے دوسرے عام سے انسانوں سے الگ تھلگ کر کے گوشہ نشیں ہو جانا انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے اور اسلام کی معتدل تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ اس قسم کے رویہ سے انسان ٹوٹ پھوٹ جائے گا لیکن وہ فرشتہ بہرحال نہیں بن سکے گا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

جب زلیخا نے اُن عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدارِ یوسف کیلئے ایک) چال (تھی) سنی تو اُن کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا اور اُن کیلئے ایک محفل مرتب کی اور (پھل تراشنے کیلئے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر (ایسا) چھا

مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بے ساختہ بول اُٹھیں کہ سبحان اللہ! (یہ حسن) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

(۳۱:۱۲)

اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ انسان کے ذہن میں فرشتہ کا تصور اور اس کا یہ عکس موجود ہے کہ وہ حسین ہوتا ہے۔ حالانکہ، فرشتوں کی فطرت مختلف ہوتی ہے، اور فرشتہ کے حقیقی حسن کو نہ سمجھا جاسکتا ہے نہ اس کا ہوبہو تصور کیا جاسکتا ہے کیوں کہ انسان کا تصورحسن انسانی فطرت کے مطابق ہی ہوسکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق، جسے مسلم اور ابن حنبل نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے، فرشتوں کو نور (روشنی) سے پیدا کیا گیا ہے، لیکن ایسا کوئی حوالہ قرآن کریم میں نہیں ہے۔ تاہم فرشتے اخلاقی حسن کے حامل ہوتے ہیں کیوں کہ انہیں ایسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کبھی گناہ کر ہی نہیں سکتے، ہمیشہ بھلائی پر ہی کاربند رہتے ہیں۔

دنیا کی اس زندگی میں فرشتے کس طرح کام کرتے ہیں

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور اُن (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اُن باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے تھے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں تم کفر میں نہ پڑو۔ غرض لوگ ان سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بُری تھی۔ کاش وہ (اس بات) کو جانتے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اے کاش وہ اس سے واقف ہوتے۔

(۲:۱۰۲تا۱۰۳)

ان آیتوں میں سلیمان علیہ السلام کی اس مخصوص غیر معمولی قوت کا بیان ہے جو اللہ نے انہیں بخشی تھی، کہ وہ اپنے والد داؤد علیہ السلام کی طرح، قرآن کے بیان کے مطابق، ایک نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سلطنت کے بادشاہ بھی تھے [حوالہ کے لئے مزید دیکھیں:

۴:۱۶۳؛ ۶:۸۴؛ ۲۱:۷۸ تا۸۱؛ ۲۷:۱۵ تا ۴۴؛ ۳۴:۱۰ تا ۱۴؛ ۳۸:۳۰ تا ۴۰]۔ یہ قوت تھی شیطانی طاقتوں پر قابو پانے کی: اور جنوں (کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض ان کے لئے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے' [۲۱:۸۲]، ''پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیرِ فرماں کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور جنوں کو بھی (ان کے زیرِ فرماں کیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔۔ اور اَوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کرو (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے'' [۳۸:۳۶ تا ۳۹]

ایسا معلوم ہوتا ہے سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد کچھ شیطانی طاقتوں نے لوگوں کو جادو سکھانے کی کوشش شروع کر دی تھی اور انہیں یہ بہکایا تھا کہ یہ عمل تو سلیمان کے زمانہ سے ہی چلا آرہا ہے، حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے نہ کبھی جادو سکھایا نہ کبھی اس کی اجازت دی۔ علاوہ ازیں، ان شیطانوں نے لوگوں میں ایک اور چیز بھی پھیلائی جس کی نسبت فرشتوں کی طرف کی گئی تھی، یا بعض تفسیروں کے مطابق دو راجاؤں سے متعلق تھی۔ ان دو فرشتوں نے لوگوں کی آزمائش کے لئے انہیں جادو کے کچھ نمونے دکھائے تھے اور انہیں خبردار کر دیا تھا کہ یہ نقصان دہ عمل ہے اسے نہ سیکھیں اور ہرگز اس عمل میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ فرشتے ایسی غلط بات کا علم لوگوں کو دیں گے جسے شیطان اچک لیں اور اس کے ذریعہ لوگوں کا استحصال کریں، خواہ انھوں نے اس کے تئیں لوگوں کو خبردار ہی کر دیا ہو۔ چنانچہ اس بات سے اس دوسری تفسیر کو تقویت ملتی ہے جو ابن عباس سے منقول ہے اور بعد کے کئی اہم لوگوں حسن البصری، ابوالاسود اور الضحاک وغیرہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہ لفظ 'ملِکین' یعنی 'دو بادشاہ' ہے، نا کہ ''ملکَین'' یعنی دو فرشتے، [دیکھیں اس لفظ کے سلسلے میں طبری، زمخشری اور رازی وغیرہ کی تفسیریں)۔

یہاں محمد اسد کی ''میسج آف قرآن'' سے کچھ سطریں نقل کرنا مفید ہوگا، جن میں آیت ۲:۱۰۲ کی وضاحت کرتے ہوئے نوٹ ۸۳ اور ۸۴ میں لکھا ہے کہ یہ بات کہ شیاطین لوگوں کو جادو سکھا کر حق کی مخالفت پر آمادہ تھے، انسان پر یہ اخلاقی ذمہ داری ڈالتی ہے کہ وہ ہر قسم کے جادوئی عمل سے دور رہیں خواہ اس میں کامیابی ملے یا نہ ملے، کیوں کہ اس کا نشانہ اللہ کے بنائے ہوئے فطری نظام کو درہم برہم کرنا ہے۔۔۔۔ یہ بات صحیح ہے کہ قدیم زمانہ سے بابل جادو کے کمال دکھانے کے لئے مشہور رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اور قرآن کی رو سے جادو کا ہر عمل قابل مذمت ہے اور پر اسرار علوم میں لوگوں مشغول ہونا رہنا صحیح نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ چنانچہ اسد آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ پر اسراریت واقعی کوئی علم ہے جسے عام طور سے جادو کہا جاتا ہے، یا یہ محض نظر کا دھوکا ہے۔ یہاں محض یہ باور کرانا مقصود ہے کہ کوئی بھی ایسی کوشش جس سے انسان کے ذہن پر اثر انداز ہوا جائے اور انسان فریب میں مبتلا ہو، ایک روحانی حملہ ہے اور اس کی وجہ سے جادو کرنے والے کے روحانی مرتبہ کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ جادو کرنے کرانے کی نفی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث ہیں اور ایک حدیث میں جادو کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے اور سات سب سے بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (بہ حوالہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبریل) سے ان کو مدد دی۔ تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس

بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (۲:۸۷)

جبرئیل علیہ السلام کو قرآن میں روح القدس بھی کہا گیا ہے کیوں کہ انہیں اللہ نے اپنی ہدایات بندوں کو پہنچانے کے لئے بھیجا تھا[۲:۸۷، ۲۵۳؛ ۵:۱۱۰؛ ۱۶:۲؛ ۱۹:۱۷تا۲۱؛ ۲۶:۱۹۲تا۱۹۳؛ ۴۰:۱۵؛ ۴۲:۵۲؛ ۵۸:۲۲]۔ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کے سلسلہ میں جبرئیل علیہ السلام کی مدد کا قرآن میں کئی بار تذکرہ کیا گیا ہے، کیوں کہ عیسیٰ ؑ کی پیدائش اور ان کے معجزے قوم کو حیران کرنے والے تھے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام کا رول محض اللہ کا پیغام پہنچانے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ نبیوں اور مومنوں کی مدد کرنا اور عقیدہ و عمل پر قائم رہنے میں ان کا تعاون کرنا بھی شامل ہے، خاص طور سے ایسے مشکل حالات میں ان کا ساتھ دینا جب مخالفین ان سے ٹکرا رہے ہوں اور ان کے لئے مسائل کھڑے کر رہے ہوں۔

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۧ ﴿۲۴۸﴾

اور پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُن کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہو گی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ (۲:۲۴۸)

درج بالا آیت میں فرشتے ایک معجزاتی کارنامہ انجام دیتے ہیں اور اس صندوق کو اٹھلاتے ہیں جس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی یادگار نشانیاں تھیں اور ان کے جانشینوں کے پاس وہ بادشاہی کی علامت کے طور پر محفوظ تھا۔ یہ تابوت اس وقت طالوت کی بادشاہی کے لئے ایک سند بنا جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ دشمنوں سے لڑنے کے لئے کوئی سردار مقرر کیا جائے، اور جواب میں پیغمبر نے بتایا کہ طالوت کو اللہ نے تمھاری بادشاہی کے لئے منتخب کیا ہے۔ کیا فرشتے اس صندوق کو ایک مادی سامان کی طرح اٹھا کر لائے جس کے اندر تورات موجود تھی یا وہ اللہ کے فضل کی نشانی کے طور پر اس صندوق کے آس پاس مخفی طور سے موجود تھے اور کوئی جسمانی محنت کرتے ہوئے دکھائی نہیں دے رہے تھے؟ اس بات سے قطع نظر کہ فرشتوں نے اس واقعہ میں روحانی اور اخلاقی مدد کی یا انھوں نے واقعی ایک مادی عمل انجام دیا، یہ واضح ہے کہ انھوں نے دنیا کی اس زندگی میں ہونے والے واقعات میں اور انسانوں سے متعلق معاملات میں اپنا رول انجام دیا۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں

ہوں گے۔ (۳۹:۳)

وَ اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَ طَہَّرَکِ وَ اصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾

اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔ (۴۲:۳)

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ ٭ۖ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ﴿۴۵﴾

(وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم، اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسٰی بن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (اللہ کے) خاصوں میں ہوگا۔ (۴۵:۳)

وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مَرۡیَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَہۡلِہَا مَکَانًا شَرۡقِیًّا ﴿ۙ۱۶﴾ فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ حِجَابًا ۪ٝ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَہَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّ لَمۡ اَکُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ رَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَ کَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا ﴿۲۱﴾

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر مشرق کی طرف چلی گئیں۔ تو انہوں نے ان کی طرف سے پردہ کرلیا (اس وقت) ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔ مریم بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں۔ مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو گا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور (میں اُسے اسی طریق پر پیدا کروں گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت اور (مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔ (۱۶:۱۹ تا ۲۱)

وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا فَنَفَخۡنَا فِیۡہَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ جَعَلۡنٰہَا وَ ابۡنَہَاۤ اٰیَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

اور ان (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنہوں نے اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن میں اپنی رُوح پھونک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو اہلِ عالم کیلئے نشانی بنا دیا۔ (۹۱:۲۱)

ان آیتوں میں روح القدس جبرئیل علیہ السلام نے زکریا علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کو کچھ خاص واقعات کے بارے میں اللہ کا پیغام پہنچایا، نہ کہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے کوئی عمومی ہدایت۔ اس کے لئے جبرئیل مریم کے پاس، جو پیغمبر نہیں تھیں، آدمی کی شکل میں

آئے۔اس طرح، جبرئیل علیہ السلام اور دیگر فرشتے کچھ عارضی واقعات سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہدایات لے کر بھی آئے، اور یہ تلقین پیغمبر یا ان کے علاوہ دوسرے انسانوں کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔ جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ اللہ نے ''ان (مریم) میں اپنی روح پھونک دی''، تو یہی بات اسی انداز میں آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ذیل میں بھی قرآن میں بیان ہوئی ہے: ''جب اس کو (انسانی صورت میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا'' [۲۹:۱۵، نیز دیکھیں ۳۸:۷۲]، ''پھر اس کو درست کرلیا پھر اُس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو'' [۳۲:۹] اس بنیاد پر قرآن کہتا ہے کہ: '' عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہوجا تو وہ (انسان) ہو گئے'' [۳:۵۹]۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲

وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔ (۱۶:۲)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۰۲

کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے سچائی کیساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تا کہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور حکم ماننے والوں کیلئے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔
(۱۶:۱۰۲)

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۷۵ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۷۶

اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی، بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔ جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اُس سے واقف ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ (۲۲:۷۵ تا ۷۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱

سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳۵:۱)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۹۲ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ

اور یہ (قرآن اللہ) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار

الْاَمِيْنُ ۙ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ؕ﴿۱۹۵﴾

فرشتہ لے کر اترا ہے۔ (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (اِلقا) کیا ہے تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو۔ (اور اِلقا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)۔ (۱۹۲:۲۶ تا ۱۹۵)

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۙ﴿۱۵﴾

(وہ) مالک درجات عالی اور صاحب عرش ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ (۱۵:۴۰)

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ
وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا
يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا
الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴿۵۲﴾
صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ
اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجد دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القا کرے بیشک وہ عالی رتبہ اور حکمت والا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نُور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک (اے محمد ﷺ!) تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔ (یعنی) اللہ کا رستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام اللہ کی طرف رجوع ہوں گے (اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا)۔
(۵۱:۴۲ تا ۵۳)

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ
مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى
اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾

یہ (قرآن) تو حکم الٰہی ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔ ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا۔ (یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے۔ اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے۔ پھر قریب ہوئے اور اَور آگے بڑھے۔ تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔ کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو۔ اور انہوں اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس۔ (۴:۵۳ تا ۱۴)

وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿۲۴﴾

بیشک انہوں نے اس (فرشتے) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارے پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں۔ (۸۱:۲۳ تا ۲۴)

درج بالا تمام آیات جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ پیغمبروں کو اللہ کا پیغام حاصل ہونے کے بارے میں ہیں۔ کچھ لوگ وحی کے اس عمل کو عمومی مانتے ہیں [۱۶:۲؛ ۴۰:۱۵] جبکہ کچھ دوسرے لوگ کسی خاص پیغمبر سے متعلق مانتے ہیں [۱۶:۱۰۲؛ ۱۶:۱۹۲ تا ۱۹۵؛ ۴۲:۵۲]۔ آیات ۵۳:۴ تا ۱۴ میں یہ بتاتی ہیں کہ محمد ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں آنکھوں سے دیکھا، جب کہ انھوں نے معراج کی رات میں بھی جبرئیل کو جسمانی حالت میں دیکھا تھا۔ اللہ کا پیغام اس کے پیغمبروں پر وحی کرنا فرشتوں اور خاص طور سے جبرئیل کا ایک اہم کام تھا۔ البتہ آیت ۴۲:۵۱ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ کی وحی یا الہام براہ راست بھی پہنچا ہے جس میں کوئی درمیانی واسطہ (مثلاً فرشتہ) نہیں تھا۔ اس کے علاوہ، کبھی کبھار اللہ نے پیغمبروں سے براہ راست کلام بھی کیا ہے لیکن پردوں میں رہ کر، جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام سے طور سینا پر خطاب کیا [۴:۱۶۴؛ ۷:۱۴۳ تا ۱۴۴؛ ۲۰:۱۹ تا ۳۶؛ ۲۷:۷ تا ۱۲؛ ۲۸:۲۹ تا ۳۵]، اور محمد ﷺ کے معاملے میں بھی کہ معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ پر آپ سے تکلم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے مطابق آپ نے جبرئیل کو ان کی فطری ساخت میں زندگی میں صرف دو بار دیکھا، ایک بار سلسلہ وحی کی ابتداء میں جب، پہلی بار وحی [۹۶:۱ تا ۵] اترنے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے اس کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا اور آپ دوبارہ اس کی جستجو میں تھے، اور دوسری بار معراج کی رات جو کہ رسول اللہ کے مدینہ ہجرت سے کچھ پہلے اور نبی بنائے جانے کے ۱۰ سال بعد واقع ہوئی تھی، [دیکھیں میسج آف قرآن میں سیکشن پر افٹ محمد]۔ جبرئیل کو ان کی فطری ساخت میں دیکھنا اور اس قدر قریب سے دیکھنا کہ قرآن نے قدیم عربی محاورے میں اسے ''قاب قوسین'' (دو کمانوں) کے فاصلے سے تعبیر کیا، استثنائی بات ہے اور کوئی مستقل طریقہ نہیں تھا۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾

جب تم مومنوں سے یہ کہہ (کران کا دل بڑھا) رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہیں مدد دے؟ ہاں اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو اور کافر تم پر جوش کے ساتھ دفعتاً حملہ کر دیں تو اللہ پانچ ہزار فرشتے جن پر نشان ہوں گے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔ اور اس مدد کو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے (ذریعۂ) بشارت بنایا یعنی اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو ورنہ مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور) حکمت والا ہے۔ (۳:۱۲۴ تا ۱۲۶)

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ﴿۹﴾ وَ مَا

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے

جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۸:۹تا۱۰)

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿ؕ۱۲﴾

جب تمہارا رب فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب وہیبت ڈالے دیتا ہوں تو اُن کے سر مار (کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کرتوڑ) دو۔(۸:۱۲)

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ بدر (۲ ہجری بمطابق ۶۲۴ء) کے موقع پر جب دشمنوں نے بڑی تعداد میں مسلمانوں پر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ کرنے میں فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی۔ فرشتوں کی یہ مدد مادی تھی یا محض اخلاقی؟ کیا فرشتے واقعی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑرہے تھے یا انھوں نے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھایا، ان کے دل جمائے اور ثابت قدم رہنے میں مدد کی اور مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ دکھا کر ان کے جذبے کو بڑھایا؟ اگرچہ بعض احادیث سے، جو کہ بخاری اور مسلم نے روایت کی ہیں، اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتے عملاً کسی حد تک جنگ میں شامل تھے، تاہم قرآن کی ان آیات سے دونوں مطلب لئے جاسکتے ہیں۔ قرآن کا بیان ہے کہ ''اس مدد کو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے (ذریعۂ) بشارت بنایا یعنی اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو''، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کی مدد روحانی اور اخلاقی تھی، رہا یہ حکم کہ ''اُن کے سر مار (کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کرتوڑ) دو'' (۸:۱۲) تو اسے دونوں طرح سے سمجھا جاسکتا، اس کا خطاب فرشتوں سے بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑیں، اور فرشتوں کے ذریعہ سے مومنوں سے بھی ہوسکتا ہے کہ مومنوں کو ابھاریں اور ان سے یہ کہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿ۙ۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿ۙ۹۸﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز وناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کرجاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہی۔ ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کرسکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں۔ قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کردے اور اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ (۴:۹۷تا۹۹)

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا
يُفَرِّطُوْنَ ۝٦١ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ
الْحُكْمُ ۟ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝٦٢

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اُس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے ۔ پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالکِ برحق اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے ۔ سن لو کہ حکم اُسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے ۔ (۶:۶۱ تا ۶۲)

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ
اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ
مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ
غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ
اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا
كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ
اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٩٣

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنا لیتا ہوں ۔ اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کیلئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے ۔ (۶:۹۳)

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىِٕكَةُ
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٥٠ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ
اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝٥١

اور کاش تم اُس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے ہیں) کہ (اب) عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو ۔ یہ اُن (اعمال) کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور یہ (جان رکھو) کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔
(۸:۵۰ تا ۵۱)

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۪
فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٨ فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى

(ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں (اور یہ) اپنے ہی حق میں ظلم کرنے والے (ہوتے ہیں) تو مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے ۔ ہاں جو کچھ تم کیا کرتے تھے اللہ اُسے خوب جانتا ہے ۔ سو

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اُس میں رہو گے پس تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔ (۱۶:۲۸ تا ۲۹)

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

(ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب فرشتے اُن کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں تو السلام علیکم کہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) جو عمل تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (۱۶:۳۲)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری رُوحیں قبض کر لیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۳۲:۱۱)

اوپر مذکور آیتوں میں سے کئی آیتوں میں کہے گئے مضمون سے یہ لگتا ہے کہ موت کے وقت روح قبض کرنے کے لئے جو فرشتے انسان کے پاس آتے ہیں ان کی تعداد کئی ہے، کیوں کہ ان کا ذکر جمع کے صیغہ میں ہے[۴:۹۷؛ ۶:۶۱، ۹۳؛ ۸:۵۰؛ ۱۶:۲۸، ۳۲]، جب کہ آخری آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ''۔۔۔موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری رُوحیں قبض کر لیتا ہے ۔۔۔۔''، چنانچہ غالباً موت کے فرشتے کے ساتھ بہت سے مددگار ہیں جنہیں وقت اور مقام کے لحاظ سے ذمہ داری تقسیم کر دی گئی ہے تا کہ جس کا وقت جب اور جہاں آجائے یہ فرشتے وہاں پہنچ جائیں۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے انسانوں کی روح قبض کرتے وقت زندگی میں ان کے اچھے یا برے اعمال کے لحاظ سے ان کے ساتھ ساتھ الگ الگ قسم کا معاملہ کرتے ہیں، وہ ان سے سوال کرتے ہیں اور ان پر تبصرے کرتے ہیں۔ اچھے اعمال کرنے والے لوگوں کو محسوس ہو جاتا ہے کہ آخرت کی نئی زندگی میں ان کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور انہیں انعام سے نوازا جائے گا، جب کہ بدکار آدمی بدکاریوں کے نتیجہ کو سامنے دیکھنے لگتا ہے۔ حالانکہ حتمی اور تفصیلی جانچ اور فیصلہ یوم حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ہر آدمی کے جملہ حالات (مثلاً اس کی نیت، اللہ کی ہدایت سے واقفیت، اپنے عمل میں اس کا آزاد ہونا وغیرہ) کے پیش نظر ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔ وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے اُن سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں (کچھ) مہلت ملے گی۔ (۲:۱۶۱ تا ۱۶۲)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے

الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ہیں کہ) اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (۱۸:۳)

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔ (۱۶۶:۴)

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

اور رعد اور فرشتے سب اُس کے خوف سے اُس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے۔ (۱۳:۱۳)

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ اور اپنے رب سے جو اُن کے اُوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو اُن کو ارشاد ہوتا ہے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ (۴۹:۱۶ تا ۵۰)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔ (۴۳:۳۳)

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی اُن پر درود اور سلام بھیجا کرو۔ (۵۶:۳۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲

(تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو (ملے گی) اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لئے (موجود ہوگی)۔ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔
(۴۱:۳۰تا۳۲)

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے اور جو لوگ زمین میں ہیں ان کے لئے معافی مانگتے پھرتے ہیں سن رکھو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۴۲:۴تا۵)

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴

اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر پیغمبر (کی ایذا) پر باہم اعانت کرو گی تو اللہ اور جبریل اور نیک کردار مسلمان ان کے حامی (اور دوستدار) ہیں اور ان کے علاوہ (اور) فرشتے بھی مددگار ہیں۔ (۶۶:۴)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

اس میں رُوح الامین اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لئے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوعِ صبح تک (امان اور) سلامتی ہے۔ (۹۷:۴تا۵)

درج بالا آیات یہ اشارہ دیتی ہیں کہ فرشتوں کی کارگزاری، پیغمبروں کے پاس اللہ کا پیغام لانے، ان کی مدد کرنے اور موت کے وقت انسانوں کی روح نکالنے والے سے اس کے مقام پر پہنچانے کے ساتھ ساتھ، اس دنیا کے معاملات میں بھی ہے۔ وہ اس بات کے گواہ بنتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا پیغام برحق ہے اور اس کے پیغمبر حق بات کہتے ہیں [۳:۱۸؛ ۴:۱۶۶]۔ وہ اللہ کی تسبیح و تحمید کرنے میں دوسری مخلوقات کے ساتھ شریک رہتے ہیں [۱۳::۱۳؛ ۱۶:۴۹؛ ۴۲:۵]۔

یہ دعا ظاہر کرتی ہے کہ فرشتے کتنے نورانی ہیں، اور اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے جس کی وہ آرزو کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے اس کا فضل اور مغفرت مانگتے ہیں ان تمام مخلوقات کے لئے جو زمین پر بستی ہیں، حالانکہ وہ پہلے اس اندیشہ کا بجا طور پر اظہار کر چکے تھے کہ زمین کی یہ مخلوق (انسان) زمین پر فساد برپا کرے گا اور کشت و خون کرے گا [۲:۳۰]۔ اس کے علاوہ ان لوگوں پر اترتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور وہ صراط مستقیم پر چلتے ہیں، ان کو اچھے اعمال کا بہترین صلہ ملنے کی خوش خبری سناتے ہیں اور ان سے اس دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی [۴۱:۳۰تا۳۲]۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں کی چالوں کے مقابلے میں ان کی

مدد کرنے میں اللہ، جبرئیل اور مومنین کا ساتھ دیتے ہیں[۶۶:۴]۔ اور جو لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں اور جھوٹ پر قائم رہتے ہیں ان کو مسترد کرنے اوران کی مذمت کرنے (یعنی ان پر لعنت کرنے) میں بھی فرشتے اللہ اور اہل ایمان کے ساتھ شامل رہتے ہیں[۱۶۱:۲]۔

فرشتے شب قدر کا اہتمام کرتے ہیں جو رمضان کے آخری دس راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے، جب کہ ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا''، اور مسلمانوں پر ''جس کے روزے فرض کئے گئے ہیں''۔ رمضان کی اس خاص رات کی شان الگ ہے۔ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ رمضان کی آخری دس راتیں عبادت میں گزاریں، اور اس خاص رات کو فرشتے بھی ان کے ساتھ خصوصی اہتمام کرتے ہیں: ''فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے اس کا امر لے کر اترتے ہیں، صبح ہونے تک یہ رات سلامتی ہی سلامتی ہے''[۹۷:۴،۹۵]۔ چنانچہ فرشتوں کو اس دنیا کے لئے بھی ذمہ داریاں دی ہوئی ہیں، جن کے تحت وہ انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں اور ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ نے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔

دنیا کے خاتمے کے وقت اور آخرت کی زندگی میں فرشتوں کا رول

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾

کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔
(۲۱۰:۲)

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّآ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنۡفَعُ نَفۡسًا اِيۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ كَسَبَتۡ فِىۡۤ اِيۡمَانِهَا خَيۡرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا رب آئے یا تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آئیں۔ (مگر) جس روز تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ (۱۵۸:۶)

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ

کیا یہ (کافر) اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے ان کے پاس (جان نکالنے) آئیں یا تمہارے رب کا حکم (عذاب) آ پہنچے اسی طرح اُن لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ تو اُن کو اُن کے اعمال کے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴

بُرے بدلے ملے اور جس چیز کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے اُس نے اُن کو (ہر طرف سے) گھیر لیا۔ (۱۶:۳۳تا۳۴)

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۲۲

جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور وہ پناہ پناہ پکار اٹھیں گے۔ (۲۵:۲۲)

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝۲۵

اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کئے جائیں گے۔ (۲۵:۲۵)

یہ آیات اس بات کو جتاتی ہیں کہ انسانوں کو فرشتوں کا نظر آجانا موت کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور ان کا نظر آنا موت کے بعد کی زندگی شروع ہونے کی علامت ہے، یہ کیفیت موجودہ حال سے قدر مختلف ہے، زندگی میں انسانوں کو فرشتے عام طور سے نظر نہیں آتے۔ جو لوگ پیغمبر سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اللہ کا پیغام دینے کے لئے فرشتوں کو زمین پر آنا چاہئے، یا یہ کہ فرشتہ نبی کا مددگار بن کر، یا ثبوت کے طور پر اس کے ساتھ سامنے سے نظر آئے، انہیں قرآن نے خبردار کیا کہ فرشتہ کو دیکھنے کی صلاحیت انسان کو تبھی حاصل ہوگی جب اللہ اس دنیاوی زندگی کو ختم کرنے کا فیصلہ کرے گا۔ لیکن تب بہت دیر ہو چکی ہوگی اور حق کو جھٹلانے والوں کے لئے فرشتوں کا دیکھنا کچھ سود مند نہ ہوگا؛ تب انہیں صرف فیصلہ اور اپنے کئے کاموں کا نتیجہ ہی دیکھنا ہوگا۔ دیگر آیات میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ کا پیغمبر کوئی فرشتہ ہو، اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ایسا ہونا انسانوں اور فرشتوں دونوں کی فطرت کے خلاف ہے کیوں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بس نہیں سکتے اور ایک دوسرے سے کلام نہیں کر سکتے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝۲۳ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۴

ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور اُن کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی (جنت میں جائیں گے) اور فرشتے (جنت کے) ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے۔ (۱۳:۲۳تا۲۴، نیز دیکھیں ۴۰:۷تا۹)

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۳

ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے کہ) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (۲۱:۱۰۳)

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٥

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔
(۷۵:۳۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٦

مومنو! اپنے آپ کو اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (۶:۶۶)

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٧

اور فرشتے اس کے کناروں پر (اتر آئیں گے) اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے۔
(۱۷:۶)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝٤

جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں، اس روز جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ (۴:۷۰)

وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۠ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝٣١

اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں اور ان کی گنتی کافروں کی آزمائش کے لئے طے کی ہے (اور) اس لئے کہ اہلِ کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہلِ کتاب اور مومن شک میں نہ پڑیں اور اس لئے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں) کہیں کہ اس مثال (کے بیان کرنے) سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو بنی آدم کے لئے نصیحت ہے۔
(۳۱:۷۴)

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۝٣٨

جس دن روح (الامین) اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو رحمن اجازت دے اور وہ بات بھی صحیح کہے۔ (۳۸:۷۸)

وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝٢٢

اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ کر آ موجود ہوں گے۔ (۲۲:۸۹)

حشر اور فیصلہ کے دن فرشتے مختلف قسم کے رول ادا کریں گے جیسا کہ ان آیات سے اشارہ ملتا ہے۔ وہ اپنے مراتب کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں گے [۷۸:۳۸؛ ۸۹:۲۲]۔ وہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہوں گے اور اس کی حمد میں لگے ہوں گے اور ان کی ایک مخصوص تعداد اللہ کا عرش اٹھائے ہوئے ہوگی [۳۹:۷۵؛ ۶۹:۱۷]۔ کچھ فرشتوں کا کام یہ ہوگا کہ جب ایمان لانے والے اور صالح اعمال انجام دینے والے لوگ اٹھائے جائیں گے اور نعمتوں سے بھرے باغات میں داخل ہوں گے تو وہ فرشتے ان لوگوں کا استقبال کریں گے اور انہیں مبارکباد دیں گے [۱۳:۲۳ تا ۲۴؛ ۲۱:۱۰۳]۔ فرشتوں کی کچھ متعین تعداد جہنم پر بھی تعنیات ہوگی [۶۶:۶؛ ۷۴:۱۰۳]۔ دنیا کی زندگی کے خاتمے کے وقت زمین پر اور پھر آخرت کے برپا ہونے پر آسمانوں میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کے مطابق فرشتوں کا ایک دنیا سے دوسری دنیا کی طرف سفر کرنا بھی ان کی ایک صفت ہے۔ یہ عظیم الشان فاصلہ فلکیات کے اعداد و شمار کے پیمانوں سے ماوراء ہے اور انسان کے تصوراتی فہم کے لئے قرآن میں اسے پچاس ہزار سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ، آخرت کی زندگی کے بارے میں اپنے انسانی فہم کے مطابق ہم قرآن کے پیش کردہ تصور کو اس کے الفاظ میں اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ اس دنیا میں ہم اپنی تمام تر لسانی، عقلی اور مادی تحدیدات کے مطابق پچاس ہزار سال کے فاصلہ کا تخمینہ لگا سکتے ہیں۔ ہمیں جنت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو ذہن میں رکھنا چاہئے جسے آخرت کے کسی بھی معاملے پر منطبق کیا جا سکتا ہے کہ ''(اللہ نے) وہاں ایسی نعمتیں رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خیال گزرا''، (بخاری، ابن ماجہ)۔

فرشتوں پر ایمان: عقیدہ کا ایک حصہ

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٩٧ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٩٨

کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (وہ یہ جان لے) اُس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔ (۲:۹۷ تا ۹۸)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کر لیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں، یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ (۱۷۷:۲)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول اس کتاب پر جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہی۔ (۲۸۵:۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

مومنو! اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جو کتاب اُس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑا۔ (۱۳۶:۴)

یہ بات اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے ہے کہ آدمی فرشتوں کے وجود پر ایمان رکھے اور ان تمام باتوں کو تسلیم کرے جو ان کے بارے میں قرآن میں اور مستند احادیث میں بتائی گئی ہیں۔ یہ غیب پر ایمان کا حصہ ہے یعنی ان باتوں یا چیزوں پر ایمان جو انسان کے حواس ادراک سے پرے ہیں، اور جن کے بارے میں علم کا واحد مآخذ وحی الٰہی ہے۔ قرآن اس بات پر بار بار زور دیتا ہے کہ فرشتے محض اللہ کی مخلوق ہیں، اور جب تک انہیں اللہ کوئی کام کرنے کا حکم نہ دے تب تک وہ کوئی حرکت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لہذا، اسلامی عقیدے میں فرشتوں کے مقام یا حیثیت کے بارے میں کوئی غلو یا کوئی کمی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ماننا کہ فرشتے دیوتا یا دیوتاؤں کی طرح

ہیں اسلامی عقیدے کے خلاف ہے اور اسی طرح یہ ماننا بھی اسلامی عقیدے کے خلاف ہے کہ فرشتوں کا کوئی وجود نہیں ہے یا فرشتے کچھ نہیں کرتے۔

(ب) نظر نہ آنے والی مخلوق ''الجن''

جنوں کی ماہیت

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔ (۱۵:۲۷)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کیلئے (اللہ کی دوستی کا) بُرا بدل ہے۔ (۱۸:۵۰)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنوں اور انسانوں کی (دوسری) امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں عذاب کا وعدہ متحقق ہو گیا بے شک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔
(۴۶:۱۸، نیز دیکھیں ۷:۳۸)

وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ﴿۱۵﴾

اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ (۵۵:۱۵)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ﴿۳۳﴾

اے گروہِ جن و انس! اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے۔ (۵۵:۳۳)

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ۚ﴿۵۶﴾

ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں جن کو اہلِ جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ (۵۵:۵۶، ۷۴)

قرآن یہ اشارہ کرتا ہے کہ غیر مرئی مخلوق (جن) آگ کی لپٹ سے پیدا کی گئی ہے جو دھوئیں سے بجھتی نہیں ہے اور شدید ہوتی ہے نیز گھسنے والی ہوتی ہے۔ یہ چیز جن اور انسان کی تخلیق میں فرق کو ظاہر کرتی ہے کہ انسان کی تخلیق کھنکنے والی مٹی سے ہوئی ہے۔ اس طرح ہر دو مخلوق کی فطرت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے، یہ دونوں الگ الگ مخلوقات ہیں اور ان کی ماہیت اور ان کی زندگی میں فرق ہے۔ جنوں کے پاس اپنی قوت سمجھ ہوتی ہے، اپنی مرضی اور ذمہ داری ہوتی ہے اور انہیں بھی اللہ نے اپنے پیغام کا مخاطب بنایا ہے، جیسا کہ آگے آنے والی آیات قرآنی سے پتہ چلتا ہے۔ ابلیس، جسے انگریزی میں سیتن یا فرانسیسی میں لوسی فر کہا جاتا ہے، جو جنوں میں سے ہی تھا [۱۸:۵۰]، اس کی نافرمانی اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ علوم دینیہ کے ایک مستند و معروف عالم حسن بصریؒ کی یہی رائے تھی جو کہ قرآنی متن کے مفہوم پر مبنی ہے۔ ابلیس کی تخلیق کے بارے میں یہ وضاحت کہ وہ جنوں میں سے تھا اس غلط فہمی کو دور کرتی ہے کہ وہ اصلاً ایک فرشتہ تھا جس نے اللہ کی نافرمانی کی، جیسا کہ اس باب میں قرآن کا بیان ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ سب آدم کے آگے جھک گئے تھے سوائے ابلیس کے۔ اصول یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ [۶۶:۶]

اس واقعہ کی بابت قرآن کے اس بیان سے دلیل لیتے ہوئے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کا حکم تو فرشتوں کے لئے تھا۔ لیکن جن بھی وہاں موجود تھے تو ان سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ بھی اس فرمان کی اتباع کریں گے کیوں کہ انہیں بہرحال فرشتوں سے کم رتبہ والا سمجھا جاتا ہے۔ ابلیس بھی چوں کہ ایک جن ہی تھا لیکن اس نے نافرمانی کا اظہار کیا کیوں کہ جن اپنی مرضی اور پسند کا اختیار رکھتے ہیں۔ ابلیس نے اللہ سے تکرار اور حجت کرتے ہوئے دراصل اپنی ان صلاحیتوں کا ثبوت پیش کیا جو اللہ نے جنوں کو بخشی ہیں۔ تاہم، جنوں کی قدرت و طاقت مطلق نہیں ہے، اور چوں کہ انہیں آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اس لئے ہر وہ کام نہیں کر سکتے جو کرنا چاہیں، کیوں کہ وہ خود خدا نہیں ہیں بلکہ محض خدا کی مخلوق ہیں۔ اللہ کی تمام مخلوقات کی طرح، بشمول انسانوں کے، جن بھی اپنی حرکتوں میں اللہ کے بنائے ہوئے ضابطوں کے پابند ہیں اور ان حدود سے باہر نہیں جا سکتے جن کا انہیں پابند کر دیا گیا ہے۔

جن آیات میں بدکاروں کی سزا کے طور پر جہنم اور جہنم میں ہونے والے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بعض مقامات پر ''امم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور جنوں و انسانوں کی 'امم' کا ذکر ہے [۷:۳۸؛ ۴۶:۱۸]۔ یہ 'امت' کی جمع ہے جس کے معنی ہے جماعت یا گروہ [مثال کے طور پر دیکھیں ۲۸:۲۳]۔ یہ لفظ ایسے گروہوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور یہ امتیاز و فرق کسی نسل یا نوع میں بھی کسی بنیاد پر فطری طور سے ہوتا ہے۔ تو کیا یہ آیات خاص طور جنوں میں الگ الگ گروہوں یا ان کے درمیان فرق کو ظاہر کرتی ہیں؟ کیا ان میں تولید کی صلاحیت اور ایک کے بعد دوسری نسل کا پتہ دیتی ہیں؟ جن آیات میں جنت کے اندر رفیقوں کا ذکر ہے، جیسے کہ ''انہیں کسی انسان یا جن نے پہلے نہ چھوا ہوگا'' [۵۵:۵۶، ۷۴]، سے بھی کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کیا اس بیان کو انسانوں اور جنوں کے دمیان جنسی تعلق کے امکان کی طرف ایک استعارہ مانا جا سکتا ہے یا جنوں کے اندر جنسی صلاحیت کے ہونے اور نسل پیدا کرنے کی اہلیت ہونے کا اشارہ مانا جا سکتا ہے؟ انسانوں اور جنوں کے درمیان تخلیقی اور فطری نوعیت کا فرق قرآن کے بیان کو سمجھنے کے لئے ان حوروں کی عفت و عصمت کی طرف ایک استعارہ ہوتا ہے، خاص طور سے جب کے لئے ''نیچی نگاہ والیاں'' کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ان سوالوں کا جواب موجود نہیں ہے کیوں کہ جن بالعموم انسان سے الگ ایک مخلوق ہیں۔ ان سوالوں کا جواب پانے کے لئے جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا سوال ہے، میں صرف وہی پیش کروں گا جو مذکورہ قرآنی آیات کی بنیادی باتوں سے تعلق رکھتی ہیں، ان کی

تفصیلات نہیں، کیوں کہ احادیث رسول کو مخصوص طریقے سے سمجھنے کے لئے الگ کاوشوں کی ضرورت ہے۔ ان باغوں کی حوروں کے سلسلے میں جنہیں ''پہلے کسی نہ چھوا نہ ہوگا''، میں آیات ۵۶:۵ ۳ تا ۳۸ کو پیش کروں گا جو یہ اشارہ کرتی ہیں کہ ''ان (حوروں) کو پیدا کیا تو ان کو کنواریاں بنایا''۔ ان آیات سے متعلق اپنے وضاحتی نوٹ نمبر ۱۴ میں محمد اسد لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صحیح احادیث کے مطابق جو طبری اور ابن کثیر نے پوری کی پوری نقل کی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر فرمایا کہ تمام صالح خواتین، خواہ دنیا میں کتنی بھی ضعیف العمری کی حالت میں مری ہوں، کنواری اور جوان حالت میں اٹھائی جائیں گی اور اپنے مرد رفیقوں کی ہم عمر ہوں گی اور جنت میں وہ ہمیشہ جوان ہی رہیں گی۔''

خدا نہیں بلکہ خدا کی مخلوق

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۟ؑ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰۱

اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان کو اُسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور (اُس کی شان) ان سے بلند ہے۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اُس کی اولاد کہاں سے ہو جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ (۶:۱۰۰ تا ۱۰۱)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۴۰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝۴۱

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ یہ بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے اور اکثر انہی کو مانتے تھے۔ (۳۴:۴۰ تا ۴۱)

وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝۱۵۸

اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کئے جائیں گے۔ (۳۷:۱۵۸)

جیسا کہ کچھ لوگ، خاص طور سے ظہور اسلام کے وقت عرب کے لوگ، فرشتوں میں الوہیت کا تصور رکھتے تھے اور انہیں اللہ کے ساتھ اس کی طاقت وقدرت میں شریک سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، کچھ دوسرے لوگ جنوں کو خدائی صفات سے متصف سمجھتے ہیں اور انہیں خدا کا شریک بناتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ کچھ لوگ فرشتوں اور جنوں میں فرق نہیں کر پاتے تھے اور دھوکے میں رہتے تھے کہ دونوں ہی مخلوقات غیر مرئی ہیں۔ وہ فرشتوں کی عبادت کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کا یہ دعویٰ غلطی سے یا کسی اور وجہ سے صحیح نہیں

تھا؛ وہ اصل میں جنوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کی طاقت سے ڈرتے تھے اور انہیں خوش کرنے نیز ان کے غیظ وغضب سے بچنے کے لئے ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے، وہی حقیقی خالق ہے اور فرشتوں، جنوں اور تمام مخلوقات کا آقا ہے اور کوئی اس کا شریک حال ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، نہ کوئی اس کا بیٹا یا بیٹی ہوسکتا ہے، چاہے انسانوں میں سے ہو، فرشتوں میں سے ہو یا کوئی اور ہستی ہو۔

ذمہ داری اور صلہ

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ
اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ
الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا
الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَ كَذٰلِكَ
نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾
یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَ یُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ
هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ
الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا
كٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کئے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا اللہ فرمائے گا کہ (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔ اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ (پروردگار!) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی کہ بے شک وہ کفر کرتے رہے تھے۔

(۶:۱۲۸ تا ۱۳۰)

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ
وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ
اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ
اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ
عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ

اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں انہی کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ جب ایک جماعت (وہاں) داخل ہو گی تو اپنی (مذہبی) بہن (یعنی اپنے جیسی دوسری جماعت) پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے اللہ! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو ان کو آتشِ جہنم کا دگنا عذاب دے اللہ

لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٣٨ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ
لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُوْنَ ۝٣٩

فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے۔ اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو (عمل) تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں عذاب کے مزے چکھو۔ (۷:۳۸تا۳۹)

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝١٧٩

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں، اُن کے دل ہیں لیکن اُن سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۷:۱۷۹)

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝٨٨

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ (۱۷:۸۸)

وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝٢٥

اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال ان کو عمدہ کر دکھائے تھے اور جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو ان سے پہلے گزر چکیں ان پر بھی اللہ (کے عذاب) کا وعدہ پورا ہو گیا بے شک یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۴۱:۲۵)

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝١٨

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنوں اور انسانوں کی (دوسری) امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں عذاب کا وعدہ متحقق ہو گیا بیشک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۴۶:۱۸)

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝٥٦ مَآ

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت

اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

کریں۔ میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ اللہ ہی تو رزق دینے والا زورآور مضبوط ہے۔

(۵۱:۵۶ تا ۵۸)

درج بالا آیات میں جنوں کی ذمہ داریوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ آخرت میں ان کے اعمال کا فیصلہ بھی ہوگا اور اس کے مطابق انہیں جزا یا سزا دی جائے گی۔ مزید برآں، ان آیات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اللہ کے کچھ پیغمبر جنوں میں بھی آئے ہیں اور انہیں فیصلہ کا دن واقع ہونے اور اعمال کا بدلہ ملنے کی خبر دی ہے۔ کیا اللہ کے یہ پیغمبر انسان ہی تھے جنھوں نے انسانوں کے ساتھ جنوں کو بھی اللہ کا پیغام پہنچایا، یا پھر وہ جن ہی تھے؟ اس سوال پر علماء کی اکثریت پہلے خیال سے متفق ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان سے پہلے کے وقیع علماء اسی خیال کے حامل تھے۔ کیا جن انسانی پیغمبروں کے مخاطبین میں شامل تھے یا وہ اپنی نہ نظر نہ آنے والی صلاحیت اور اپنی مخصوص طاقتوں کی وجہ سے خود ان کے پیغام کو سن لیتے تھے؟ قرآن میں جنوں کے ذریعہ قرآن سننے اور پھر اس کا پیغام اپنے ساتھیوں تک پہنچانے کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس سے اس دوسرے خیال کی ہی تائید ہوتی ہے [۵۱:۵۶] جب جن اپنی مخصوص صلاحیتوں اور استعداد کو کام میں نہیں لاتے اور اپنی ذمہ داری سے غفلت برتتے ہیں تو قرآن ان کی بھی اسی طرح مذمت کرتا ہے جس طرح وہ ان انسانوں کی مذمت کرتا ہے جو خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اور اپنے اس رویہ کی وجہ سے انہیں جانوروں سے بدتر قرار دیتا ہے جن کے پاس یہ صلاحیتیں ہیں ہی نہیں۔

انسانوں کے ساتھ جنوں کو بھی قرآن کی طرح کوئی کلام بنالانے کا چیلنج دیا گیا ہے [۱۷:۸۸]۔ اس سے ایک استعجاب (حیران کن سوال) یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دونوں مخلوقات کے اندر سوچنے اور اظہار کرنے کی یکساں قدرت ہے، یا یہ کہ جن انسانوں کے اندر یہ جذبات اور رویہ پیدا کرتے ہیں جن سے ان کے اندر تکبر، خود پسندی اور دل فریب خیالات پیدا ہوتے ہیں؟ یہ بات واضح ہے کہ جنوں اور انسانوں کے درمیان رابطہ کے کچھ متعین واسطے ہیں جیسا کہ آیت [۶:۱۲۸] سے اشارہ ملتا ہے: ''اے گروہِ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کئے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے۔۔۔''

آیت [۴۱:۲۵] کے شروع میں بدکاروں کے حوالے سے کہا گیا ہے، ''ان کے ہم نشیں''، اور اس کے آخر میں برائی پر عامل ''جنوں اور انسانوں کی جماعتوں'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیا جن اور شیطان کے درمیان، جس کا ذکر آگے آئے گا، تعلق الگ ہے اور جن و انسان کے درمیان تعلق الگ، یعنی محض روحانی، یا اس کا کوئی جسمانی پہلو بھی ہے؟ قرآن ذمہ داریوں میں کوتاہی کے حوالے سے جنوں اور انسانوں دونوں کا ذکر کرتا ہے جو اپنے سرداروں اور بڑوں کی یا پہلے کے لوگوں کی اندھی تقلید میں اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی کرتے ہیں جو ان سب کو لے کر جہنم میں جا گریں گے [۷:۳۸ تا ۳۹]، جب کہ قرآن انفرادی ذمہ داری پر زور دیتا ہے اور دوسروں کی اندھی پیروی یا نقل کرنے کی مذمت کرتا ہے [مثال کے لئے دیکھیں: ۲:۱۶۶ تا ۱۶۷؛ ۱۴:۲۱؛ ۳۳:۶۷ تا ۶۸؛ ۳۴:۳۱ تا ۳۳؛ ۴۰:۴۷ تا ۴۸؛ نیز دیکھیں ۲:۱۷۰؛ ۵:۱۰۴؛ ۷:۲۸، ۷۰ تا ۷۱؛ ۱۰:۷۸؛ ۱۱:۶۲ تا ۶۳، ۱۰۹؛ ۱۴:۱۰ تا ۱۱؛ ۲۱:۵۳ تا ۵۴؛ ۲۶:۷۴ تا ۷۷؛ ۳۱:۲۱؛ ۴۳:۲۲ تا ۲۴]۔

کیا جنوں میں درجہ مراتب یا مخلوقات کے اندر پائی جانے والے نظم و ضبط کے قدرتی ضابطے ہوتے ہیں؟ [دیکھیں ۷:۳۸؛

۱۷:۲۷]، اور یہ کہ کیا ان کے اندر انفرادی طور پر سوجھ بوجھ اور عقل مندی کی الگ الگ سطحیں ہوتی ہیں، جیسا کہ آیت [۳۹:۲۷] سے اندازہ ہوتا ہے؟ اپنے غور و فکر کو قرآن تک ہی محدود رکھنے پر ہمیں اس کا تفصیلی جواب نہیں ملتا، اور احادیث میں ان حوالوں سے جو تفصیلات آئی ہیں وہ اس تصنیف کے نفس مضمون کے دائرے سے باہر ہیں۔

جنوں اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان خصوصی تعلق کا بیان

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ؕ

اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کا تابع کر دیا تھا اُس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی اور ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے ایسے تھے جو اُن کے رب کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی اُن میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اُس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ وہ جو چاہتے ہیں یہ اُن کیلئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں۔ اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔ پھر جب ہم نے اُن کیلئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے اُن کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو اُن کے عصاء کو کھاتا رہا جب عصاء گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔

(۳۴:۱۲ تا ۱۴)

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ۙ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ۙ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

(اور) دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیرِ فرماں کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیرِ فرماں کیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اَوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (ہم نے کہ) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کرو (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے۔ (۳۸:۳۵ تا ۳۹)

وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔ (۲۷:۱۷)

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾

جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس (کے اٹھانے کی) طاقت رکھتا ہوں (اور) امانت دار ہوں۔ (۲۷:۳۹)

ان آیات سے پیغمبر سلیمان علیہ السلام اور جنوں کے درمیان خصوصی تعلق سامنے آتا ہے۔ یہ بالکل ایک بے مثال تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک متعین تعداد کو سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں لگا دیا تھا، وہ ان کے لئے سامان بنایا کرتے تھے، عمارتیں، لگن اور برتن بناتے تھے۔ یہ جن جب کام میں لگے ہوتے تھے تو کیا یہ ظاہری شکل میں دکھائی دیتے تھے یا ان دیکھے ہی رہتے تھے؟ قرآن سے ہمیں اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔ جو بات صاف سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ سلیمان (علیہ السلام) جس طرح ہوا سے اور پرندوں سے بات کرتے تھے اسی طرح جنوں سے بھی ان کا تکلم ہوتا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی ہوئی خاص طاقتیں تھیں جو سلیمان (علیہ السلام) کو ملی ہوئی تھیں۔

ایک ہوشیار اور بہادر جن نے سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا کا تخت اٹھا کر لا دینے کی پیش کش کی اور اتنی سرعت کے ساتھ کے اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھیں وہ تخت ان کے سامنے لا حاضر کیا جائے گا۔ ان جنوں کو (جو کہ غالباً شیاطین تھے جیسا کہ آیات ۳۸:۳۷ تا ۳۸ سے اشارہ ملتا ہے) سلیمان علیہ السلام کی حکم برداری میں لگا دیا گیا تھا اور وہ سخت محنت کرنے کے لئے اتنے مجبور تھے، اور نافرمانی کرنے پر انہیں سزا کا اتنا خوف تھا کہ انہیں سلیمان علیہ السلام کا اپنی تخت پر براجمان رہتے ہوئے فوت ہوجانے کا بھی پتہ تب تک نہیں چل سکا جب تک کہ ان کا وہ عصا جس پر وہ ٹیک لگاتے تھے، کیڑا لگنے سے گر نہ گیا اور اس کے گرنے سے ان کا جسم بھی نیچے گر گیا۔

وہ کیڑا ''دابہ'' کون سا تھا اور اس نے کتنے وقت میں اس لاٹھی کو کھا کر اندر سے کھوکھلا کیا؟ سلیمان علیہ السلام کے فوت ہوجانے کا علم ان کے اہل خانہ اور محافظین کو ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا ہوگا، چنانچہ یہ کوئی مہین کیڑا (گھن) ہوگا جس کے کترنے سے، بہت کم عرصے میں ہی یہ سب کچھ ہوگیا۔ ان آیات (۳۴:۱۴) سے جنوں کی طاقت وقدرت محدود ہونے کا پتہ چلتا ہے، کہ انہیں سلیمان علیہ السلام کی موت ہوجانے کا پتہ ہی اس وقت تک نہیں چلا جب تک انھوں نے سلیمان علیہ السلام کی میت نیچے گرتے ہوئے نہیں دیکھ لی۔

یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اور جنوں کے درمیان تعلق بالکل الگ نوعیت کا تھا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کا خاص معجزہ اور مافوق الفطرت قوتیں تھیں تھا جو اللہ نے انہیں بخشی تھیں؛ اور جنوں وانسانوں کے درمیان تعلق کا کوئی عام اصول اس سے معلوم نہیں ہوسکتا۔

جنوں کا قرآن سننا

وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَ

اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے

لَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا
سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾
يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ
ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنْ لَّا
يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ
لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

کہ خاموش رہو، جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے، یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ (۲۹:۴۶ تا ۳۲)

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا
سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ
وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا
اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ
سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ
الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ
مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا ﴿۶﴾ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ
اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ
حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا
رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ
اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ
وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ

کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض بے وقوف اللہ کے بارے میں جھوٹ افتراء کرتے ہیں۔ اور ہمارا (یہ) خیال تھا کہ انسان اور جن اللہ کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے۔ اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔ اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا تھا کہ اللہ کسی کو نہیں جلائے گا۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لئے انگارا تیار پائے۔ اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں بُرائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے، ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔ اور یہ کہ ہم نے

اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّ
اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡ بِرَبِّهٖ
فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ
مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾
وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی اس پر ایمان لے آئے تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا۔ اور یہ کہ ہم میں فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں تو جو فرمانبردار ہوئے وہ سیدھے رستے پر چلے۔ اور جو گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔

(۷۲:۱ تا ۱۵)

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے اللہ کے رسول محمد ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا۔ ایسا نہیں لگتا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے دوران اس قسم کا واقعہ کئی بار یا بار بار ہوا ہو، اور قرآن میں اس قسم کا کوئی واقعہ کسی اور نبی کے حوالے سے بیان نہیں ہوا ہے، سوائے اس کے کہ 'صحف موسیٰ' کے حوالے سے جنات کا مختصر سا بیان آیا ہے [۴۶:۳۰]۔ بعض دوسری آیات یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ انسان جنوں سے پناہ طلب کرتے یا کر سکتے ہیں، حالانکہ ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ اس عمل میں کس قسم کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ کیا یہ ایک حقیقی کیفیت ہوتی ہے یا فرضی؟ مادی تعلق ہوتا ہے یا غیر مادی؟ کیا جنوں کی وہ جماعت جس نے قرآن سنا، رسول اللہ ﷺ کے پاس قصداً قرآن سننے کے مقصد سے آئی تھی یا اتفاقیہ طور پر؟ اور اللہ کی ہدایت [۶۴:۹۲] ہمیشہ اپنے فطری قوانین، خاص طور سے اسباب وعلل کے قوانین کے تحت کام کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ جب جنوں نے قرآن سنا تو آپؐ وہاں جنوں کی موجودگی سے باخبر نہیں تھے (مسلم، ابن حنبل اور ترمذی)

یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ جنوں کی اپنی حدیں ہیں جن سے وہ باہر نہیں جا سکتے اور اگر وہ ایسا کرنا چاہیں تو انہیں ضرب پہنچ سکتی ہے، جیسا کہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے؛ ''اے گروہِ جن وانس! اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے ۔۔۔۔ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے''۔ [۵۵:۳۳،۳۵]۔ جنات آسمانوں کی خبریں لینے کے لئے آسمان کے قریب مناسب ٹھکانوں پر بیٹھنے کی جستجو میں رہتے تھے اور اللہ کی طرف سے آنے والے پیغام سے باخبر رہتے تھے، خاص طور سے جو پیغامات موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے۔ خاص طور سے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں ہوا ہے؟ کیا جنوں نے ان کو بھیجا گیا پیغام سن لیا تھا؟ جن اللہ کے پیغامات کو ان کی مختلف زبانوں میں سمجھ لیتے ہیں، اور وہ اسے اپنے اندازِ تکلم میں کس طرح دوسروں کو سمجھاتے ہیں، ''جب وہ اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں'' [۴۶:۲۹]؟ اور جب اللہ کا کوئی پیغام جنوں کے پاس کبھی بھی یا کسی بھی ذریعہ سے پہنچے تو پھر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں بھی کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ لوگ صالح نہیں ہیں، کیوں کہ پیغام کو سننے کے بعد وہ مختلف راستوں کی پیروی میں لگ گئے [۷۲:۱۱]

جنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مسلمان قرآن اور مستند احادیث کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں، اور ان سے الگ کسی بھی ذریعہ سے کسی بھی جستجو میں لگنے سے انہیں بچنا ہے۔ انسان اور جن اپنی فطرت اور اپنی زندگی میں مختلف ہیں، مسلمانوں کو قرآن وسنت میں جادو کے ذریعہ یا دوسرے ذرائع سے جنوں سے رابطہ قائم کرنے، یا کسی بھی معاملے میں، خواہ کوئی جائز مقصد ہی ہو، ان سے کوئی بھی مدد لینے میں اپنے اوقات اور توانائیوں کو ضائع کرنے سے بچنے کے لئے متنبہ کیا گیا ہے۔ انہیں جنوں کی مدد سے یا

کسی اور طریقہ سے جادو کا سہارا لینے سے بھی منع کیا گیا ہے، یہاں تک کسی کو اگر جادو سے کوئی نقصان پہنچنے کا گمان ہو تو بھی اسے اپنے دفاع میں بھی جادو کا سہارا لینے کی اجازت نہیں ہے [جیسا امام ابن حنبل اور ابوداوٗد کی روایات میں ہے] یا کسی کے مقابلے جن سے کوئی مدد لینا بھی ممنوع ہے۔ انسان اور جن ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں اور جنوں کی بھی راہ عمل الگ الگ ہیں؛ اس صورت میں کوئی مومن اس بات کو کیسے یقینی بنا سکتا ہے کہ اگر کوئی جن اس کے رابطے میں آ بھی گیا تو وہ کس قسم کا جن ہوگا؟

(ت) ابلیس اور شیاطین

پیدائش:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٭ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۳۴

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔ (۲:۳۴)

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۳۶

پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش و نشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ (۲:۳۶)

وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۱۵ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ

اور ہمیں نے تمہیں (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت شکل بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو (جنت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے اُس دن تک مہلت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ (پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں

لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ نکل جا یہاں سے پاجی مردود جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (اُن کو اور تجھے جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (۷:۱۱ تا ۱۸)

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾

(اس نے) کہا کہ اے اللہ! جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کیلئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ (اللہ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا رستہ ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں اُن پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ اُن کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بُری راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ اور اُن سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ (۱۵:۳۹ تا ۴۳)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا بولا بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (اور از راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ اللہ نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا، جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا ہے۔ اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے اُن سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) تمہارا رب کارساز کافی ہے۔ (۱۷:۶۱ تا ۶۵)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ
اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ
عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کیلئے (اللہ کی دوستی کا) بُرا بدل ہے۔ (۱۸:۵۰)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ۙ اِلَّا عِبَادَكَ
مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ۚ
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا تا رہوں گا، سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔ فرمایا سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں۔ کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (۳۸:۸۲ تا ۸۵)

اللہ کے باغی ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر آدم کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح اس نے کچھ جنوں کو شیطان بن جانے کی راہ دکھا دی، جنھوں نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کی پیروی کرنے کو اپنے لئے پسند کیا۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ جن اپنی مرضی میں آزاد ہیں اور وہ اپنا راستہ خود چن سکتے ہیں۔ آیت ۱۸[:]۵۰ یہ بتاتی ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا، تاہم حسن بصری (متوفی ۷۲۸ء) کہتے ہیں کہ ابلیس کبھی بھی جن نہیں تھا۔ جیسا کہ پہلے قرآن کا بیان نقل کیا جا چکا ہے کہ ابلیس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور آدم کو سجدہ نہیں کیا، جب کہ یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، تو اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جن وہاں موجود تھے اور اور چوں کہ ان کا مرتبہ فرشتوں سے کم تر ہے اس لئے ان سے بھی یہی توقع تھی کہ فرشتوں کی پیروی کریں گے اور وہ بھی آدم کے آگے جھک جائیں گے، اور ابلیس بھی ان جنوں میں سے تھا لیکن اس نے کھل کر اپنی نافرمانی کا اظہار کر دیا۔ اس کا یہ تکبر جس نے اسے اللہ کے مقابلے اس سرکشی پر آمادہ کیا، جنوں کے لئے برائی کا بیج بن گیا اور انسانوں کو برائی پر آمادہ کرنے کا محرک بن گیا۔

اللہ تعالیٰ سے حجت بازی کرنے کی ابلیس کی ادا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پاس اپنی عقل یا سوجھ بوجھ کی قدرت ہے۔ اسی چیز نے اسے اس بنیاد پر حجت بازی کرنے کا اہل بنایا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے جب کہ آدم کو مٹی کے ٹھیکرے سے پیدا کیا گیا ہے۔ انسانوں کو بھٹکانے اور بغاوت پر اکسانے کے اس کے ارادوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کی ذریت کس قدر چالاک اور اپنے مشن پر مستقل کاربند رہنے والی نیز اکثر اوقات اپنے مشن میں کامیاب ہونے کا یقین رکھنے والی ہے اور یہ کہ انسانوں کو بھٹکانے کی اس کی یہ کوشش مختلف طرح سے بروئے کار آ سکتی ہے جیسا کہ اس نے کہا کہ آؤں گا ان کے پاس ’’آگے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اور ان میں اکثر کو تو (اے اللہ) اپنا شکر گزار نہ پائے گا (ان نعمتوں کے لئے جو تو نے انہیں بخشی ہیں)‘‘۔ شیطان کی سرکشی (یعنی چالیں) کھلی یا چھپی ہو سکتی ہیں، براہ راست یا بالواسطہ ہو سکتی ہیں، اور کسی انسان کو انکار یا غلو میں سے کسی بھی انتہا پر لے جانے کی سمت میں ہو سکتی ہیں۔

شیطان زیادہ سے زیادہ انسانوں کو بھٹکانے کے لئے جی توڑ کوششوں میں لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ جو اس گمان میں مبتلا

ہوں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں، ان کی نیتوں کے بارے میں خود انہیں بھی اور دوسروں کو بھی غلط فہمیوں میں مبتلا کر کے گمراہ کر سکتا ہے۔ وہ ترغیب ولالچ سے بھی کام لیتا ہے اور ڈراوے اور اندیشوں سے بھی کام لیتا ہے: ''شیطان تمھیں فقر سے ڈراتا ہے (تاکہ تم ناجائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرنے کی جستجو کرو) اور تمھیں شرم آمیز کام کرنے (حرام و ناجائز طریقے اپنانے) پر بھی اکساتا ہے'' [۲۶۸:۲]۔ اپنی مختلف تدبیروں سے، جھوٹے وعدوں سے، خطروں سے اور انسانی کمزوریوں کا ہر طریقہ سے استحصال کر کے گمراہی پر قائم کسی انسان کے تمام فیصلوں میں اس کا ایک شریک بن جاتا ہے، کسی انسان کو غلط راستوں سے کمانے یا غلط راستوں میں خرچ کرنے پر اکسا سکتا ہے، یا حرام بچے پیدا کرنے یا ان کی غلط طریقے سے پرورش کرنے پر راغب کر سکتا ہے، اور اس طرح وہ تھوڑے سے شخصوں کے سوا آدم کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹنے'' میں لگا رہتا ہے۔ [۶۲:۱۷]

اتنے اعتماد کے ساتھ شیطان اللہ کی عزت و قدرت کی قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ آدم کی تمام اولاد کو گمراہ کر کے چھوڑے گا ''سوائے ان کے جو تیرے (اے اللہ) سچے بندے ہوں گے'' [۴۰:۱۵]۔ اس طرح شیطان اللہ کے قادر مطلق ہونے سے پوری طرح باخبر لگتا ہے، اور یہ اقرار کرتا ہے کہ سرکشی پر مبنی اس کی تمام حرکتیں جو اس نے پہلے کی ہیں، اس وقت کر رہا ہے اور آگے کرتا رہے گا وہ اس کے تکبر اور ضد کا نتیجہ ہیں، اور یہ کہ اللہ اور اللہ کی قدرت کے بارے میں اسے کبھی کوئی شبہ نہیں رہا۔ اس طرح شیطان خود اپنے لئے بدکاری اور باغیانہ روش کا ایک نمونہ بن گیا۔ جن لوگوں کی دانش مندی، اللہ کے بارے میں پختہ شعور اور مضبوط قوت ارادی انہیں شیطان کے مقابلے ثابت قدم رکھتی ہے اور شیطان کی مستقل وسوسہ آرائیوں کے مقابلے کے لئے وہ اللہ سے مدد اور حمایت مانگتے رہتے ہیں وہ اس کے جھوٹے وعدوں کو مسترد کر دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ''جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر (اے شیطان) تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) تمہارا رب کارساز کافی ہے''۔

انسان سے شیطان کی دشمنی کے پیش نظر انسان کو شیطان کی تدبیروں سے بچنا چاہئے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶

پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش و نشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ (۳۶:۲)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۶۸

لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۱۶۸:۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۲۰۸:۲)

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اُس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اُس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔ (۸۳:۴)

وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے) بھی (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۱۴۲:۶)

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾

اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان (بری باتوں سے) اُن میں فساد ڈلوا دیتا ہے کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (۵۳:۱۷)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کیلئے (اللہ کی دوستی کا) بُرا بدل ہے۔ (۵۰:۱۸)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

اے مومنو! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان تو بے حیائی (کی باتیں) اور بُرے کام ہی بتائے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا مگر جس کو اللہ چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے (اور) اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (۲۱:۲۴)

وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَۃٍ مِّنْ اَھْلِھَا فَوَجَدَ فِیْھَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫ ھٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ وَ ھٰذَا مِنْ عَدُوِّہٖ ۚ فَاسْتَغَاثَہُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِہٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّہٖ ۙ فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ ۫ قَالَ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں ایک تو موسیٰ کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا اُس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی تو اُنہوں نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا بیشک وہ (انسان کا) دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔ (۱۵:۲۸)

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ﴿۶﴾

شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیرووں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔ (۶:۳۵)

وَ لَا یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾

اور (کہیں) شیطان تم کو (اس سے) روک نہ دے وہ تو تمہارا اعلانیہ دشمن ہے۔ (۶۲:۴۳)

قرآن تمام انسانوں کو بالعموم، اور ایک اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو بالخصوص، بار بار یہ ذہن نشین کراتا ہے کہ شیطان جو کہ اللہ کا باغی ہے، ان کا کھلا دشمن ہے۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہے اور لوگوں کو بہکانے کی قسم کھائی ہے اور اپنی کھلی و چھپی چالوں میں انہیں پھانسنے کا عزم کیا ہے، وہ ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور انہیں ڈراتا ہے۔ چنانچہ انسانوں کو بھی اسے ایک دشمن کے طور پر برتنا چاہئے، نہ کہ وہ اس کو اپنا سرپرست، رہنما یا رفیق بنائیں، اور شیطان کی مکاریوں سے ہمیشہ ہوشیار رہیں۔ لیکن انسان بار بار اتنی شدید تنبیہات کے باوجود اکثر اوقات بہک جاتے ہیں اور بہکنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لا چکے ہیں۔ یہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آتے ہیں، اس کے جال میں پھنستے ہیں اور اپنی انسانی کمزوریوں اور شیطان کی چالوں کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح شیطان انسانوں کو سیدھی راہ سے پھیرتا ہے اور ان کا استحصال کرتا ہے، اور جب کبھی بھی کوئی انسانی کمزوری سامنے آتی ہے، تو وہ انسان کو پھسلانے کے لئے فوراً اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں لگ جاتا ہے اور اسے ترغیب یا ترہیب سے فوراً ہی یا دھیرے دھیرے راہ مستقیم سے دور لے جاتا ہے۔ قرآن مومنوں کو یہ بھروسہ دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل تقویٰ کرنے سے اور شیطان سے ہوشیار رہنے کی بدولت وہ ثابت قدم رہیں گے / گی، اور صراط مستقیم پر قائم رہیں گے / گی، اور یہ کیفیت ان کے لئے ایک مستقل ڈھال بنے رہے گی۔

شیطان چوں کہ پیدائشی طور پر جنوں میں سے ہے، اس لئے وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ دیکھیں جنوں سے متعلق گزشتہ آیات اور ان کی تشریح [۱۵:۲۷؛ ۱۵:۵۵] اور ابلیس سے متعلق آیات [۷:۱۲؛ ۳۸:۷۶]۔

شیطان کا کردار

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۧ ﴿۷۶﴾

جو مومن ہیں وہ تو اللہ کیلئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ بتوں کیلئے لڑتے ہیں، سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔ (۷۶:۴)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

یہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو عورتوں ہی کی، اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش کو ہی؛ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (جو اللہ سے) کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں سے (غیر اللہ کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا، اور ان کو گمراہ کرتا رہوں گا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیا کردیں اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں؛ اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ وہاں سے مخلصی نہیں پا سکیں گے۔
(۴:۱۱۷ تا ۱۲۱، نیز دیکھیں ۲۲:۳۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تمہیں (ان کاموں سے) باز رہنا چاہئے۔
(۵:۹۰ تا ۹۱)

وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

اور ہر شیطان راندۂ درگاہ سے اُسے محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اُس کے پیچھے لپکتا ہے۔
(۱۵:۱۷ تا ۱۸، نیز دیکھیں ۳۷:۷؛ ۶۷:۵)

اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾

فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔
(۲۷:۱۷)

یٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّیۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِیًّا ﴿۴۴﴾

ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔
(۴۴:۱۹)

فَوَ رَبِّكَ لَنَحۡشُرَنَّهُمۡ وَ الشَّیٰطِیۡنَ ثُمَّ لَنُحۡضِرَنَّهُمۡ حَوۡلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ﴿ۚ۶۸﴾

تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان کو جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی پھر ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے (اور وہ) گھٹنوں پر گرے ہوئے (ہوں گے)۔ (۶۸:۱۹، نیز دیکھیں ۱۲۸:۶)

لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَ كَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾

اس نے مجھ کو (کتابِ) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ (۲۹:۲۵)

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِیۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِیۡمِ ﴿ۙ۶۴﴾ طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّیٰطِیۡنِ ﴿۶۵﴾

وہ ایک درخت ہے کہ جہنم کی اصل (خاص حصہ) میں اگے گا۔ اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ (۳۷:۶۴ تا ۶۵)

شیطان چوں کہ جن ہے چنانچہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے اپنی مرضی کی آزادی اور عقل بخشی گئی ہے، لیکن اس نے اللہ کی ان بخششوں کو اس کے خلاف باغیانہ روش اختیار کرنے کے لئے استعمال کرنا پسند کیا، اللہ سے تکرار و حجت کی، اور انسان کو بہکانے و بھٹکانے اور گمراہ کرنے میں مستقل لگے رہنے کا عزم کیا۔ اس کے تکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ نے اس پر لعنت کی ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو اس سے بچنا چاہئے کیوں کہ وہ اول روز سے ان کا کھلا دشمن ہے اور وہ لوگوں کو ہمیشہ برے اور گھناؤنے کاموں پر ہی اکساتا ہے۔ لیکن قرآن اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا رہے گا وہ شیطان کی تدبیروں پر غالب آ سکتا ہے، چاہے شیطان کتنی ہی چالاکی اور مکاری سے اپنی تدبیر کرے۔ ایسے مومن بندے یا بندی کا تعلق اس ہستی سے ہوتا ہے جو تمام طاقتوں کا خالق اور قادرِ مطلق ہے: وہی شیطان کا بھی خالق اور مالک ہے، شیطان یقینی طور سے نقصان اٹھانے والا ہے اور اس کی ساری فریب کاریوں کا توڑ کیا جا سکتا ہے۔ شیطان نے خود بھی، اپنی بغاوت کے آغاز سے ہی یہ بات صاف کر دی ہے کہ اللہ کے سچے بندوں کو وہ اپنے جال میں نہیں پھانس سکتا، اور اللہ نے بھی اس بات کی یقین دہانی کرا دی ہے۔ [۱۵:۴۰، ۴۲؛ ۱۷:۶۵؛ ۳۸:۸۳]

شیطان کا تکبر اور ہٹ دھرمی اللہ سے اس کی بغاوت اور اللہ کے تئیں ناشکری کو صاف ظاہر کرتی ہے۔ انسان سے اپنی شدید دشمنی کے باوجود، یہ بات یقینی ہے کہ وہ اللہ کی طاقت و قدرت کا اعتراف کرتا ہے اور اس لئے وہ انسان کو اپنے جال میں پھانسنے کے بعد ہی اسے برائی پر آمادہ

کرسکتا ہے [۸:۴۸؛ ۱۴:۲۲]۔ گمراہی میں مبتلا انسان اپنے برے اعمال کا نتیجہ اس دنیا میں بھی بھگتتا ہے اور آخرت میں بھی بھگتے گا، جب شیاطین اپنا فیصلہ سنیں گے اور عذاب کا سامنا کریں گے، کیوں کہ انہیں بھی اصلاً جن ہونے کی حیثیت میں عقل، فکروعمل کی آزادی اور ذمہ داری دی گئی ہے [۱۹:۶۸، نیز ۶:۱۲۸]۔

شیطان کس طرح بہکاتا ہے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ (۲:۳۶)

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ۫ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور اُن (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اُن باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے تھے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں تم کفر میں نہ پڑو غرض لوگ ان سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بُری تھی۔ کاش وہ (اس بات) کو جانتے۔ (۲:۱۰۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

جو لوگ تم میں سے (اُحد کے دن) جب کہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا مگر اللہ تعالیٰ

نے اُن کا قصور معاف کر دیا بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔ (۱۵۵:۳)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۖ ﴿۲۶۸﴾

(اور دیکھنا) شیطان (کا کہا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۶۸:۲)

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تو اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔ (۱۷۵:۳)

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور خرچ بھی کریں تو (اللہ کے لئے نہیں بلکہ) لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہ اللہ پر لائیں نہ روزِ آخرت پر، (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے) اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو (کچھ شک نہیں کہ) وہ بُرا ساتھی ہے۔ (۳۸:۴)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا
شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ
عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ
لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

یہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو عورتوں ہی کی، اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو؛ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (جو اللہ سے) کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں سے (غیر اللہ کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا، اور ان کو گمراہ کرتا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیا کریں، اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں؛ اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔
(۱۱۷:۴ تا ۱۲۰)

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ
نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى
اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗۤ
اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى
اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۷۱﴾

کہو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے اور نہ بُرا اور جب ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا تو (کیا) ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ (۶:۷۱)

قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ
مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ
لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (۷:۱۶ تا ۱۷)

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِىْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا
فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوْ شِئْنَا
لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ
هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ
يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اُس نے اُن کو اتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پس (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تا کہ وہ فکر کریں۔ (۷:۱۷۵ تا ۱۷۶)

يٰبَنِىْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ
مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا

اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تا کہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا دے، وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن

تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷

کو نہیں دیکھ سکتے۔ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ (۷:۲۷)

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲

اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا، لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔ (۱۲:۴۲)

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰

اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے (اُس وقت) یوسف نے کہا کہ ابا جان یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے رب نے اُسے سچ کر دیا اور اُس نے مجھ پر (بہت سے) احسانات کئے ہیں کہ مجھے جیل خانے سے نکالا، اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا، آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا رب جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (۱۲:۱۰۰)

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝۸۳

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ (۱۹:۸۳)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰

(اس نے) کہا کہ اے اللہ! جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ (۱۵:۳۹ تا ۴۰)

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ

جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم

عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ
لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا
بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ
اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا ہاں میں نے تمہیں (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بے شک جو ظالم ہیں اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔
(۲۲:۱۴)

وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ
عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ
الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے اُن سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ (۱۷:۶۴)

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ (۲۵:۲۹)

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ
قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ
خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

(منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ (۵۹:۱۶ تا ۱۷)

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ
لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا
تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ
بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ

اور جب شیطانوں نے اُن کے اعمال اُن کو آراستہ کر دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آراء) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، مجھے تو

وَ اللّٰهُ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۴۸﴾	اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ (۴۸:۸)
وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۲۱﴾	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگر چہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)۔ (۲۱:۳۱)
اِنَّ الَّذِيۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡهُدَى ۙ الشَّيۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰى لَهُمۡ ﴿۲۵﴾	جو لوگ راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے شیطان نے (یہ کام) ان کو مزیّن کر دکھایا اور انہیں طول (لمبی عمر کا وعدہ) دیا۔ (۲۵:۴۷)
اِنَّمَا النَّجۡوٰى مِنَ الشَّيۡطٰنِ لِيَحۡزُنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَيۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَيۡـًٔا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾	(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں تاکہ مومن (ان سے) غمگین ہوں مگر اللہ کے حکم کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا، تو مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ (۱۰:۵۸)
وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوۡهُ فَذَرۡهُمۡ وَ مَا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصۡغٰٓى اِلَيۡهِ اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَ لِيَرۡضَوۡهُ وَ لِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾	اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں فریب کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اِن کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام یہ کرتے تھے وہ بھی وہی کرنے لگیں۔ (۱۱۲:۶ تا ۱۱۳)
وَ يَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ۚ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ ۚ وَ قَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ	اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہِ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کئے

الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا
الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَ كَذٰلِكَ
نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا؛ اللہ فرمائے گا کہ (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے ہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔ (۱۲۸:۶ تا ۱۲۹)

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کو بھلا دی ہے یہ سب شیطان کی جماعت ہیں اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔ (۱۹:۵۸)

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ
عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے بیشک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ (۴۴:۱۹)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ
الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ
حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ کر دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا)، حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اُس کا، اور (قیامت میں) اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ (۲۷۵:۲)

وَ اذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے اللہ) شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ (ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا)

مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾

نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)۔(۳۸:۴۱ تا ۴۲)

وَ مَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّیٰطِیۡنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهُمۡ وَ مَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾

اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔ یہ کام نہ تو ان کو سزاوار ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات) سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔

(۲۶:۲۱۰ تا ۲۱۲؛ نیز دیکھیں ۸۱:۲۵)

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، قرآن تمام انسانوں کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص اپنے اَن دیکھے دشمن شیطان سے ہوشیار رہنے کے لئے بار بار تاکید کرتا ہے، جس نے اللہ سے بغاوت کر کے اس سے یہ مہلت مانگ لی ہے کہ وہ آدم کی اولاد میں سے جتنے لوگوں پر اس کا بس چلے ان سے انتقام لے اور ان پر اپنی برتری کو ثابت کرے اس طرح کہ انہیں سرکشی اور بدکاری کا راستہ دکھائے اور اس پر ان کو لے چلے۔ انسان کو عقل کی جو نعمت ملی ہوئی ہے، جس سے وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا چیز یا کام غلط ہے اور پھر اس سے بچنے کا فیصلہ لے سکتا ہے، اس عقل کو مخدوش کرنے کے لئے شیطان اپنی تمام تر ہوشیاری اور چالاکی کو کام میں لاتا ہے اور غلط کام کرنے پر اسے اکساتا ہے، اس طرح کہ نسان غور و فکر سے کام نہیں لیتا، جو کہ فی الواقع اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ وہ انسان کی غور و فکر کی صلاحیت کو کچلنے کے لئے اور اسے جلد بازی، خودغرضی اور کم نظری میں مبتلا کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دیتا ہے۔ انسان کو سوجھ بوجھ اور ارادے کی آزادی دی گئی ہے اور انسان کے اندر صحیح یا غلط عمل کرنے کی مستعدی رکھ دی گئی ہے [۹۰:۱۰؛ ۹۱:۷ تا ۱۰]۔ انسان کے جو کمزور پہلو ہیں یا برائی کی طرف لے جانے والے جذبات ہیں انہیں شیطان چھیڑنے اور انگیز کرنے کے لئے اور انسان کی عقلی، روحانی یا اخلاقی صلاحیتوں کو حتی الامکان کچلنے کے لئے شیطان تمام ممکن طریقے اختیار کرتا ہے، تاکہ انسانی زندگی کو حیوانی سطح پر لے آئے اور انسانی عقل کو محض کھانے، پینے، شہوانی خواہشات پوری کرنے اور عیش کی زندگی جینے کی جبلی خواہش کو پورا کرنے میں لگا دے [۳:۱۴]۔

قرآن کریم انسانوں کو مزید یہ بھی بتاتا ہے کہ نظر نہ آنے والا شیطان کس طرح انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو کس طرح غلط راستے میں لگانے کا کام کرتا ہے یا کہ کس طرح انہیں ان کاموں میں لگاتا ہے جو غلط اور منکر ہیں۔ شیطان اپنا کام چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور لمحاتی لغزشوں میں مبتلا کر کے شروع کرتا ہے تاکہ انسان دھیرے دھیرے گراوٹ میں مبتلا ہو اور رفتہ رفتہ پستیوں کی طرف چلتا چلا جائے [۲:۳۶؛ ۳:۱۵۵]، بجائے اس کے کہ وہ اچانک ہی کسی بڑے جھٹکے سے دوچار ہوں اور پھر شیطان کی چال سے ہوشیار ہو جائیں۔ تاہم قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، چنانچہ وہ آدم و حوا کی ممنوع درخت کا پھل کھا لینے کی غلطی کا ذکر، جسے اللہ نے توبہ کرنے پر اپنے کرم سے معاف کر دیا تھا، اس طرح کرتا ہے کہ یہ ان کا اپنا ہی انتخاب تھا [۲:۳۶ تا ۳۷؛ ۷:۱۰ تا ۲۵]۔

چنانچہ شیطان انسانی کمزوریوں اور غفلتوں کو نشانہ بناتا ہے، اور جو لوگ اپنی کمزوریوں کو ظاہر کرتے ہیں اور ان کمزوریوں پر قابو پانے کی جدوجہد نہیں کرتے شیطان انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ جو انسان صحیح فیصلہ لیتے ہیں اور مضبوط قوت ارادی رکھتے ہیں وہ اللہ کی مدد و نصرت سے شیطان کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے اہل ہوتے ہیں اور اپنی انسانی دانش مندی اور قوت ارادی کو کام میں لا کر شیطان کے مکر و فریب پر قابو پا لیتے ہیں۔ جو لوگ اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کے سبب شیطان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں وہ یہ الزام نہیں دے سکتے

کہ شیطان نے انہیں گمراہ کرنے کے لئے کچھ خاص تدبیریں کی ہیں: ''۔۔۔اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا۔۔'' [۳:۱۵۵] لیکن وقتی لغزشوں پر سچی توبہ اور شیطان کی ترغیبات کے مقابلہ اپنی قوت ارادی کو مضبوط کرنے کی سنجیدہ کوششوں کی بدولت اللہ اپنی رحمت سے انہیں معاف کردیتا ہے کیوں کہ وہ انسانی کمزوریوں کی رعایت کرتا ہے: ''لیکن اللہ نے انہیں معاف کردیا؛ اللہ غفور اور رحیم ہے''۔قرآن یہ بتاتا ہے کہ مستقل اور مسلسل گناہ کرتے رہنا انسانی عقل کا بےجا استعمال ہے [۳:۱۳۵ تا ۱۳۶؛ ۴:۱۷ تا ۱۸]۔

شیطان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے غلط کام یا غلط چیزوں کو اچھی بنا کر، مزین کرکے اور جائز باور کرا کے پیش کرتا ہے [۶:۴۳؛ ۸:۴۸؛ ۱۵:۳۹ تا ۴۰؛ ۱۶:۶۳؛ ۲۷:۲۴؛ ۲۸:۱۵؛ ۲۹:۳۸؛ ۳۸:۸۲ تا ۸۳]۔شیطان انسان کو یہ سجھاتا ہے کہ وہ اپنی جبلت کی پست خواہشات اور امنگوں کے پیچھے لگا رہے اور صرف وقتی اور نجی آرزؤں کو پورا کرتا رہے، تاکہ انسان رفتہ رفتہ سنجیدہ غور وفکر اور طویل مدتی و وسیع تر مفادات پر توجہ مرکوز رکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شیطان مختلف طرح سے ان تمام کوششوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ انسانوں کو ''ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے'' بہکانے میں کامیاب ہوسکے، ''اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہے اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہے اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہے اور ان سے وعدے کرتا رہے'' [۱۷:۶۴]

جب کسی انسان کو شیطان اس کے ماضی کے خیالات، تصورات یا گناہوں کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے تو یہ ''پیچھے سے'' آنا ہے۔اس طرح سے شیطان اسے (مرد/عورت کو) گزرے وقتوں کے خیالات میں مبتلا رکھتا ہے اور حال کے حقائق سے بے نیاز رکھتا ہے۔اس طریقے پر گمراہ ہونے والے لوگ وہ بھی ہیں جو اپنے آباء واجداد کی پیروی میں لگے رہتے ہیں چاہے آباء واجداد کا طریقہ یا رویہ غلط ہی ہو [۲:۱۷۰؛ ۵:۱۰۴؛ ۷:۲۸؛ ۲۱:۵۳ تا ۵۴؛ ۲۶:۷۴؛ ۳۱:۲۱؛ ۴۳:۲۲ تا ۲۳]۔حالانکہ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ ماضی کے کسی خاص واقعہ، کسی عرصہ، کسی بچھڑ جانے والے عزیز کی یادوں میں رہ کر جو وقت گزاری کر رہا/کر رہی ہے اسے روکا جاسکتا ہے۔اسی طرح شیطان اسے بھی اپنے لئے ایک آسان کام سمجھتا ہے کہ وہ کسی انسان کو موجودہ وقت کی لذتوں میں اور عارضی راحتوں و مسرتوں کے حصول میں مگن کردے، یا مستقبل کی ایسی آرزوؤں کے حصول میں لگا دے جو جائز یا ناجائز کسی بھی طریقے سے اسے حاصل ہوں۔کسی صالح یا نیک شخص کے پاس شیطان دائیں طرف سے اس طرح آسکتا ہے کہ اسے نیکی کے معاملہ میں اتنا شدید کردے کہ وہ اس کی خاطر خود کو یا دوسروں کو ضرر اور نقصان پہنچانے پر آمادہ ہوجائے۔بائیں طرف سے شیطان کے آنے کا راستہ یہ ہے کہ شیطان کسی گناہ گار آدمی (مرد/عورت) کو مزید گناہوں میں مبتلا ہوجانے کی راہ پر لگا دے اور اس کا یہ حال کردے کہ اسے توبہ کرنے اور پلٹنے کا خیال ہی نہ آئے۔حالانکہ انسان کا حال یہ ہے کہ اس پر کسی وقت نیکی کا غلبہ ہوسکتا ہے اور کسی وقت وہ برائی میں مبتلا ہوسکتا ہے کیوں کہ انسان کے اندر دونوں طرح کی خصلتیں ودیعت کی گئی ہیں۔چنانچہ چالاک و مکار اور بہکانے پر ہر وقت کاربند رہنے والا شیطان انسان کی خطاؤں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے: ''۔۔۔۔۔ اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اُس نے اُن کو اتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہوگیا [۷:۱۷۵]۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسے اپنی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق جینے کی ہدایت دی ہے اور اسے یہ سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم منصوبے کے تحت اس کی مخلوق کس طرح اپنے مقصد کو پورا کرتی ہے۔لیکن انسان اس فطری ہم آہنگی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی عجلت پسندی، خودغرضی، ناعاقبت اندیشی یا اور کسی غلط رجحان کی وجہ سے قدرت کے فراہم کردہ وسائل کو برباد کرتا

ہے۔شیطان کے مکروفریب میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ (انسانوں سے کہے) ''کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں'' [۷:۱۲۰]۔ یہ بات تمام ذی حیات مخلوقات پر بھی صادق آتی ہے اور ماحول و پوری کائنات پر بھی ''اور اللہ تعالیٰ فساد (بگاڑ) کو پسند نہیں کرتا'' [۲:۲۰۵، نیز ۲:۱۱ تا ۱۲، ۲۷، ۶۰؛ ۵:۶۴؛ ۷:۵۶، ۷۴؛ ۸:۷۳؛ ۱۰:۸۱؛ ۱۱:۸۵، ۱۱۶؛ ۱۳:۲۵؛ ۲۶:۱۵۲، ۱۸۳؛ ۲۸:۷۷، ۸۳؛ ۲۹:۳۶؛ ۳۰:۴۱؛ ۳۸:۲۸]

شیطان انسان کی ہلاکت خیز کمزوریوں سے اول دن سے ہی واقف ہے جب کہ اس نے اولین انسانی جوڑے، آدم وحوا، کو بہکانے کا ارتکاب کیا۔ وہ یہ بات جانتا ہے کہ انسان کے اندر ان چیزوں کو جاننے کی کتنی جستجو ہے جن سے وہ واقف نہیں ہے، اور وہ فضیلت و دوام حاصل کرنے کی کتنی حرص اپنے اندر رکھتا ہے [۷:۲۰؛ ۲۰:۱۲۱]، اور یہ کہ جب آدم وحوا نے ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا تو ان کے اندر کس طرح انسانی شہوت کے جذبات بیدار ہوگئے۔ چنانچہ شیطان انسان کی ان کمزوریوں کو نشانہ بناتا ہے، انسان کی جستجو کو چھیڑتا ہے اور انسانوں کے اندر آپسی اخوت کا رشتہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی ہوڑ کو ہوا دیتا ہے [۱۲:۱۰۰؛ ۱۷:۵۳؛ ۵۸:۱۰؛ نیز دیکھیں آدم کے دو بیٹوں کے باہمی جھگڑے سے متعلق آیات ۵:۲۷ تا ۳۱]، نیز انسان کی شہوت کو جگاتا ہے: ''اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا دے۔۔۔'' [۷:۲۷]۔ اس طرح شیطان انسان کے مختلف احوال کے مطابق مختلف قسم کی تدبیریں اختیار کرتا ہے اور شیطان کی چالیں کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتیں۔ شیطان کمزوروں کو بے یارومددگار ہونے کے احساس میں مبتلا کرتا ہے اور ہمیشہ عاجز و درماندہ بنے رہنے پر قانع رکھتا ہے [۳:۱۷۵، ۴:۹۷ تا ۹۸]، جب کہ طاقت ور لوگوں کو گھمنڈ میں مبتلا کرتا ہے اور ظلم وزیادتی پر ابھارتا ہے۔

قرآن انسان کو شیطان کی ان مکاریوں اور طرح طرح کی گمراہ آمیز تدبیروں سے ہوشیار کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ کسی بھی قسم کی برائی کو قابل قبول، بلکہ پسندیدہ اور مسرت بخش بناتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو ان کی تاویلیں سجھاتا ہے۔ شیطان ترغیب و لالچ یا خوف و اندیشوں کے ذریعے اور تشویش و امنگیں پیدا کر کے نیز اپنی مدد وحمایت کے وعدے کر کے انسان کو اپنی برائی کی طرف کھینچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ وہ جھوٹ بولتا اور دھوکہ دیتا ہے، لیکن انسانی کمزوریوں کا استحصال کرنا اس کے لئے آسان ہے اور اس کے جھوٹ وفریب پر انسان یقین کر لیتا ہے کیوں کہ وہ خود فریبی، خیال آرائیوں اور مفروضات میں مبتلا ہونے کو ہمیشہ تیار رہتا / رہتی ہے۔ قرآن انسان کو خبردار کرتا ہے کہ وہ شیطان کے خالی خولی اور جھوٹے ڈراووں اور وعدوں سے متاثر نہ ہوں: ''یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تو اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا [۳:۱۷۵، نیز دیکھیں ۲:۲۶۸]، وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہیں [۴:۱۲۰، نیز دیکھیں ۱۷:۶۴]۔

پھر قرآن شیطان کی یہ تصویر بھی پیش کرتا ہے کہ اس نے جن لوگوں کو دنیا میں فریب دیا ہوگا اور ان سے اپنی مدد کے جھوٹے وعدے کئے ہوں گے، ان سے آخرت میں وہ کس طرح منکر ہو جائے گا اور اپنے آپ کو ان سے الگ کر کے انہیں اکیلا اور بے یارومددگار چھوڑ دے گا [۸:۴۸؛ ۱۴:۲۲؛ ۵۹:۱۶ تا ۱۷]۔ جو انسان شیطان کی پیروی کرتا ہے اور اس کے وعدوں پر اعتبار کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے ''جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو'' [۶:۷۱]، اور اسی لئے انسان (مرد / عورت) کو چاہئے کہ اس ان دیکھے اور بدترین دشمن پر اعتبار نہ کریں کیوں کہ ''شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے'' [۲۵:۲۹]۔

لیکن شیطان کی ان مستقل فریب کاریوں اور دھوکہ بازی کے باوجود بہت سے لوگ ہیں جو شیطان کو اپنا حمایتی اور اتحادی بناتے ہیں اور شیطانوں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ و مشترکہ محاذ قائم کر لیتے ہیں۔ ایسے انسانوں اور شیطانوں کے مجموعہ کو قرآن شیاطین الجن والانس کہہ کر ذکر کرتا ہے [۶:۱۱۲، نیز دیکھیں ۲:۱۴؛ ۴:۷۶، ۶:۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۸، ۷:۲۷، ۳۰؛ ۱۷:۲۷]، اور انہیں ''ساء قرینا'' (برا ساتھی) [۴:۳۸]، اور ''حزب الشیطان'' (شیطان کی پارٹی) [۵۸:۱۹] قرار دیتا ہے، کیوں کہ ''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کو بھلا دی ہے یہ (جماعت) شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے'' [۵۸:۱۹]۔ یہ برے اتحادی، جو کہ ایک عارضی اور کم وقت کے اتحادی ہیں کیوں کہ شیطان کبھی طویل عرصے کے لئے کسی کا قابل اعتماد ساتھی نہیں بن سکتا، فیصلہ کے دن اس بات کا اعتراف کریں گے کہ ''ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے'' [۶:۱۲۸]۔ لوگ شیطان سے اتنے قریب اور اس کے اتنے تابع ہو جاتے ہیں کہ وہ دانستہ یا نادانستہ اس کے پجاری ہی بن جاتے ہیں [۱۹:۴۴]۔

اب اگر انسان اور شیطان کے درمیان تعلق اتنا زیادہ بڑھ جائے اور وہ انسانوں کے اندر اتنا زیادہ سرایت کر جائے کہ وہ ان کی رگوں میں خون کے ساتھ دوڑنے لگے (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک میں بیان ہوا ہے جو بخاری، مسلم، ابن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ اور الدارامی وغیرہ نے بیان کی ہے) تو کیا وہ انسان کو جسمانی طور پر اور بغیر کسی واسطے کے براہ راست بھی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ قرآن میں ہے کہ ''جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو'' [۲:۲۷۵] اور قرآن یہ بتاتا ہے کہ ایوبؑ نے کہا کہ ''شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے'' [۳۸:۴۱]۔

شیطان کے جسمانی اثرات کے اس بیان کو استعارے میں بھی سمجھا جا سکتا ہے، یا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ شیطان اس زندگی میں واقعتا برائی کا سرچشمہ ہے چاہے اس کی برائی کسی پر اس کے اپنے یا دوسرے کے اعمال کی وجہ سے آئے۔ شیطان انسانوں کو جادو بھی سکھاتا ہے [۲:۱۰۲]، لیکن یہ محض اتنا ہی ہے کہ وہ انہیں سیکھنے یا تجربہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ بھی شیطان کا ایک اکسا وا ہی ہوسکتا ہے کہ لوگ بہت سے کاموں کو شیطان کی حرکت سمجھیں جب کہ ایسا نہ ہو، جیسا کہ خود قرآن میں اس کی مثال موجود ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاعری جن یا شیطان سکھاتے ہیں، اسی لئے قرآن کو بھی انھوں نے شیطانوں سے ہی منسوب کیا، چنانچہ قرآن نے اس بات کی تردید کی اور اس پر زور دیا کہ اس کا سرچشمہ صرف اللہ واحد کی ذات ہے اور یہ نظر نہ آنے والی قوتیں اللہ کے کلام میں کوئی دست برد نہیں کر سکتیں [۲۶:۲۱۰ تا ۲۱۲، ۸۱:۲۵]۔ جہاں تک قدرتی آفات میں شیطان کی دخل اندازی کا سوال ہے، مثال کے طور پر آندھی، طوفان، سیلاب، زلزلے آنا، جوالا مکھی پھوٹنا وغیرہ، تو قرآن یہ بتاتا ہے کہ یہ کائنات اللہ کے تکوینی نظام کی پابند ہے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں کے تحت چل رہی ہے، خواہ کسی بھی حرکت کا کوئی بھی نتیجہ ہو [۲:۱۶۴؛ ۷:۵۷؛ ۱۰:۲۲؛ ۱۳:۳؛ ۱۴:۳۲؛ ۱۵:۱۹ تا ۲۲؛ ۱۶:۱۴ تا ۱۵؛ ۱۷:۶۶ تا ۶۹؛ ۲۱:۳۰ تا ۳۳؛ ۲۲:۶۵؛ ۲۵:۴۸؛ ۲۷:۶۱ تا ۶۳؛ ۲۹:۶۵؛ ۳۰:۲۴ تا ۲۶؛ ۳۱:۳۱؛ ۳۵:۱۲، ۳۸؛ ۴۰:۲؛ ۴۲:۲۸، ۳۳ تا ۳۴؛ ۴۳:۱۲؛ ۴۵:۵، ۱۲؛ ۵۰:۷؛ ۷۷:۲۷؛ نیز دیکھیں ۱۷:۷۷؛ ۲۱:۳۳؛ ۳۳:۳۸؛ ۳۶:۴۰؛ ۴۸:۲۳]۔

شیطان اور پیغمبر

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ — اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا

الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں فریب کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دو، اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اِن کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام یہ کرتے تھے وہ بھی وہی کرنے لگیں۔

(۶:۱۱۲ تا ۱۱۳)

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اُس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اُس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اللہ اُس کو دُور کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ غرض (اس سے) یہ ہے کہ جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اُس کو اُن لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہرائے بیشک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں۔ اور یہ بھی غرض ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو وہ اُس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

(۲۲:۵۲ تا ۵۴)

وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

اور شیاطین کو بھی (سلیمان کے زیرِ فرماں کیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اَوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (۳۸:۳۷ تا ۳۸)

شیطان اللہ کے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ بھی کارپردازی کی کوشش کرتا ہے۔ انسانوں اور جنوں میں سے جو لوگ اس کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں وہ ان لوگوں کے فطری دشمن ہوتے ہیں جو لوگوں کے پاس اللہ کی ہدایت اور پیغام لے کر آتے ہیں اور شیطان کے منصوبوں سے انہیں ہوشیار کرتے ہیں [۶:۱۱۲ تا ۱۱۳]۔ یہ لوگ ان پر جھوٹ گڑھتے اور اسے پھیلاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا ہے، تاہم یہ اس کی مشیت ہے کہ وہ انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے آزمائے، اسی لئے وہ انہیں عقل وخرد کے ساتھ

ساتھ آزادمرضی بھی بخشتا ہے تاکہ وہ اپنے لئے جو چاہیں اس کا انتخاب کریں۔قرآن نبیوں اور تمام اہل ایمان کو اس جھوٹ وافتراء کو نظرانداز کرنے کی تلقین کرتا ہے اور غلط ارادے رکھنے والوں کو اس جھوٹ وافتراء کے جال میں الجھنے کے لئے چھوڑ دینے کی تعلیم دیتا ہے تا کہ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ وہ اللہ کی ہدایت کی تعلیم دینے والوں کے خلاف جو کچھ کررہے ہیں صحیح کررہے ہیں۔بالآخر ہر چیز کا ریکارڈ تیار کیا جارہا ہے اور ہر انسان کو اس کے مطابق صلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے اپنے لئے چنا ہوگا اور اپنی مرضی سے جو کچھ بھی کیا ہوگا۔یہاں تک کہ اللہ کے نبیوں کی امیدوں اور آرزوؤں کو بھی شیطان اپنی تگ وتاز کا نشانہ بنا سکتا ہے۔جیسے کہ اللہ کے پیغمبر کی یہ امیدیں کہ لوگ اللہ کی ہدایت کو مثبت طور پر لیں گے،اور جب وہ اپنے لوگوں کی اکثریت کو یہ دیکھیں کہ وہ تو اللہ کے پیغام کو جھٹلا رہی ہے اور ان کی مزاحمت کررہی ہے تو اس سے ان کی ہمت ٹوٹے اور وہ کمزور پڑیں۔اس طرح کے شیطانی وسوسے نبی کے اوپر اثر انداز ہوسکتے ہیں کہ وہ بہرحال بشر ہیں،لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی ایسی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا ہے اور اپنے پیغام اور اپنے نبی کے اعتماد کی حفاظت کرتا ہے[۳۸:۳۴تا۳۵؛ نیز دیکھیں[۳۸:۳۴تا۳۵]

کچھ شیطان صفت انسان اور جن اللہ کے نبیوں کے اصل مقصد ومدعا کے بارے میں لوگوں کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اور یہ الزام دیتے ہیں کہ پیغمبر کا اصل مقصد صرف اپنے لئے ذاتی فائدے حاصل کرنا ہے۔شیطان کو یہ وسوسہ اندازیاں کرنے اور یہ شکوک وشبہات پھیلانے کا موقع اللہ نے دے رکھا ہے تاکہ اس کی یہ کوششیں انسانوں کو آزمانے کا ذریعہ بنیں،اور جو لوگ سمجھ دار ہوں گے اور علم رکھنے والے ہوں گے وہ شیطان کے دھوکوں سے دھوکے میں نہ آئیں گے اور سچائی کو تسلیم کرکے اسے اپنالیں گے۔دوسری طرف، جو لوگ غلط جذبات واحساسات رکھتے ہوں گے وہ شیطان کی وسوسہ اندازیوں کو خوشی خوشی قبول کرلیں گے اور اسے پھیلانے میں اپنی ساری توانائیاں لگادیں گے۔حالانکہ برائی لوگوں کو جوڑ نہیں سکتی کیوں کہ یہ خودغرضی اور موقع پرستی کو بڑھاوا دیتی ہے،اور جتنے لوگ بھی برائی کو اختیار کریں گے ان کے مقاصد اتنے ہی جداجدا ہوں گے اور ایک مشترک برائی میں مبتلا ہونے کے باوجود ان میں پھوٹ پڑے گی [۵۹:۱۱تا۱۷]۔

ایک اللہ میں یقین رکھنے والے لوگوں کو ان کا سچا عقیدہ اس پر تیار کرتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کو مقصودِ نظر بنائیں اور آخرت میں اس کے انعام پر نظر رکھیں۔ان کی یہ دور اندیشی ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے اور انہیں آپس میں جوڑتی ہے چاہے ان کے درمیان وقت اور مقام کے طویل فاصلے ہوں [۵۹:۸تا۱۰]۔اور جب اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگ کسی وقت شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں تو وہ فوراً توبہ کرتے ہیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتے ہیں [۳:۱۳۵،۱۵۵؛ ۷:۲۰۱تا۲۰۲]،'' اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے'' [۲۲:۵۴]۔

شیطان سے حفاظت

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہ

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾

دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔
(۳۸:۲ تا۳۹)

قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِیۡعًۢا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّكُمۡ مِّنِّیۡ هُدًى ۬ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشۡقٰی ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَعۡمٰی ﴿۱۲۴﴾

فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اُس کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور قیامت کو ہم اُسے اندھا کرکے اٹھائیں گے۔
(۱۲۳:۲۰ تا ۱۲۴)

فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَ لَیۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰی ۚ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُهَا مَرۡیَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۳۶﴾

جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ اُن کے ہاں پیدا ہوا تھا اللہ کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ رب میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کیلئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتوان) نہیں ہوتا، اور اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (۳۶:۳)

وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۰۰:۷)

فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَیۡسَ لَهٗ سُلۡطٰنٌ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَوَلَّوۡنَهٗ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِهٖ مُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو۔ کہ جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں اُن پر اُس کا کچھ زور نہیں چلتا۔ اس کا زور اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کیساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔ (۹۸:۱۶ تا ۱۰۰)

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور کہو کہ اے اللہ! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے اللہ! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں۔ (۲۳:۹۷تا۹۸)

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔ (۴۱:۳۶)

اللہ کے باغی شیطان کے بارے میں جو کہ انسان کا بھی ایک اَن دیکھا دشمن ہے، باخبر کرنے اور رہنمائی دینے کے ساتھ ساتھ قرآن اس نظر نہ آنے والے خطرے سے بچنے کے طریقے بھی بتاتا ہے۔ جب شیطان نے بغاوت کا علم بلند کیا اور انسان کی عقل و اخلاقیات کو مستقل طور سے نشانہ بناتے رہنے کی مہلت اللہ سے حاصل کر لی، تو اس نے اعلان کیا کہ اس کی کارستانیاں ان لوگوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گی جو اللہ کے مخلص بندے ہوں گے۔ چنانچہ شیطان کے حملوں اور اپنی بشری کمزوریوں (جن کو شیطان نشانہ بناتا ہے) کے نقصان سے بچنے کے لئے اصل ڈھال اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔ اس تقویٰ پر زور دینے کے لئے کسی مومن یا مومنہ کو قرآن پڑھنے یا کسی دوسرے اہم معاملے کو شروع کرتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جب کسی مومن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو بچے کے لئے اس کے کرنے کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اس کے لئے اللہ کی حفاظت کی دعا کرے۔ اگر کبھی شیطان کسی مومن کے دل یا دماغ پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو جائے تو مومن بندہ یا بندی اللہ کو یاد کر کے اور اپنے تقویٰ کو بحال کر کے شیطان کے وسوسہ کو دور کر سکتا ہے۔ شیطان کی کارفرمائی کے تمام پہلو مومن کے سامنے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کی بدولت کھل جاتے ہیں کیوں کہ انسان اور دنیا کی اس زندگی کا حال ایک سا ہی ہے کہ دونوں کی ایک عمر اور مدت متعین ہے۔ اللہ کا تقویٰ اور شیطان سے بچنے کے لئے اس کی پناہ طلب کرنا محض زبان سے کچھ الفاظ کہہ دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی کا ایک طرز ہے۔ جب آدم وحوا اور شیطان کو دنیا میں بھیجا گیا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرما دیا تھا کہ ''تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے گی تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے'' [۲:۳۸]۔

جب تک کوئی مومن اپنی زندگی میں اللہ کی ہدایت کا اتباع کرتا رہے گا (یا کرتی رہے گی) تب تک وہ شیطان کی کارستانیوں سے بچا رہے گی (یا بچی رہے گی)، چاہے وہ کوئی فرد ہو، کوئی خاندان ہو، سماج ہو یا دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کا معاملہ ہو، ہر جگہ یہ تحفظ طلب کرنا ضروری ہے اور یہ تحفظ ملتا رہے گا۔ اس طرح کے ایک جامع حفاظتی نظام کے ساتھ شیطان کو دراندازی کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ملے گا اور اگر کبھی وہ اپنی کسی دراندازی میں کامیاب ہوا بھی تو بھی یہ کامیابی عارضی اور وقتی ہوگی اور جاری نہیں رہے گی کیوں کہ مومن جلدی پلٹ سکتے ہیں اور اللہ کی پناہ میں آسکتے ہیں: ''جو لوگ پرہیزگار ہیں جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں [۷:۲۰۱]۔

❀ ❀ ❀

باب ۳

عقیدہ (۲)

اللہ واحد پر ایمان اور مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین

اللہ واحد پر ایمان

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا اور صاحب رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (۲:۳۷تا۳۹)

انسان کو اس کی جملہ طاقتوں اور کمزوریوں کے ساتھ جب زمین پر بسایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ انسان کو خود غرضی، کم نظری، جارحیت اور خود سپردگی جیسے رویوں سے بچنے کے لئے وقتاً فوقتاً اپنی ہدایات بھیجتا رہے گا کیوں کہ شیطان ان کمزوریوں کا استحصال کرتا ہے۔ شیطان کی وسوسہ اندازیاں انسان کی جبلی عادتوں کو چھیڑنے کے لئے ہوتی ہیں جو کہ آدم وحوا کے وقت سے جاری ہیں جنہیں شیطان نے جنت سے نکلوا دیا تھا۔ آدم وحوا علیھما السلام نے اپنی غلطی کے لئے اللہ سے توبہ کی جسے اللہ نے قبول کر کے انہیں زمین پر اتار دیا، اور اس طرح انسانی نسل اولین انسانی جوڑے کی غلطی یا ارتکاب گناہ کے بوجھ سے آزاد ہو گئی۔ اور پھر ایک کے بعد ایک جو نسلیں زمین پر ہوتی رہیں ان کی اپنی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنی انسانی اور مادی ترقی کو انجام دیں۔

درج بالا آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ توبہ کرنے کے لئے انسان کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے اور پھر سے اس غلطی کا ارتکاب نہ کرنے کا عزم کرنا چاہئے۔ لیکن انسانی فطرت بہرحال کمزور ہے، تو جب کوئی خلوص اور سچائی کے ساتھ اپنے رحیم وکریم رب

کی طرف پلٹتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے کہ وہ بہت مہربان رب ہے۔اس کی رحمت انسان کو اس کے ایمان اور ہدایت کی اطاعت کرنے کی بدولت اپنی کمزوریوں پر قابو پانے میں مدد دیتی ہے۔قرآن میں جہاں کہیں بھی اللہ نے خود اپنی ہستی کی طرف اشارہ کیا ہے تو بالعموم اپنی نسبت جمع کی ضمیر (''ہم'') لگائی ہے کیوں کہ یہ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اونچے مرتبے کی کسی ہستی کے لئے واحد کے بجائے جمع کی صفت استعمال کرتے ہیں۔البتہ بعض مقامات پر قربت کا اظہار کرنے کے لئے اللہ نے واحد کی ضمیر بھی اپنی طرف لگائی ہے یعنی ''میں'' کہہ کر اپنا اظہار کیا ہے۔

انسان کو اپنی بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں پر قابو پانے کے لئے اللہ نے ہدایت و رہنمائی دینے کی یقین دہانی کرائی ہے۔اللہ کی اس ہدایت کا اتباع کرنے سے انسان کسی بھی رنج و غم سے محفوظ رہے گا یعنی ماضی میں ہونے والی کسی غلطی کے رنج میں بھی مستقل مبتلا نہیں رہے گا اور مستقبل میں غلطیوں کے دوبارہ ارتکاب کے اندیشے سے بھی خوف و غم میں مبتلا نہیں رہے گا۔اللہ سے تعلق قائم ہونے کے بعد دل اور دماغ دونوں کو ایک مضبوط سہارا مل جاتا ہے۔اس کے برعکس، حق کو، یہ جان لینے کے باوجود بھی کہ یہی حق ہے، مستقل جھٹلاتے رہنے سے انسان کے اندر خود غرضی، کم نظری اور غلط اعمال کی روش پیدا ہوتی ہے جس کا خمیازہ انسان اس دنیا میں بھی بھگتتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا نقصان اٹھائے گا۔

بَلٰى ۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اُس کا صلہ اُس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیتے ہیں، کیوں کہ رخ یا چہرہ انسانی جسم کا سب سے زیادہ نمایاں حصہ ہے جس سے شخصیت کا پورا اظہار ہوتا ہے اور یہ چہرہ ہی کسی شخص کی پوری توجہ کو ظاہر کرتا ہے، اور عربی میں کسی کی پوری شخصیت کا حوالہ دینے کے لئے چہرہ کا لفظ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جیسا کہ محمد اسد نے لکھا ہے، ''اس طرح کا اظہار یعنی رخ یا چہرہ کا بیان قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے، جو کہ اسلام کی ایک صحیح تعریف بیان کرتا ہے، اس لفظ یعنی اسلم کا مطلب ہے کسی کا اپنے آپ کو اللہ کے آگے سپرد کر دینا اور اسلام و مسلم بھی اسی لفظ کے مادہ سے بنے ہیں اور یہ سبھی الفاظ قران میں جگہ جگہ استعمال ہوئے ہیں۔'' خود کو اللہ کے آگے پوری طرح سپرد کر دینے سے انسان کے اندر خود غرضی، لالچ اور جارحیت کے رویے کا تدارک ہوتا ہے اور تکبر و عاجزی کے درمیان ایک توازن پیدا ہوتا ہے۔رشتہ داری، دولت اور مکان جیسی چیزوں سے تعلق رکھنے والی تمام انسانی کمزوریاں [۹:۲۴] کسی انسان کے اپنے تمام احساسات، افکار، آرزوؤں کے ساتھ پوری طرح اللہ کے آگے خود سپردگی کر دینے سے اور اللہ کی ہدایت کا اتباع کرنے سے قابو میں آجاتی ہیں۔یہ اللہ کے تئیں ایسی وفاداری ہے جو خود اپنی ذات، کسی دوسرے انسان یا کسی انسانی جماعت مثلاً اپنی برادری، اپنے طبقہ یا جماعت کے تئیں وفاداری سے بڑھ کر ہوتی ہے۔اس میں شک نہیں کہ یہ وفاداریاں فطری ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن ان جذبوں کو ایک خاص حد سے اوپر نہیں چڑھنا چاہئے اور انہیں وہ حتمی مقام نہیں ملنا چاہئے کہ ان کو ہی اپنا سب سے بڑا ہدف بنا لیا جائے اور ان کی ہی بنیاد پر ہر چیز کو دیکھا اور برتا جائے۔ایک اللہ کی عبادت قوت و کمزوری کے حالات میں فرد کے نفسیاتی توازن کو بنائے رکھتی ہے اور

یہی چیز طاقت وروں اور کمزوروں کے درمیان سماجی توازن قائم کرتی ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُسے نہ اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے۔ اور وہ اُس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے) اُس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں اور وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔ دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اُس نے ایسی مضبوط سہارا ہاتھ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ (سب کچھ) سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کا دوست اللہ تعالیٰ ہے کہ اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جو ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں اُن کے دوست شیطان ہیں جو اُن کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲:۲۵۵ تا ۲۵۷)

درج بالا آیات اسلامی عقیدے کی بنیاد ہیں اور انتہائی ضروری اور قیمتی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ آیت [۲:۲۵۵] میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم بیان ہوا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث میں، جو کہ حاکم نے روایت کی ہے، ہے کہ اللّٰہُ لآ إِلَہَ إِلاَّ ھُو۔۔۔ اللہ کا اسم اعظم ہے۔ اللہ کی صفات اس ہر چیز سے الگ ہیں جو کہ اس دنیا میں موجود ہے: وہ حیَّ یعنی زندہ ہے لیکن اس کی حیات لافانی ہے اور اس کا وجود خود اسی سے ہے۔ وہ کسی دوسری چیز پر منحصر نہیں ہے اور وہ زمان و مکان کا پابند نہیں ہے۔ مزید برآں، اس کی حیات جو کہ تمام ذی حیات کے وجود کا ماخذ ہے، کامل ہے برعکس ہمارے اطراف موجود ہر نامکمل شے کی حیات کے، جنہیں نہ صرف یہ کہ موت آنی ہے بلکہ جن کے اندر خستگی اور بیماری بھی آتی ہے اور انہیں اپنی بقا کے لئے آرام کرنے و نیند لینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح اللہ کی حیات، حیات مطلق ہے، اس کا وجود بھی مطلق و مکمل ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملک ہے اور سب اس کے اختیار و اقتدار میں ہیں۔ پھر کوئی مخلوق آخر کیسے اس کے آگے کھڑے ہونے کی ہمت کر سکتی ہے اور کسی مخلوق کے لئے

سفارش کرسکتی ہے بجز اس کے کہ وہ خود ہی چاہے اور سفارش کرنے کی اجازت دے۔ اللہ کا علم مطلق ہے اور وقت یا مقام کی حدود میں محدود نہیں ہے جب کہ اس کی مخلوق کا علم اِن حالتوں تک ہی محدود ہوتا ہے۔ اس کا علم اور ہمارا علم بنیادی اور لازمی طور سے الگ الگ ہے۔ آیت [۲:۲۵۶] انسان کے عقیدے کی آزادی کو یقینی بناتی ہے کہ ''دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے''۔

اللہ میں یقین سے اگر چہ انسان کے اندر غرور اور ناامیدی کے درمیان ایک نفسیاتی توازن اور طاقت ور و کمزور کے درمیان ایک سماجی توازن قائم ہوتا ہے، تاہم اللہ پر اور اس کے علم، قدرت اور اس کی صفات پر ایمان رکھنے والے لوگ جو ہمیشہ اس سے ہدایت وحفاظت طلب کرتے رہتے ہیں، کسی پر اپنا عقیدہ زبردستی نہیں تھوپتے اور اس عقیدے کو انھوں نے خود بھی اپنی مرضی اور آزادی سے ہی اپنایا ہوتا ہے، چنانچہ اس کے لئے کوئی معذرت اور جبر ان پر نہیں ہے [دیکھیں ۱۰:۹۹، ۱۱:۲۸]۔ عقیدہ اور ایمان انسان کے ایک سوچے سمجھے فیصلے کے نتیجہ میں ہونا چاہئے جو اسے اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آنے کے لئے کرنا ہے، نہ کہ یہ کسی نفسیاتی یا مادی دباؤ کی وجہ سے ہو کہ لالچ میں آ کر اختیار کیا جائے یا مجبور ہو کر اپنایا جائے۔ ایک اللہ میں یقین رکھنے والوں کے اندر اپنے عقیدے اور اس کے سائنسی، منطقی اور نفسیاتی بنیادوں کے حوالے سے، اور اس کی انفرادی، سماجی اور آفاقی افادیت کے بارے میں خود اعتمادی ہونی چاہئے، کیوں کہ ''ہدایت کو گمراہی سے الگ کر دیا گیا ہے''۔ جب تک کوئی شخص اپنے عقیدے پر خود ٹھیک سے نہیں جمے گا وہ دوسرے مومنوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ عقیدہ منطقی طور پر تھوپے جانے کی چیز نہیں ہے اور انسان کو عقیدے کے مثبت نتائج اسے آزادانہ طریقے سے اپنائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ تھوپنا اور مجبور کرنا لایعنی بات ہے۔ ہر شخص کو اس کے عقیدے اور اس کی نیت، علم اور مادی، سماجی ونفسیاتی حالات کے لحاظ سے جانچا جائے گا اور اس کا فیصلہ ہوگا۔

اَفَغَیۡرَ دِیۡنِ اللّٰہِ یَبۡغُوۡنَ وَ لَہٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡہًا وَّ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں۔ حالانکہ سب آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (۳:۸۳)

یہ کائنات، یہ زندگی کے مظاہر اور انسان کی عقل وروح سب کے سب اس ہستی کے وجود کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس نے ان سب کو تخلیق کیا ہے اور جو ان تمام کا مالک وآقا ہے [۱:۲]۔ یہ سب کے سب چاہے ان چاہے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے آگے سرنگوں ہیں اور اللہ کی قدرت کو اور کائنات ومخلوقات میں ایک بے عیب نظم وربط کو ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں تک انسان کا سوال ہے اس کا جسم کسی بھی دوسری زندہ مخلوق کی طرح حیاتیاتی قوانین کے تابع ہے، لیکن اس کا دماغ اور اس کا دل اپنی سوچ اور ارادے میں آزاد ہے جو انسان کی جسمانی، حسیاتی اور اعصابی لیاقتوں سے ماورا ہو سکتا ہے اور انسان اپنے ارادے سے اللہ پر ایمان اور اس کی ہدایت کا اتباع کرنے کے عقیدے کو اپنا سکتا ہے۔ بالآخر، اسے اللہ کی طرف ہی پلٹنا ہے اور پھر اس کے پاس کوئی متبادل نہیں ہوگا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ تن تنہا ہر انسان کے ان تمام اعمال کا فیصلہ کرے گا جو اس نے اس دنیا میں کئے ہوں گے۔ یہ ایک منطقی انجام ہے، جو اللہ کی اس کائنات میں تمام طبیعی، حیاتیاتی، جسمانی، عقلی اور روحانی عجائبات کا مطلب ومقصد واضح کرتا ہے [۲۳:۱۱۵ تا ۱۱۶]۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَ مَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام (ہی) ہے اور اہلِ کتاب نے جو (اس

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ
بَيْنَهُمْ ۭ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۱۹ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ
مَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ
ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۲۰

دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا (اور سزا دینے والا) ہے۔ (اے پیغمبر) اگر یہ لوگ تم سے جھگڑنے لگیں تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔ اور اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے کہو کہ تم بھی (اللہ کے فرماں دار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پا لیں اور اگر (تمہارا کہا) نہ مانیں تو تمہارا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھ رہا ہی۔
(۳:۱۹ تا ۲۰)

وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ
هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۸۵

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ (۳:۸۵)

لفظ اسلام کے اصل معنی ہیں خود سپردگی، اور دین یا عقیدہ کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے اللہ کے آگے خود سپردگی کر دینا۔ لہذا، اس لفظ کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اسلام، قرآن کے مطابق اللہ کے تمام پیغمبروں کا دین ہے جس کی تکمیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی [۲:۱۲۸؛ ۱۳۱ تا ۱۳۳؛ ۳:۲۰، ۵۲، ۶۷؛ ۵:۴۴، ۱۱۱؛ ۶:۷۱، ۱۶۲ تا ۱۶۳؛ ۱۰:۷۲، ۸۴؛ ۱۲:۱۰۱؛ ۲۲:۳۴؛ ۲۷:۴۴؛ ۲۸:۵۳؛ ۳۱:۲۲؛ ۳۹:۱۲؛ ۴۰:۶۶]۔ اصطلاحی طور پر یا اپنے تنگ مفہوم میں لفظ اسلام کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ لائے گئے دین تک محدود کرنے سے اس لفظ کی اصل پر پردہ نہیں پڑنا چاہئے۔ آیت ۳:۸۵ کو جب اس سے پہلے کی دو آیات ۳:۸۳، ۸۴ کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ اللہ کی تمام مخلوقات اس کے آگے سرنگوں (اسلم کی کیفیت میں) ہیں اور یہ کہ اسلام اللہ کے تمام پچھلے پیغمبروں پر ایمان رکھنے کو کہتا ہے جنہیں اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے چنا اور مبعوث کیا۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا
يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ
الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ
لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا

پھر اللہ نے رنج و غم کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق (زمانہ) جاہلیت کے سے گمان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ تم کہہ دو کہ بے شک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے تھے جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ

هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

کئے جاتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُس کو خالص اور صاف کر دے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ (۳:۱۵۴)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اُس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) اور نہ اُس کے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ (اے پیغمبر!) اسی طرح ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا تو پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ (۱۶:۳۵)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ بھلا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا تم تو صریح غلطی میں ہو۔ (۳۶:۴۷)

وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ (۴۵:۲۴)

ان تمام آیات میں قرآن نے جبر کی نفی کی ہے جسے انسان اپنی غلط کاریوں اور اپنی ذمہ داریوں سے فرار کے لئے ایک عذر کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے اور اسے طے کر دینے کی قدرت رکھتا ہے، لیکن اس نے یہ طے کر رکھا ہے کہ انسان کو اپنی عقلی لیاقت اور آزاد مرضی حاصل ہونی چاہئے، اور اسی لئے ہر فرد ان کا صحیح استعمال کرنے کے لئے خود ہی ذمہ دار ہے۔ اللہ کی منشا یہ ہے کہ انسان کو سوچنے سمجھنے کی طاقت حاصل ہو اور انتخاب کی آزادی ہو، اور اس طرح اسے ان تمام کاموں کے لئے جواب دہ بنانا پوری طرح مناسب ہے جو وہ خود اپنی مرضی سے کرتا ہے، اور جن کاموں کو کرنے سے وہ خود اپنی مرضی سے بچا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقینا جانتا ہے کہ کوئی فرد اپنی آزاد مرضی سے کیا چنے گا، کیوں کہ وہ ہر بات سے باخبر ہے، اور وہ ایک حقیقی خدا ہو ہی نہیں سکتا اگر وہ مستقبل کے معاملوں سے بھی اسی طرح باخبر نہ ہو جس طرح وہ ماضی اور حال کی باتوں کو جانتا ہے۔ چنانچہ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ہر فرد کو ارادہ اور مرضی کی آزادی حاصل ہے اور اسے اپنی عقلی اور جسمانی صلاحیتوں کی حفاظت کرنا اور انہیں ترقی دینا چاہئے تاکہ وہ اپنی آزادی رائے و عمل کو محفوظ

رکھ سکے جس میں اسے خاندان، سماج اور ریاست کی مدد بھی حاصل ہو۔ مزید برآں، ہر انسان کو، جہاں تک ہو سکے، مثبت کام کرنا چاہئیں اور صحیح بات کو اختیار کرنے کے لئے پیش قدمی کرنی چاہئے اور غلط باتوں یا کاموں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن اس آزاد مرضی کے باوجود زندگی دینا یا لینا فطری طور پر کسی بھی انسانی طاقت کے بس سے باہر ہے، اور اس لئے اسے کسی بھی انسانی آزادی کے دائرے سے باہر رکھا گیا ہے۔ اس کا فیصلہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی [۲:۲۵۸؛ ۳:۱۵۶؛ ۷:۱۵۸؛ ۹:۱۱۶؛ ۱۰:۵۶؛ ۲۳:۸۰؛ ۴۰:۶۸؛ ۵۷:۲۔۔۔]

یہ آیات ایک لازمی اصول کو بھی سامنے لاتی ہیں، یعنی یہ کہ عقیدے کے معاملات پر آزادانہ طریقے سے گفتگو و مذاکرہ اور مباحثہ کیا جا سکتا ہے یا کیا جانا چاہئے، جب تک کہ یہ مباحثہ یا مذاکرہ ایک تعمیری اور نتیجہ خیز انداز میں اور منطقی و اخلاقی دائرے میں جاری رہ سکے۔ ان آیتوں میں سے آخری آیت ملحدوں کے اس نظریہ پر سوال کھڑا کرتی ہے کہ اس کائنات کے نظام کو چلانے والی کوئی طاقت نہیں ہے، بس یہ ایک زمانہ ہے اور فطری حرکت ہے، اس لئے یہ صرف فطری قوانین ہی ہیں جو اس دنیا میں کام کر رہے ہیں، اور اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے خلاف اس سنگین دلیل کو قرآن بے وقعت نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ اس دلیل کے بے بنیاد ہونے کو جتاتا ہے اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایسی مخالفانہ دلیلوں کو کس طرح معروضی طریقے سے اور بے باکی کے ساتھ رد کیا جائے۔ پورے قرآن میں قاری کو ایسے معروضی بیان ملتے ہیں کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کیا کہا گیا اور انہیں مختلف طرح سے کیا کیا دلیلیں دی گئیں۔ اس طرح مذاہب کے عالموں اور فلسفیوں کو دلیل کا راستہ اختیار کرنے کی راہ دکھائی گئی ہے کہ اپنے علم اور اپنے زمانے کے طریقوں کے مطابق دلائل پر اپنے دعووں کی بنیاد رکھیں۔ [۱۶:۱۲۵؛ ۲۲:۳،۸؛ ۲۹:۴۶؛ ۳۱:۲۰؛ ۳۴:۲۴ تا ۲۶]

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾	اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکمِ الٰہی کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔ (۴:۱۲۵)

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کا بیان بہت ممتاز طریقے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کے دوست (''خلیل اللہ'') تھے۔ انہیں جب آگ میں پھینکا گیا تو یہ ان کی ایک آزمائش تھی اور یہ بھی ان کی ایک آزمائش تھی کہ انہیں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر دینے کو کہا گیا۔ دونوں ہی معاملوں میں، اور ان کے علاوہ دیگر معاملوں میں بھی، انھوں نے اس بات کو ثابت کیا کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے آگے پوری طرح سپرد کر چکے ہیں۔ وہ اپنے ایمان خالص اور صالح سلوک کی وجہ سے ایک نمونہ تھے جس کی تقلید تمام اہل ایمان اور خاص طور سے ان کے ورثاء کو کرنی چاہئے [۲:۱۳۲، ۱۲:۳۸]۔ وہ اپنی زندگی میں جہاں جہاں بھی گئے ہر جگہ انھوں نے لوگوں کو مستقل طور سے ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلانے کا عمل جاری رکھا۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کے لئے اس کا علامتی گھر کعبہ جو کہ مکہ میں ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے بنایا تھا اور پھر بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت سے پہلے صدیوں تک ان کے دینی اثرات اس علاقے میں جاری رہے۔ چنانچہ یہودی و عیسائی اور رخاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم و ان کے امتیوں کی عقیدت ابراہیم علیہ السلام سے وابستہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے امتی تو ملت ابراہیمی پر ہی قائم ہیں [دیکھیں ۲:۱۲۴؛ ۲:۱۳۵؛ ۳:۶۸،۹۵؛ ۶:۱۶۱؛ ۱۶:۱۲۰ تا ۱۲۳؛ ۲۲:۷۸؛ ۳۳:۷؛ ۴۲:۱۳؛ ۶۰:۴]۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ
هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ
اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ قُلْ
اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵
مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ۝۱۶ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ
اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝۱۷ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ
الْخَبِيْرُ ۝۱۸ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ قف
شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ
اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹

کہو کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں؟ کہ (وہی تو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا، (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم (اے پیغمبر!) مشرکوں میں نہ ہونا۔ (یہ بھی) کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ جس شخص سے اس روز عذاب ٹال دیا گیا اُس پر اللہ نے (بڑی) مہربانی کی اور یہ کھلی کامیابی ہے۔ اور اگر اللہ تمہیں کوئی سختی پہنچائے تو اُس کے سوا اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت (وراحت) عطا کرے تو (کوئی اُس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا اور خبردار ہے۔ ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ (۶:۱۴ تا ۱۹)

انسان کو زمین پر اپنی بقاء وتحفظ اور اپنی طبعی، عقلی اور جسمانی وروحانی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے بہت سی لازمی ضروریات درکار ہیں۔ جو ہستی زندگی بھر ان ضروریات کی تکمیل کرتی رہتی ہے وہ ایک ہی ہستی ہے جسے انسان کو خدا کی حیثیت میں تسلیم کرنا چاہئے جو کہ مالک، رازق اور رب ہے۔ وہ انسان کی ضروریات پوری کرتا ہے، لیکن خود اسے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خالق ہے اور اس کی ہستی لافانی ہے، اور وہی ہے جس کے آگے انسانی مخلوق کو اپنی مرضی سے جھک جانا چاہئے اگر وہ اپنی انسانی سوجھ بوجھ کو صحیح اور سنجیدہ طریقے سے استعمال کرے۔ یہ خیال کہ انسان کی پیدائش زمین پر خود ہی خود ہوگئی، وہ خود اپنے بل بوتے پر ہی زمین پر جی سکتا ہے، اور اس زندگی کو وہ خود اپنی مرضی سے گزارے گا، قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ یہ عقیدہ بھی، کہ بہت سے دیوی دیوتاؤں نے خدائی کے اختیارات کو آپس میں تقسیم کرلیا ہے، منطق اور عقل عامہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ انسان اپنے دل و دماغ کے ذریعہ اس بات کو پاتا ہے کہ اپنے خالق کے آگے اپنے آپ کو پیش کردے جو ایک الہ واحد ہے اور اس کے ساتھ کسی دیوی یا دیوتا کے شریک ہونے کے دعوے کو مسترد کردے۔ اللہ کو اس کی تمام حکمت کے ساتھ اپنا مالک و معبود ماننے کے بعد انسان کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس زندگی کو حتمی ماننا خلاف عقل ہے، کہ یہاں ناانصافیاں ہیں اور یہ مکمل نہیں ہے، یہ آخر کار ختم ہوجاتی ہے، اس کے بعد ایک دوسری زندگی ہونی چاہئے جو زیادہ منصفانہ، مسرت بخش اور تکمیلی

ہو[۲۳:۱۱۵ تا ۱۱۶]۔ اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی میں، جو لوگ اذیتیں جھیلیں گے وہ ان اذیتوں کا بدلہ ہوگا جو اس دنیا میں انھوں نے دوسروں کو دی ہوں گی، اور جو لوگ ابھی بلا وجہ اذیتوں میں مبتلا ہیں یا یہ کہ اللہ کی ہدایات کی اتباع کرتے ہوئے دوسروں کی مدد کرتے ہیں انہیں دائمی مسرت حاصل ہوگی اور اپنی خود غرضی، گھمنڈ اور لالچ کو قابو میں رکھنے کا صلہ ملے گا۔

درج بالا آیت (۶:۷) صاف طور سے بتاتی ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نہ صرف راحت و مسرت دیتا ہے بلکہ دکھ درد بھی دیتا ہے۔ اس نے انسان کو اپنی آزاد مرضی سے اور اپنی حکمت سے پیدا کیا ہے اور انسان سے اچھے یا برے دونوں کاموں کا صدور ہونا ممکن ہے۔ چوں کہ اولین انسان کی تخلیق کے وقت فرشتوں نے تعجب کا اظہار کیا تھا کہ اگر انسان کو اپنی عقل اور مرضی کی آزادی کے ساتھ زمین پر اتارا جائے گا تو کیا زمین پر خرابی اور خوں ریزی نہیں پھیل جائے گی [۲:۳۰]۔ اللہ نے مثبت اور منفی دونوں طاقتوں کو یہاں ایک ساتھ جمع کر دیا کیوں کہ اس نے اس زندگی کو انسان کی آزمائش کے بطور بنایا ہے اور اس آزمائش کا تقاضہ ہے کہ یہاں مسرت و اذیت کا سلسلہ ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی نقصان اور کوئی تکلیف نہیں دے سکتا کیوں کہ وہ تو رحیم و مہربان ہے، انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ یقینی طور سے یہ قدرت رکھتا ہے کہ اگر چاہے تو دوسروں کو نقصان اور تکلیف پہنچنے سے بچا لے، اور یہ کہ اس نے نقصان پہنچانے والے فطری اسباب بھی پیدا کئے ہیں، جیسے زلزلے، آتش فشاں، سیلاب، طوفان، جراثیم، شکاری چرند پرند، جرثومے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق ہے، اور وہ اپنی مخلوقات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کی تخلیق اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے مکمل ہے، لیکن دنیا کی یہ زندگی پوری طرح مکمل نہیں ہے کیوں کہ مطلق درستگی، انصاف، استحکام اور دوام آخرت کی ابدی زندگی کے لئے خاص ہیں [۱۲:۱۰۹؛ ۱۳:۲۶؛ ۲۹:۶۴؛ ۳۵:۳۵؛ ۴۰:۳۹]۔ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کا ہونا یہاں پیدا ہونے والے سوالات کا کافی وشافی جواب ہے اور اس دنیا میں ہونے والی ناانصافیوں و ادھورے پن کا بدل ہے، اور اس حقیقت کو اللہ کے پیغام میں بار بار زور دے کر باور کرایا گیا ہے۔ اس طرح قرآن انسانی ذہن اور قلب کو مطمئن کرتا ہے اور ایک اللہ کے حق ہونے اور آخرت کی زندگی کے سچ ہونے کی طرف لے جاتا ہے۔

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) معین مدت پوری کر دی جائے پھر تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تمہیں تمہارے اعمال جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَ
هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (٦٢) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ
ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ
لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (٦٣) قُلِ
اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ
تُشْرِكُوْنَ (٦٤) قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ
عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ
يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ
كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (٦٥)

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اُس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالکِ برحق اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔ سن لو کہ حکم اُسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔ کہو بھلا تمہیں جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ (جب) کہ تم اُسے عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ اگر اللہ ہمیں اس (تنگی) سے نجات بخشے تو ہم اُس کے بہت شکرگزار ہوں۔ کہو کہ اللہ ہی تمہیں اُس (تنگی) سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر بھی (تم) اس ک ساتھ شرک کرتے ہو۔ کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔ (۶:۵۹ تا ۶۵)

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خود ہی جانتا ہے جن کا ہم تصور کر سکتے ہیں اور جو ہمارے تصور سے بھی پرے ہیں۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اور وہ اپنی تخلیق میں کارفرما قوانین کو جانتا ہے اور اس بات کا پیشگی علم رکھتا ہے کہ اس کی کوئی مخلوق کسی خاص حالات میں کیسے یا کیا کام کرے گی۔ خشکی اور تری، زمین کی کشش اور پودوں کی زندگی کے قوانین کے مطابق اور نمی و خشکی سے مختلف مخلوقات پر پڑنے والے اثرات کے ضابطے، اور عمومی اسباب و علل کے بارے میں وہ پیشگی ہی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو مختلف حالات میں ان قوانین کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ ہم رفتہ رفتہ ان قوانین میں سے کچھ کی دریافت کر سکتے ہیں، لیکن جتنا جتنا ہم اس کی جستجو میں پڑیں گے اتنا اتنا ہمیں ان چیزوں کی شدت و اہمیت کا احساس ہوتا چلا جائے گا جو ہم نہیں جانتے اور جنہیں جاننے کی ہم اہلیت نہیں پا سکتے۔ کچھ معاملوں میں ہم صرف یہ جان سکتے ہیں کہ کچھ امکانات موجود ہیں، لیکن ہم یقینی طور سے یہ پیش گوئی نہیں کر سکتے کہ ایسا ہو ہی جائے گا۔ انسان خود بھی طبعی اور حیاتیاتی قوانین سے بندھا ہوا ہے، جن میں سے کچھ کو جانا جا سکتا ہے۔ ہم رات کو نیند اور دن میں کام کے قوانین کو جان سکتے ہیں۔ لیکن انسانی دماغ اور اس کی آزاد مرضی لوگوں کو ایسا بنا سکتی ہے کہ وہ اس کے برخلاف کام کرنے کے عادی ہو جائیں، چنانچہ یہ بات لائق فہم ہے کہ لوگ ایک ہی حالت میں مختلف قسم کے کام کر سکتے ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ ہی ان تمام معاملوں کو جانتا ہے جو اس کی کائنات میں انجام پاتے رہتے ہیں وہ ان کے نظم و ترتیب سے بھی باخبر ہے اور ان کی تمام تفصیلات اس کے علم میں ہیں۔ موت مکمل طور سے ایک معمہ ہے اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے یہ تمام زندہ انسانوں کے تصور سے پرے ہے۔ جب کبھی بھی انسان سوچتا ہے کہ دنیا اس کے کنٹرول میں ہے تو مختلف قسم کے مسائل اسے یہ باور کرا دیتے ہیں کہ یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ لوگ ماحول میں ظاہری بدلاؤ سے، حیاتیاتی نقصان سے، نفسیاتی عدم توازن سے، سماجی تصادم و تنازعات

سے اور بیماریوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ انتہائی ترقی یافتہ ممالک جن کے پاس بہترین آلات واوزار ہیں وہ بھی حال ہی میں ماحولیاتی آلودگی اور خشکی وتری میں آنے والے بگاڑ سے متاثر ہوئے۔ اوزون کی پرت میں سوراخ ہوجانے کے مسئلہ سے لے کر زلزلوں، طوفانوں، سیلابوں اور دوسری قسم کی ماحولیاتی تباہیوں کا ایک سلسلہ ہے جس سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور قدرت کسی انسان کی اپنی ذات میں بھی اور فرد وسماج کے درمیان بھی، سماج کے مختلف طبقوں کے مابین بھی، پوری دنیا کے تمام ملکوں کے درمیان بھی اور بنی نوع انساں وفطرت کے درمیان بھی ایک توازن پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ لوگ جب مشکل سے دوچار ہوتے ہیں تو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کا وعدہ کرتے ہیں لیکن جب انہیں راحت میسر آجاتی ہے تو وہ جلد ہی اپنے اس عزم وارادے اور عہد کو بھول جاتے ہیں۔ قرآن انسانوں کو بار بار زندگی میں آنے والے نشیب وفراز کی یاددہانی کراتا ہے اور انہیں تاکید کرتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ یہ زندگی لافانی نہیں ہے اور انسان چاہے وہ کتنی ہی طاقت اور علم کا حامل ہو پوری طرح اپنا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے اور اللہ کی ہدایت پر چلنے سے انسان کو دنیا کی اس زندگی کے طبیعاتی اور انسانی حوادث ومصائب کا سامنا کرنے میں توازن اور استحکام حاصل ہوسکتا ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

کہو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کرسکے اور نہ بُرا اور جب ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا تو (کیا) ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ (۶:۷۱)

یہ آیت اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور ہستی یا شئے میں یقین واعتقاد رکھنا عقل ودانش اور خود اس انسان کے اپنے شخصی استحکام، توازن اور اطمینان قلب کے خلاف ہے۔ جھوٹے خدا انسان کو ایک ٹوٹی پھوٹی شخصیت بنا دیتے ہیں اور ان کا عمل افراط وتفریط کا شکار ہوجاتا ہے، اور کوئی فرد عقل عامہ کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو وہ خود اپنی ذات کے ساتھ بھی اور دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی ہم آہنگی کھو دیتا ہے اور جو لوگ اسے اس کی الجھنوں سے نکالنے کی سنجیدہ کوشش کرتے ہیں ان کو بھی وہ خاطر میں نہیں لاتا۔ اللہ کی ہدایت ہی حق ہے کیوں کہ یہ اس ہستی کی طرف سے ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے جو کسی سے کوئی بیر نہیں رکھتا۔ چنانچہ ایک معقول انسان کو یہ چاہئے کہ وہ اس ہدایت ورہنمائی کے آگے سر تسلیم خم کردے اور اپنے آپ کو برتنے میں بھی اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی الٰہی انصاف کی پیروی کرے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ

اور ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہوجائیں۔ (یعنی) جب رات

كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا
رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ
مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾
وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ
هَدٰىنِ ۭ وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
رَبِّيْ شَيْـًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا
تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا
اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ
مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾ ۧ

نے اُن کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارہ دکھائی دیا، کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا رب مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو اُنہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا ہاں جو میرا رب چاہے۔ میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کیلئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ (۶:۷۵ تا ۸۲)

یہاں قرآن ایک ایسے شخص کی بہترین مثال پیش کرتا ہے جو کائنات کے مختلف مظاہر و حرکات کے پیچھے کارفرما طاقت کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لئے اپنی قوت مشاہدہ اور دماغ کو کام میں لاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام جو متعدد پیغمبروں کے والد اور جدامجد ہیں کلدانی لوگوں کے درمیان رہتے تھے، جو ستاروں اور فلکیاتی سیاروں کا علم بھی رکھتے تھے اور ان کی پرستش بھی کرتے تھے۔ مظاہر فطرت کا احتیاط کے ساتھ اور درست مشاہدہ و تجزیہ کر کے ابراہیم علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچنے کہ مخلوقات کا خالق ہی اصل رب ہے۔ انھوں نے اللہ کی تخلیقات کی نشانیوں کو دیکھا اور کائنات کے نظم و ترتیب پر غور کیا، یہ غور و فکر اور مشاہدہ تب تک جاری رہا جب تک کہ وہ اس نتیجے پر نہیں پہنچ گئے کہ ان

سب کے پیچھے اوران سے بالاتر کوئی عظیم ترین طاقت ہے جس کا تصور انسان اپنے حواس کی قوت سے مشاہدہ کی بنیاد پر کرسکتا ہے۔ قرآن اپنے قارئین کوابراہیم علیہ السلام کی جستجو اور کھوج کے بارے میں بتاتا ہے جوانھوں نے علم ویقین حاصل کرنے کے لئے جاری رکھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ پایا اور ثابت کیا کہ بتوں کو پوجنا حماقت ہے [۲۱:۵۱ تا ۷۰؛ ۳۷: ۸۳ تا ۹۸]۔ پھر جب کچھ دوسری چیزوں سے وہ مرعوب ہوئے، مثلاً چمکتے ستاروں کو دیکھا تو اپنی عقل سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ نظر آنے کے بعد پھر چھپ جاتے ہیں، اپنے وجود اور مقام کو وہ کبھی ایک ہی حالت پر برقرار نہیں رکھ سکتے اور نہ دوسروں کی قسمت بنانے یا بگاڑنے میں ان کا کوئی رول ہے کیوں کہ وہ اپنے مدار میں فطری قانون کے تحت گردش کرتے رہتے ہیں جس کا پابند انہیں ان کے خالق نے کردیا ہے، چاہے انہیں دیکھ کر لوگ کتنا ہی دھوکہ کھائیں۔ کائنات کا مالک ان چمکتے ستاروں یا سیاروں سے کہیں زیادہ بزرگ وبرتر ہے چاہے ان سیاروں یا ستاروں میں کتنی ہی کشش ہو۔

کائنات کے مشاہدہ اور فہم میں ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ بھی دیکھا اور پایا اس میں انسان کے لئے مستقل طور سے ایک رہنمائی موجود ہے کہ اپنے حواس سے ہونے والے مشاہدے کو کس طرح کام میں لایا جائے اور عقلی تجزیہ سے کس طرح صحیح نتیجہ اور حق بات تک پہنچا جائے۔ ستارے، چانداور سورج، ان کا سائز اوران کی روشنی جو کچھ بھی ہو، بہر حال کوئی مستقل چیز نہیں ہیں اوران کے ہونے یا نہ ہونے سے اس زندگی میں انسان کے مستقبل پر کوئی اثر نہیں پڑتا، موت کے بعد کیا ہوگا اس کو تو جانے ہی دیجئے۔

حق کی جستجو میں ابراہیم علیہ السلام کی کوششیں پوری انسانیت کے لئے بڑی متاثر کن اور تعلیمی ہیں۔ انھوں نے کبھی ان فرضی خطرات کی پرواہ نہیں کی جو ان کے لوگوں نے دکھائے کہ ان کے فرضی معبود ان پر لعنت کریں گے اور انہیں سزا دیں گے، اس کے بجائے انھوں نے حق کی تلاش کے لئے اپنے دماغ کو استعمال کیا۔ اپنے عقیدے پر پوری طرح اطمینان محسوس کر لینے کے بعد انھوں نے حق کی وضاحت کی اور اپنے لوگوں کی توجہ ان کے عقیدوں کے تضاد اور نامعقولیت کی طرف دلائی، جو کہ مختلف قسم کے خوف واندیشوں کا نتیجہ تھے جوانھوں نے خود ہی اپنے لئے گھڑ لئے تھے اور فطرت کے مظاہر اور دیگر چیزوں سے وہ ڈرا کرتے تھے، لہذا ''دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے؟۔۔۔۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کیلئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہیں جنھوں نے سیدھا راستہ پا لیا ہے۔''

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَمۡ
تَکُنۡ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ۚ وَ ہُوَ بِکُلِّ
شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ
خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ
وَّکِیۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ
ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ جَآءَکُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ
فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡہَا ؕ وَ مَاۤ اَنَا

(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اُس کی اولاد کہاں سے ہو جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) تو اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دو کہ) تمہارے (پاس) اللہ کی طرف سے (روشن) دلیل پہنچ چکی ہیں تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اُس نے اپنا بھلا کیا

عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ اور جو اندھا بنا رہا اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ (۶:۱۰۱ تا ۱۰۴)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہستی مبارک حقیقت میں تو انسان کے حواس وتصورات کے دائرے سے بلند تر ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا تعارف اپنی صفات کے حوالے سے کرایا ہے اور اپنے ''اسماءِ حسنیٰ'' سے انسان کو واقف کرایا ہے [۷:۱۸۰؛ ۱۷:۱۱۰؛ ۲۰:۸؛ ۵۹:۲۲ تا ۲۴] جو گنتی میں ۹۹ نام ہیں (بہ روایت ترمذی، ابن حبان، الحاکم کی مستدرک، اور بیہقی کی شعب الایمان؛ اور السیوطی نے اسے مستند کہا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات قرآن پڑھنے والے کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا ایک تصور قائم کرتی ہیں اور اپنی مخلوقات کے ساتھ، بہ طور خاص انسان کے ساتھ اس کا جو تعلق ہے اس کا شعور دیتی ہیں۔ یہ صفات اہل ایمان کو اپنے طرز عمل کے لئے رہنمائی دینے کا بھی کام کرتی ہیں۔ البتہ، یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا ہے اور اس کی صفات عالیہ تک انسان پہنچ نہیں سکتا، اور کچھ صفات تو ایسی ہیں کہ جنہیں انسان کو اپنے خیال میں بھی نہیں لانا چاہئے کہ وہ صرف اور صرف اللہ کے اپنے لئے ہی خاص ہیں جیسے کہ وہ عالم الغیب ہے، یا وہ ''القہار'' (تمام موجودات پر اپنا اختیار واقتدار رکھنے والا) ہے، یا وہ ''الجبار'' (ہر چیز پر اپنا زور رکھنے والا) ہے، یا ''المتکبر'' ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کی صفات میں ایک صفت ''اللطیف'' ہے یعنی محمد اسد کے الفاظ میں ''وہ انتہائی مہین ہے اور اسی لئے اسے دیکھا یا محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا اور اس کی گہرائی کو پہنچا نہیں جاسکتا''۔ محمد اسد مزید لکھتے ہیں کہ جب یہ لفظ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ہستی کے حوالے سے لفظ ''الخبیر'' کے ساتھ آتا ہے تو اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ انسان کے تصور وفہم اور خیال کی رسائی اس تک نہیں ہوسکتی، جب کہ وہ خود ہر چیز سے باخبر ہے'' [۶:۱۰۳، نیز ۲۲:۶۳؛ ۳۱:۱۶؛ ۳۳:۳۴، اور ۶۷:۱۴]۔ اسد یہ بھی تبصرہ کرتے ہیں کہ قرآن میں دو مقامات پر ان دونوں صفات کے ساتھ تخصیص کا جز 'ال' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تنہا وہی ذات ایسی ہے جس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا، اور یہ صفت اسی کے لئے خاص ہے [آیت ۶:۱۰ کا تفسیری نوٹ نمبر ۸۹]۔ اسد مزید لکھتے ہیں کہ وہ تمام خامیوں اور کمیوں سے مبرا ہے۔ ''۔۔۔ اس جیسا کوئی نہیں۔۔۔'' [۴۲:۱۱]، اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے [۱۱۲:۴]۔ اسد آگے لکھتے ہیں کہ ''یہ بات کہ اس کو کسی خاص مثال سے بیان نہیں کیا جاسکتا یہ واضح کرتی ہے کہ قرآن میں بیان کردہ اللہ کی صفات اس کی حقیقت کو محدود نہیں کرتیں بلکہ کائنات میں اس کے افعال کے اثرات کا احساس کراتی ہیں'' [ایضاً، آیت ۶:۱۰ کا تفسیری حاشیہ]۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت ''لطیف'' اللہ کے رحم وکرم کو ظاہر کرتی ہے، کہ وہ اپنی شان رحمت سے ہی تمام مخلوقات کے ساتھ معاملہ کرتا ہے چاہے وہ (انسان وجن) اللہ کی تعلیمات پر عمل کریں یا نہ کریں، اور مشکلات ومصائب میں بھی اسے پکاریں یا نہ پکاریں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ تعارف انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور مخلوقات سے اس کے تعلق کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور انسان اپنے تصور وخیال کی عقلی لیاقت سے اللہ کی ہستی کا ادراک کرسکتا ہے۔ یہ ہر فرد کے اپنے اوپر ہے کہ وہ اپنی عقل اور روحانی بصیرت کو استعمال کرکے اپنی انسانی استعداد کو اتنی بلندی تک لے جائے، یا اس لیاقت کو پیدا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دے کر خود کو اتنا محدود رکھے کہ صرف چھو اور دیکھ کر ہی کسی چیز کو سمجھ سکتا ہو: ''یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں'' [۷:۱۷۹]۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اور جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اُسی کی

اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ
اَشْرَكُوْا ؕ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَ مَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا
لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

پیروی کرو اُس (رب) کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کرلو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تم اُن کے داروغہ ہو۔ اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے بُرا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (اُن کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ (۶:۱۰۶ تا ۱۰۸)

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کی خواہش اور لیاقتوں کے لئے یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ کائنات کے خالق کے بارے میں جستجو کریں اور انسانوں کے ساتھ اس کے تعلق کا علم حاصل کریں۔ اس نے فرشتوں کی ہی طرح انسان کو بھی پیدا کیا ہے جو فطرتاً اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور صرف اسی کی بندگی کرتے ہیں، لیکن انسان کو اس نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ آزادی سے اپنا کام کرے۔ تا کہ آخرت میں بجا طور پر اپنے ان تمام کاموں کے لئے جواب دہ ہو جو اس نے اپنی مرضی سے دنیا میں انجام دئے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر دنیا میں اس لئے نہیں آتا کہ اللہ نے اس پر جو حق منکشف کیا ہے اسے کسی پر تھوپے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس بات پر ہوگا کہ کوئی فرد کیا عقیدہ رکھتا ہے اور کیا عمل کرتا ہے، اور اسی کا صلہ اسے آخرت میں ملے گا۔

کوئی انسان اپنے کسی خاص طبیعاتی، نفسیاتی، عقلی یا سماجی پس منظر کے زیر اثر ہوسکتا ہے، یا ماضی کی الجھنوں کا شکار ہوسکتا ہے یا مستقبل کے مفروضات میں مبتلا ہوسکتا ہے، اور اپنے آس پاس کے ماحول سے دانستہ یا نادانستہ متاثر ہوسکتا ہے۔ جو انسان لوگوں کو اللہ اور اس کی صراط مستقیم کی طرف بلائے اسے اپنے مدعوئین پر ان اثرات سے واقف ہونا چاہئے تا کہ وہ جہاں تک ممکن ہو ان کی مزاحمت اور بے اطمینانی سے بچ سکے۔ کسی نئی سوچ یا عمل کی دعوت جب تک سوجھ بوجھ اور حکمت کے ساتھ نہ دی جائے تو نہ صرف اسے مسترد کر دئے جانے کا اندیشہ رہتا ہے بلکہ دعوت حق اور داعی حق پر لوگ غلط طریقے سے حملہ آور بھی ہوسکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں لوگ اس قسم کی تکرار سے اعراض کرنے پر متفق ہوں جس سے انسانوں کے باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں اور مستقبل میں باہمی افہام و تفہیم کا امکان ختم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اہل ایمان مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اہل ایمان کو اللہ کی یہ ہدایت ہمیشہ ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ ”عجب نہیں کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمھاری دشمنی ہے اللہ تعالیٰ دوستی پیدا کر دے اور اللہ (اس بات پر) قادر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“ [۶۰:۷]۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کے عمل میں ان لوگوں کے تئیں جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغام کو جھٹلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت، تحمل اور انصاف کی جھلک نظر آنی چاہئے۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنے عقل و فہم کی پیروی کی اور اپنے دل و دماغ کی قوتوں کو سچائی کو تسلیم کرنے کے لئے استعمال کیا ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کے تئیں جو اللہ کے پیغام کو جھٹلاتے اور مسترد کرتے ہیں، کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی سے بچیں، اور توہین آمیز انداز میں ان کی باتوں کا جواب نہ دیں کہ وہ بھی جواب میں مسلمانوں کے عقیدے کو تکلیف پہنچائیں اور اس طرح تنازعہ اور فساد بڑھے اور ذاتی رنجشیں و رکاوٹیں بیچ میں آجائیں۔ چوں کہ انسانوں کے اندر کمیوں اور کوتاہیوں کا ہونا ایک فطری بات ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات اور ان تعلیمات پر عمل

کرنے والے لوگ انسانوں کو ان کی کمیوں اور کوتاہیوں پر قابو پانے میں مدد کرتے ہیں۔ البتہ یہ تعلیمات کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کے نور اور ہدایت کو چھپانے کی اجازت نہیں دیتیں، بلکہ اس بات کی تلقین کرتی ہیں کہ انہیں لوگوں کے سامنے لایا جائے ''حکمت کے ساتھ، اچھی نصیحت کے ساتھ اور بہترین طریقہ پر ان سے مجادلہ کر کے'' [١٢۵:١٦]۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

(١١٤:٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے تمام پچھلے پیغامات اور نازل کردہ کتابوں کا بعد میں آنے والے پیغمبروں کے ساتھ تعلق کا ذکر ہے۔ یہ تعلق اِن پیغامات اور کتابوں سے سمجھا جا سکتا ہے اور جو لوگ پہلے نازل ہو چکی کتابوں اور انہیں لانے والے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں وہ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن بھی اسی سرچشمہ ہدایت سے آیا ہے، اور اسی کے مطابق وہ اس قرآن کے تعلق سے اپنا رویہ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن محمد ﷺ کے پیغام کو قبول کرنے سے ان کے اعراض اور پہلوتہی سے اس بارے میں کوئی شک پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ خود اپنے اندر جھانک کر حق کو دیکھ سکتے ہیں اور بالآخر اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اس دنیا کے اندر لوگ اختلاف کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر جا ٹھہرا، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اُس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا، سب اُسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے)، یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (لوگو) اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا، کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔

(٧:٥٤ تا ٥٦)

قرآن میں اس بات کا بار بار ذکر آیا ہے کہ یہ کائنات ''چھ دن'' میں تخلیق ہوئی۔ دن سے مراد یہاں عرصہ یا مدت ہے کیوں کہ 'یوم' کا مطلب لازمی طور پر چوبیس گھنٹے کے دن سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب زمانہ یا عرصہ بھی ہو سکتا ہے، [دیکھیں ٢٢:٤٧؛

۴:۷۰]۔زمین پر چوبیس گھنٹے کا دن سورج کے سامنے اپنے محور پر زمین کے گھومنے سے ہوتا ہے جب کہ یہاں یوم یعنی دن کا مطلب ان حالتوں یا مرحلوں سے ہے جو کائنات کی تخلیق سے وابستہ ہیں، اسے تخلیق کی مدت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کی قوت تخلیق اور مخلوقات پر اس کی حکمرانی مستقل طور سے ان ضابطوں سے روبہ عمل آتی ہے جن سے اس کی تمام تخلیقات بندھی ہوئی ہیں۔قرآن میں رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اور ہر دونوں حالتوں کے جو فوائد باور کرائے گئے ہیں انہیں ہر انسان (خواہ مرد ہو یا عورت) سمجھ سکتا/سکتی ہے چاہے اس کی ذہانت اور علم کیسا ہی کچھ ہو۔سورج، چاند اور ستارے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ کائنات میں ایک نظام وترتیب ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی نگرانی اور اس کے کنٹرول کو ظاہر کرتی ہے۔صرف وہی ہے جو تخلیق کرتا ہے، اور وہی ہے جس کا پوری کائنات اور کائنات کی ہر شے پر اختیار واقتدار ہے۔لہٰذا، تمام مخلوقات کے خالق، مالک اور پالن ہار سے کلام کرنے میں انسان کو انتہائی منکسر ہونا چاہئے اور دل کی گہرائیوں سے اس بات کی مشق کرنی چاہئے کہ اس کے دل کا میلان اور جذبہ عبودیت کسی دوسرے کے لئے ہرگز نہ ہو۔انسان کے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت جلوہ گر نظر آنا چاہئے اور اسی اعتبار سے اپنے امکان کی حد تک اسے اللہ کی عبادت بجالانی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے بندے کو زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کی ہدایت پر یکساں انداز سے کاربند ہونا چاہئے، خاص طور سے ماحولیاتی اور سماجی نظام وترتیب کو بنائے رکھنے میں، کہ کائنات میں آلودگی پھیلانے سے باز رہے اور سماج میں بدعنوانیوں کو فروغ دینے سے بچے۔ بندہ/بندی اپنے دلی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا/کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے قصور اور کوتاہی کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکامی کا اندیشہ رکھتا/رکھتی ہے۔اللہ تعالیٰ معاف اور درگزر کرنے والا ہے اور انتہائی مہربان ہے، لیکن جو بندہ/بندی اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے اسے اپنی دانست میں اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ خود کو تمام روحانی اور اخلاقی مفاسد سے پاک کرے جو اللہ تعالیٰ سے اس کی مناجات کو بے کار کرنے کا سبب بنتے یا بن سکتے ہیں۔

اَیُشۡرِکُوۡنَ مَا لَا یَخۡلُقُ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ لَہُمۡ نَصۡرًا وَّ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی لَا یَتَّبِعُوۡکُمۡ ؕ سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡہُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾

کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کرسکتے ہیں۔اگر تم اُن کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمہارا کہا نہ مانیں۔تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپ ہو رہو۔(مشرکو!) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں (اچھا) تم اُن کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہئے کہ وہ تمہیں جواب بھی دیں۔ (۷:۱۹۱ تا ۱۹۴)

یہ کائنات سوچنے سمجھنے والے انسانوں کو اس بات پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے کہ لوگ اوہام ومفرضات میں مبتلا ہو کر ستاروں، مورتیوں، بارسوخ انسانوں، دنیا سے جاچکے نیک لوگوں یا دوسری ہستیوں کو اندھے پن میں خدا بنا لیتے ہیں؛ اور اس بات کو سمجھنے کی دعوت دیتی ہے کہ یہ فرضی معبود اپنا کوئی آزاد وجود نہیں رکھتے، اور نہ دوسروں کو کوئی سہارا دے سکتے ہیں۔ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ سب کے سب اس کے بنائے ہوئے ضابطوں کے پابند ہیں، اور کوئی انسان خواہ کتنا ہی طاقتور ہو جائے اس کی طاقت وقوت محدود ہی ہوتی

ہے، وہ اپنی زندگی پر قادر نہیں ہوتا / ہوتی اور جب اس کی زندگی یا اس کی توانائی جاتی رہتی ہے تو بالکل لاچار ہو کر رہ جاتا / رہ جاتی ہے۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمۡ وَ لَا
یَنۡفَعُهُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ
قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعۡلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی
الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَا کَانَ
النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَةٌ
سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ فِیۡمَا فِیۡهِ
یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ
رَّبِّهٖ ۚ فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَیۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّیۡ مَعَکُمۡ
مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً مِّنۡۢ
بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُمۡ اِذَا لَهُمۡ مَّکۡرٌ فِیۡۤ اٰیَاتِنَا ؕ قُلِ
اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَکۡرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا یَکۡتُبُوۡنَ مَا
تَمۡکُرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُکُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ
حَتّٰۤی اِذَا کُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡکِ ۚ وَ جَرَیۡنَ بِهِمۡ بِرِیۡحٍ
طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّ
جَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِیۡطَ
بِهِمۡ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا
مِنۡ هٰذِهٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰهُمۡ
اِذَا هُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا
النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوةِ
الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ

اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ کہہ دو کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور (اُس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔ اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے پھر جدا جدا ہو گئے اور اگر ایک بات جو تمہارے رب کی طرف سے پہلے طے ہو چکی ہے طے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں اُن میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ غیب (کا علم) تو اللہ ہی کو ہے سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت (سے آسائش) کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ بہت جلد حیلہ کرنے والا ہے اور جو حیلے تم کرتے ہو ہمارے فرشتے اُن کو لکھتے جاتے ہیں۔ وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے اُن پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو) لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی عبادت کر کے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں۔ لیکن جب وہ اُن کو نجات دے دیتا ہے تو ملک میں ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہو گا تم دنیا کی زندگی کے

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فائدے اٹھالو، پھر تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ (۱۰:۱۸ تا ۲۳)

جھوٹے خدا، چاہے وہ خود انسان کی اپنی نفس ہی کیوں نہ ہو، خود اپنے بل پر کسی کو کوئی تکلیف یا فائدہ نہیں دے سکتے۔ اس حقیقت کے مدنظر ان جھوٹے خداؤں کی پرستش کرنے والے لوگ خود کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ جن چیزوں کو پوجتے ہیں وہ واقعی خدا تو نہیں ہیں لیکن خدا کے نزدیک سفارشی ہیں۔ یہ کتنا بڑا فریب ہے جو وہ خود کو، دوسروں کو اور خدا کو دے رہے ہیں۔ اس خدا کو جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے باخبر ہے۔

خالق کائنات کے بارے میں اور خود اپنی تقدیر کے بارے میں انسانوں کے درمیان یہ متضاد خیالات کیوں کر پیدا ہوئے؟ تمام انسانیت ایک ذات سے ہی پیدا کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام پیغامات جو مختلف زمانوں میں اور مختلف مقامات پر آئے وہ اپنے جوہر میں ایک ہی ہیں، یعنی یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔ لیکن انسان کی خودغرضی، ناعاقبت اندیشی اور دوسری کمیاں، لوگوں کو گروہوں میں بانٹ دیتی ہیں اور ان کے خیالات وعقائد مختلف ہوجاتے ہیں۔ تمام طرح کے لوگوں کو اللہ کی طرف سے ایک کے بعد ایک آنے والے پیغامات ایسے حقائق اور اصول دیتے رہے ہیں جو انسانوں کو ان کے باہمی اختلافات کے باوجود فکر وعمل کی یکساں بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی مفاد میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں۔ البتہ انہیں خود اپنے فیصلوں میں آزاد رکھا گیا ہے کہ وہ اللہ کے اس پیغام پر چاہے تو عمل کریں اور چاہے تو اسے مسترد کردیں تاکہ فیصلہ کے دن ہر فرد اپنے ان تمام کاموں کے لئے جنہیں اس نے اپنے لئے پسند کی اور انجام دئے، بجا طور پر جواب دہ ہو۔ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لئے پیشگی شرط کے طور پر اللہ سے کسی معجزے کا مطالبہ نہ کریں، کیوں کہ یہ فطرت اور اس کے مظاہر ان لوگوں کے لئے خود ہی اللہ کی نشانیاں ہیں جو اپنی انسانی لیاقتوں کو جو اللہ نے انہیں بخشی ہیں، کام میں لاتے ہیں۔ انسانوں کو خود ہی اپنے حواس اور اپنے دماغوں کو کام میں لانا ہے اور خود اپنے آپ ہی آزادی کے ساتھ اپنے لئے فیصلہ کرنا ہے۔ لیکن ایسے بھی لوگ ہیں جو اللہ کے پیغام کو ماننے کے لئے ثبوت کے طور پر ان چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہے کہ اس زندگی میں ہی انسان کی لیاقتوں اور آزاد مرضی سے انسان کے اعمال کی آزمائش کا نتیجہ ظاہر کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کے لئے جو دستور اور قانون مقرر کردیا ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹے گا، اس ضابطہ کو توڑنے کے لئے انسان اپنی جستجو میں یا تکرار و حجت بازی کے لئے بھلے ہی کیسے کیسے مطالبے کریں۔

یہ آیات اس انسانی کمزوری کی طرف توجہ دلاتی ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں بار بار سامنے آتی ہے۔ انسانی عجلت پسندی اور کم نظری سے بچنے کے لئے اور اس زندگی میں استحکام پانے کی خواہش سے پیدا ہونے والی دل گیری کا مقابلہ کرنے اور اس کے بجائے آخرت میں دائمی مسرت حاصل کرنے کے لئے ہر فرد کو سخت محنت کرنی ہے۔ انسان کی تمام تر عقلی اور مادی ترقیوں کے باجود زندگی کے نشیب وفراز میں انسان کی روح سمندر میں ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح لرزتی رہتی ہے۔ سمندر میں جب ہوا موافق چلتی ہے تو کشتی بردار مگن و مسرور ہوتا ہے، خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور اکثر اوقات فخر میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے، لیکن جب طوفان آجاتا ہے اور کشتی کے مسافر کو خطرہ نظر آنے لگتا ہے، اور پھر اسے اللہ کے سوا کسی کی مدد حاصل نہیں ہوتی تو وہ اس کی منت ساجت کرنے لگتا/ لگتی ہے کہ اگر وہ بچ گیا/ گئی تو اللہ کی فرماں برداری کرے گا/ گی۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو اللہ سے کئے ہوئے وعدے وہ بھول جاتا/ جاتی ہے۔ زندگی کے نشیب و

فراز انسان کو یہ سمجھنے کا موقع دیتے ہیں کہ نہ تو وہ خود اور نہ اس کے وہ جھوٹے خدا جن کی وہ عبادت کرتا/ کرتی ہے اس دنیا میں اپنی کوئی طاقت یا آزاد حیثیت رکھتے ہیں۔ انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ مصیبت میں پھنس چکا ہے اور اللہ کے سوا کوئی اور اس کی مدد کو نہیں آسکتا تو وہ مدد و سہارے کے لئے اسی قادر مطلق کی ضرورت محسوس کرتا/ کرتی ہے۔ لیکن جیسے ہی اسے راحت مل جاتی ہے اور وہ مصیبت سے نکل آتا/ آتی ہے وہ نہ صرف اللہ اور اس کی مدد کو بھلا دیتا/ دیتی ہے بلکہ خود بھی حق اور راستی کے خلاف کام کرنے لگتا/ لگتی ہے اور دوسروں کو یہی ترغیب دیتا/ دیتی ہے، [دیکھیں ٦:٦٣ تا ٦٤؛ ٧:١٨٩ تا ١٩٠؛ ١٠:١١؛ ١٦:٥٣؛ ١٧:٨٣؛ ٢٩:٦٥؛ ٣١:٣٢؛ ٣٩:٨، ٤٩؛ ٤١:١٥، ٥٠؛ ٧٠:٢٠ تا ٢١؛ ٩٦:٦؛ اور برعکس معاملے کے لئے دیکھیں ١١:١٩؛ ١٧:٨٣؛ ٤١:٤٩؛ ٨٩:١٥ تا ١٦]۔ ایسے کم نظر لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ان کے برے رویے کے تباہ کن نتائج خود انہی پر مرتب ہوں گے، جو فیصلہ کے دن ان کے خلاف ثبوت بنیں گے جب انہیں بدلے میں وہ کچھ ملے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔ تکبر اور کم نظری انسان کی بصیرت کو محدود کر دیتے ہیں اور انسان یہ نہیں سمجھتا کہ دنیا کی یہ زندگی اپنی تمام مسرتوں اور راحتوں کے باوجود بہت تھوڑی ہے۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

یہی اللہ تو تمہارا رب ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ اسی طرح اللہ کا ارشاد اُن نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (ان سے) پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوقات کو ابتدائً پیدا کرے (اور) پھر اُس کو دوبارہ بنائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تو تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟ پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی حق کا رستہ دکھاتا ہے بھلا جو حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ کہ جب تک کوئی اُسے رستہ نہ بتائے تو رستہ ہی نہ پائے تو تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیسا انصاف کرتے ہو؟ اور ان میں سے اکثر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا بے شک اللہ تمہارے (سب) افعال سے واقف ہے۔ (١٠:٣٢ تا ٣٦)

کائنات اور اس میں کارفرما نظام کو دیکھ کر اس کے خالق بارے میں غور کرنا ہوش مندی اور عقل کے استوار ہونے کی علامت ہے، اور اس منطقی بات پر دھیان نہ دینے کا نتیجہ صرف گمراہی ہے۔ جو لوگ راست طریقے سے سوچنے اور عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں اور عقل و فہم کی بات کو نظرانداز کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بخشی گئی عقل و دانش کی نعمت کی ناقدری کرتے ہیں، اور اسی لئے اپنی ان قوتوں کو منجمد کرنے کے قصور کی سزا جھیلیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کا کلام اور فطرت میں کارفرما اس کے قوانین روبہ عمل آتے ہیں تو ایسے لوگوں

کی قوتیں محسوس کرنے،غور کرنے اور زندگی و مادی دنیا کے بارے میں نتائج اخذ کرنے سے معذور رہتی ہیں، خاص طور سے خود انسان کے وجود اور دنیا و آخرت میں اس کے مقدرات کو سمجھنے سے عاری رہتی ہیں۔ فکر و عمل میں اس طرح کے انحراف سے اللہ کے بارے میں صحیح عقیدہ حاصل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کے لئے انسان کی عقلی، نفسیاتی اور روحانی طاقتوں کو درست طریقے سے استعمال کرنا ضروری ہے۔ جھوٹے خدا چاہے وہ خود انسانوں میں سے ہوں یا کوئی اور، پیدا کرنے کی طاقت کبھی حاصل نہیں کر سکتے اور جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اس پر اپنا اختیار مطلقاً نہیں چلا سکتے۔ وہ انسان سمیت کسی بھی مخلوق کی کوئی رہنمائی بھی نہیں کر سکتے، نہ تو ان کی جبلت کے ذریعہ اور نہ ان کے دماغ کے ذریعہ۔

قرآن میں اس عام اصول پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ گمان اور اٹکل سے سچائی تک نہیں پہنچا جا سکتا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو مادی تجربہ یا استدلال سے ہی کام لینا ہوگا۔ چنانچہ قرآن نے بار بار ان لوگوں کو چیلنج دیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے جو ہر اس چیز کو جس کا علم انہیں پہلے سے نہیں ہے جھٹلا دیتے ہیں [۱۰:۳۹]۔ کسی بات کی تردید کے لئے کوئی معروضی ثبوت ہونے کی لازمی ضرورت کو قرآن کی درج ذیل آیات میں دوہرایا گیا ہے:

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۶۶﴾

سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو لوگ زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے (بندے اور اُس کے مملوک) ہیں اور جو یہ اللہ کے سوا (اپنے بنائے ہوئے) شریکوں کو پکارتے ہیں وہ (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ (۱۰:۶۶)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾

کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اُس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے (اے افتراء پردازو!) تمہارے پاس اس (باطل قول) کی کوئی دلیل نہیں ہے، تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ (۱۰:۶۸)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اولاد کی نسبت جوڑنے کے رد میں قرآن میں کئی جگہ دلائل دئے گئے ہیں اور مشرکین عرب کے عقیدے کی نفی کی گئی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، [۱۶:۵۷؛ ۱۷:۴۰؛ ۳۷:۱۴۹ تا ۱۵۳، ۴۳:۱۶؛ ۵۲:۳۹]، اسی طرح عیسائیوں کا عقیدہ تھا جو جزیرۃ العرب کے شمال، مشرق اور جنوب میں رہتے تھے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، [۲:۱۱۶، ۶:۱۰۱؛ ۱۰:۶۸؛ ۱۷:۱۱۱؛ ۱۸:۴ تا ۵؛ ۱۹:۳۵؛ ۸۸:۹۳؛ ۲۱:۲۶؛ ۲۳:۹۱؛ ۲۵:۲۲:۷۲:۳؛ ۱۱۲:۳]۔

توحید خالص کا اسلامی نظریہ اور بنیادی تصور یہ ہے کہ ”اس جیسا کوئی نہیں ہے“ [۴۲:۱۱] اور ”کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے“ [۱۱۲:۴]، اللہ تعالیٰ ایسے کسی بھی نقص سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو“۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ
اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَ مَا
كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ یَجْعَلُ
الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ
قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں؟ حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور جو لوگ بے عقل ہیں اُن پر وہ (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے۔ (ان کفار سے) کہو کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے؟ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کو نشانیاں اور ڈراوے کچھ کام نہیں آتے۔ (۹۹:۱۰ تا ۱۰۱)

اگر اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ نہ ہوتی کہ انسانوں کو مرضی و ارادہ کی آزادی دی جائے تو وہ اپنی قدرت کاملہ سے تمام انسانیت کو اس کا پابند کر دیتا کہ وہ ایک اللہ پر ایمان لائیں، لیکن اس طرح جبریہ طور پر عقیدہ تھوپ دینے سے انہیں اپنے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملتا اور نہ اپنی اپنی شخصیتوں اور سماجوں کو ترقی دینے کا انہیں موقع ملتا۔ عقیدے کی آزادی انسان کی پسند کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہے اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں انہیں دوسروں کو اپنا عقیدہ ماننے کے لئے مجبور کرنے کی کسی بھی اکساہٹ سے بچنا چاہئے۔ انسانی وقار اور انسان کی عقل کو تحفظ دینے والا انصاف کا الٰہی اصول قرآن کی مندرجہ بالا آیت میں بھی اور دوسرے مقامات پر بھی زور دے کر بیان کیا گیا ہے، جیسے کہ: لا اکراہ فی الدین یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں [۲:۲۸۱] اور اسی لئے ہر ایک کا فیصلہ اس کی اپنی میرٹ کی بنیاد پر ہوگا۔

عقیدہ انسانی ذہن اور ارادہ کی آزادی کے فعال استعمال سے پیدا ہونا چاہئے۔ ان قوی ذرائع کی موجودگی اور ان کا استعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت و منصوبے کا حصہ ہے۔ قرآن کے الفاظ ''باذن اللہ'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اتنی استعداد اور اتنی قوتیں دے دی ہیں جو اسے آزادی کے ساتھ غور کرنے اور فیصلہ لینے کا موقع دیتی ہیں۔ انسان کو ان ذرائع اور استعداد کو بروئے کار لانا چاہئے اور انہیں اتنی ترقی دینا چاہئے کہ وہ کائنات کا مشاہدہ کریں اور سماج میں فرداً فرداً انسانی رویہ کو دیکھیں، ماضی اور حال کا جائزہ لیں۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے اور ان استعدادی ذرائع کو ہم نظر انداز کریں تو یہ صلاحیتیں بے کار ہو جائیں گی اور مخلوقات میں، خاص طور سے انسان کی اپنی ہستی میں، انسانی سماج میں، انسانی تاریخ میں اللہ تعالیٰ کی جو نشانیاں ہیں یا جو کچھ پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو، ان کی طرف سے انسان اندھا اور بہرا بنا رہے گا اور اس کا دماغ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جائے گا۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖؗ
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا
یُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں، اُن کے دل ہیں لیکن اُن سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۷:۱۷۹)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ
اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ
اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٤ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ
لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٥ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا
مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٦ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا
كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ
لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا
عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ
حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ لوگو اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں ہوں۔ اور یہ کہ (اے محمد ﷺ! سب سے) یکسو ہو کر دینِ (اسلام) کی پیروی کئے جاؤ اور مشرکوں میں ہرگز نہ ہونا۔ اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا اس کا کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہے تو اُس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ لوگو! تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس حق آ چکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں۔ اور (اے پیغمبر!) تمہیں جو حکم بھیجا جاتا ہے اُس کی پیروی کئے جاؤ اور (تکلیفوں پر) صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۱۰:۱۰۴تا۱۰۹)

اللہ کے نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ، جن پر اللہ تعالیٰ کی وحی متواتر نازل ہوتی رہی، کے ذہن میں اپنے پیغام کے لے کر کوئی شک وشبہ نہیں تھا اور انھوں نے اپنا ایمان اور عقیدہ تمام لوگوں کے سامنے صاف صاف اور مستقل طور سے بیان کیا۔ انھوں نے ہر ایک کو یہ بتایا اور جتایا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کی قدرت کو ہر ذی نفس اس وقت محسوس کر لیتا ہے جب وہ موت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ نبی پر جو پیغام اترتا ہے اور جس کی نبی (ﷺ) نشر واشاعت کرتے ہیں وہ کائنات کے بارے میں اور انسانی زندگی و موت کے بارے میں سنجیدہ غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ کا پیغام نہ صرف فرد کی طاقت وصلاحیتوں کو جلا دیتا ہے بلکہ وہ اسے اپنی انفرادی لیاقتوں اور صلاحیتوں کو قوم اور سماج کے اندر استعمال کرنے کے لئے رہنمائی بھی دیتا ہے۔ اس لئے اسے ایمان والوں میں شامل ہو کر اور ایک مومن بن کر رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بھلائی اور برائی کو، خوشی اور غم کو اس زندگی میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے جاتے رہنے کا موقع دیتا ہے، تاکہ انسان کو دونوں حالتوں میں آزمایا جائے اور ہر فرد کا پورا پورا امتحان ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کے خلاف نہیں ہے کہ برائی، ناانصافی، دکھ درد وغیرہ کو دنیا کی اس زندگی میں بنائے رکھتا ہے کیوں کہ ایک حقیقی اور ابدی زندگی آخرت میں ہی ہوگی جہاں تمام لوگوں کو مکمل انصاف اور مکمل بدلہ ملے گا۔

اللہ پر ایمان بندے یا بندی کو ناکامی یا کامیابی کی صورت میں حوصلہ دیتا ہے اور مشکل حالات میں اسے مایوس اور حواس باختہ ہونے نہیں دیتا۔ اگر مومن / مومنہ کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا / کرتی ہے، کیوں کہ وہ سمجھتا / سمجھتی ہے کہ یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک ابدی زندگی ہے جہاں مکمل انصاف ہوگا۔ اور بندہ یا بندی کو کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے جس کے بنائے گئے ضابطے اور قوانین ان لوگوں کو صلہ دیتے ہیں جو سخت محنت اور اچھے طریقے سے کام کرتے ہیں، وہ بندہ یا بندی اس ہستی کی شکر گزار ہوتی ہے جس نے اسے کامیابی کے ذرائع فراہم کئے۔ اس طرح ایک اللہ میں یقین رکھنے والا / والی اپنی زندگی میں آنے والے ہر بدلاؤ اور ہر حال میں توازن پر قائم رہتا / رہتی ہے اور اپنے او پر قابو رکھتا / رکھتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جو کہ مسلم، ابن حنبل اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔ ایک اللہ پر ایمان کے گہرے اثرات و مضمرات فرد کے شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں، شخصیت کی مضبوطی و استقلال کے ساتھ ساتھ سماجی اتفاق و یکجہتی پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس سے فرد کی صداقت پسندی اور صالحیت ظاہر ہوتی ہے جس سے خودغرضی اور ناعاقبت اندیشی دب جاتی ہے۔ یہ ہر انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے فیصلے لے اور اپنی دیانت داری اور امانت پسندی کی حفاظت کرے یا اسے ضائع کردے اور سماجی اتحاد کو بنائے یا برباد کردے۔ البتہ جو لوگ انسان کے اندر توازن پیدا کرنے والے اللہ کے پیغام کو پیش کرتے ہیں انہیں لوگوں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہئے کہ وہ منطقی اور عقلی رویہ اختیار کریں گے اور عقل کی بات تسلیم کریں گے: انہیں صبر اور مستقل مزاجی سے کام لینا ہوگا اور امید کبھی نہیں چھوڑنی ہوگی، اور بالآخر اللہ کو ہی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾

میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) اللہ یکتا و غالب۔ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے اُن کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اُس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۱۲:۳۹تا۴۰)

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس تبلیغی بیان کا ایک حصہ ہے جو انھوں نے جیل میں اپنے ساتھیوں کو دیا تھا جب انہیں غیر منصفانہ طور پر جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ یہ بات انھوں نے اپنے ساتھیوں سے ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے نہیں کہی جسے اللہ نے علم میں ممتاز کیا ہو اور صحیح فیصلہ کرنے کی حکمت دی ہو [۱۲:۲۲] بلکہ جیل کے ساتھی کی حیثیت سے کہی، اور یہ ایک ایسی بات ہے جو ان سب کے درمیان مشترک بنیادوں کو اجاگر کرتی تھی۔ یہ ایک طرز عمل ہے جو لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہر فرد کے لئے قابل تقلید ہے۔ اس طرح سے بات شروع کرنے کے بعد عقیدہ توحید کے منطقی اور عقلی ہونے پر اور شرک کے غیر منطقی اور غیر عقلی ہونے پر مختصر مگر جامع دلیل دی گئی۔ کیا ایک عقل رکھنے والا انسان واقعتاً یہ سوچ سکتا ہے کہ متعدد اور متضاد بھگوانوں میں یقین رکھنا ایک خدائے واحد میں یقین رکھنے سے زیادہ ہوش مندی اور سمجھ داری کی بات ہے؟ اللہ کی وحدانیت کا عقیدہ ایک عقلی بات ہے جس میں اللہ کے قادر مطلق ہونے اور تمام طاقتوں کا

مالک ہونے کا عقیدہ بھی شامل ہے اور کائنات، زندگی اور تمام مخلوقات میں کارفرما نظم وترتیب بھی اس پر گواہ ہے [۲۲:۲۱؛ ۲۳:۹۱]۔

جب لوگ دوسرے خداؤں کی بات کرتے ہیں، تو جو نام وہ لیتے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں سوائے اس کے کہ خود ان کے یا ان کے آباء واجداد کے گڑھے ہوئے ہیں۔ صرف اللہ ہی حق ہے اور وہی ہے جس کے پاس طاقت، علم اور یہ بتانے کا اختیار ہے کہ اس معاملہ میں صحیح کیا ہے، اور آخری فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک ایسے بندہ مومن کا نمونہ ہیں جو اس بات کو کہنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے کہ جس چیز پر اس کا ایمان ہے وہی سچ ہے، یہاں تک کہ جیل میں بھی وہ اس بات کو کہنے سے نہیں چوکتے اور ان لوگوں کے سامنے کہنے سے باز نہیں رہتے جو جارحیت پر اتر سکتے تھے، لیکن یہ بات انھوں نے منطقی استدلال سے اور موثر طریقے سے کہی۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ
مَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸

کہہ دو کہ میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین وبرہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (۱۲:۱۰۸)

اللہ تعالیٰ کے تمام گزشتہ پیغامات کی طرح اسلام بھی اللہ کے ایک ہونے پر زور دیتا ہے جو اس پیغام کا مرکزی نکتہ ہے اور جو کسی بھی صحیح سوچ اور صحیح عمل کے لئے ایک لازمی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کو اپنی مختلف صلاحیتوں سے حاصل ہوسکتی ہے، انسان کی قوت ادراک، عقل کے اندازے یا انسان کا وجدان اور روحانی رہنمائی کی صلاحیت اسے اللہ تعالیٰ کا شعور دے سکتی ہے۔ اللہ کے پیغمبر اور جو لوگ ان پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں وہ ہر انسان کو ایک فرد کے طور پر اور انسانی معاشرے کو مجموعی طور پر اس حقیقت کا شعور حاصل کرنے کی طرف بلاتے ہیں، اور اس کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں تاکہ انسانی شخصیت کا کوئی بھی حصہ یا کائناتی حقیقت کا کوئی عنصر بھی نظر انداز نہ ہو۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ
رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ اَللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا
تَزْدَادُ ۭ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ
اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ
بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی نازل نہیں ہوئی سو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کیلئے رہنما ہوا کرتا ہے۔ اللہ ہی اس بچے سے واقف ہے جو عورت کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف ہے) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ وہ دانائے نہاں وآشکار ہے سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔ کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اُس کے نزدیک) برابر ہے۔ اُس کے آگے اور پیچھے اللہ کے

اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ اُس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

(۱۳:۷ تا ۱۱)

یہ کائنات اور یہ زندگی تخلیق کی ایسی نشانیوں اور ایک ایسے نظام ترتیب سے بھری ہوئی ہے جو ایک قادرِ مطلق خدا کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔اب اگر کچھ لوگ یہ چیلنج دیں کہ وہ اللہ کے پیغام کو تبھی قبول کریں گے جب اس کے ثبوت میں کچھ معجزے دکھائے جائیں تو یہ سن کر پیغمبر کو شکستہ خاطر یا رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ ان کا کام، دوسرے تمام پیغمبروں کی طرح صرف لوگوں کو اللہ کے پیغام کی طرف بلانا اور انہیں متنبہ کرنا ہے۔ان کی رہنمائی کو قبول کرنا یا اسے مسترد کر دینا مخاطبین کی اپنی ذمہ داری ہے اور یہ ان کے ہی اوپر ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے لئے کیا پسند کرتے ہیں۔

پھر یہ آیات اللہ علیم وخبیر کے علم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔رحم میں حمل کا بننا اور پلنا اور پھر اس کی پیدائش ایسے مراحل پر مشتمل ہے جس میں جنین کے مختلف اعضا اور ان کی قوتیں اپنا کام کرتی ہیں اور اس بچے کی آئندہ شخصیت کی تشکیل ان مراحل میں ہوتی ہے جو تخلیق کے ایک طویل عمل سے گزر کر دنیا میں آتا اور اپنی سرگرمیاں انجام دیتا ہے۔لیکن اس پورے عمل اور ان سارے مراحل کا پیشگی علم صرف اللہ کو ہی ہوتا ہے جو اپنی ہر مخلوق اور تخلیق کے لئے قوانین اور نظم وضع کرتا ہے، ایسے قوانین اور ایسا نظم جو پوری طرح درست حساب کتاب کے ساتھ آپس میں مربوط ہوتے ہیں۔وہ ان تمام حالات اور امور سے واقف ہے جو انسان سمیت کسی بھی مخلوق کے احاطہ ادراک میں نہیں آسکتے، اور وہ ان تمام باتوں سے بھی واقف ہے جو انسان چھپا کر یا ظاہر میں کرتے ہیں۔ہر انسان کے ساتھ فرشتوں کی صورت میں نگراں لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ دنیاوی ذرائع ہوتے ہیں جنہیں انسان خود اپنی مدد اور سہارے کے لئے استعمال کرتا ہے اور اپنے مقاصد پورے کرنے کے لئے ان کی مدد لیتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور رہنمائی کیا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم فرمائی شمار نہیں کی جاسکتی، البتہ یہ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے احسانات سے فائدہ اٹھائے اور اس کا شکر گزار بنے۔انسان اگر خود جان بوجھ کر اپنی تباہی کا راستہ چنے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر نگراں فرشتے اسے ایسا کرنے سے روکتے نہیں ہیں۔

قرآن انسانوں کی آنکھیں کھولتا ہے کہ وہ انسان کے اندر آنے والی تبدیلیوں کے سادہ سے لیکن اہم قانون کا مشاہدہ کریں، وہ تبدیلی جو ہر فرد کے اندر جسمانی، نفسیاتی، عقلی، روحانی واخلاقی لحاظ سے آتی رہتی ہے اور اجتماعی طور پر انسانی معاشروں میں آتی ہے: ''اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود ہی اپنے اندر تغیر نہ لائیں'' [۱۳:۱۱، نیز ۸:۵۳]۔اچھے یا برے حالات کے آنے کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ہی نہیں ہے بلکہ یہ ان کاموں کا نتیجہ ہوتا ہے جو انسان خود کرتے ہیں اور اپنی مادی واخلاقی حالتوں میں جو تبدیلی وہ خود لاتے ہیں۔محمد اسد کے الفاظ میں ''یہ علت ومعلول کے قانون (سنت اللہ) کا مظہر ہے جو افراد اور جماعتوں دونوں کے اوپر عائد ہوتا ہے اور تہذیبوں کے عروج وزوال کو لوگوں کی اخلاقی خوبیوں پر منحصر کرتا ہے'' [میننگ آف دی قرآن، آیت ۱۳:۱۱ کی تفسیر میں

نوٹ نمبر ۲۶]۔ اگر لوگ اپنی مادی اور اخلاقی حالت کو جان بوجھ کر خود ہی برائی کی طرف لے جاتے ہیں، جو کہ انسانی عقل وشعور کے خلاف ہے، تو وہ اپنے مہلک اقدامات کے نتائج جھیلیں گے اور انہیں خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا کہ یہ سماجی تبدیلی کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، جو اتنے ہی مستحکم و مستقل ہیں جتنے وہ قوانین جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتے ہیں۔ [۲۶:۳ تا ۲۷]

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ (تم ہی ان کی طرف سے) کہہ دو کہ اللہ تعالی۔ پھر (ان سے) کہو کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں کارساز بنایا ہے جو خود اپنے نفع ونقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ (یہ بھی) پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟ یا اندھیرا اور اجالا برابر ہوسکتا ہے؟ بھلا (ان لوگوں نے) جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے کیا انہوں نے اللہ کی سی مخلوقات پیدا کی ہے جس کے سبب اُن کو مخلوقات مشتبہ ہوگئی ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا (اور) زبردست ہے۔ (۱۶:۱۳)

یہ آیت بھی اللہ کی یکتائی پر زور دیتی ہے اور اس کی شان تخلیق کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس میں یہ جتایا گیا ہے کہ لوگ اللہ کے ساتھ جن دوسرے خداؤں کو شریک کرتے ہیں انھوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا، اس لئے کسی سنجیدہ غور وخوض کرنے والے کو کوئی اشتباہ نہیں ہونا چاہئے۔ چوں کہ صرف اللہ تعالی ہی پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ محمد اسد کے الفاظ میں یہ پیدا کرنا ایسا ہے کہ ''کسی ایسی چیز کو وجود میں لانا جو مکمل طور یا اپنے کسی جز کی صورت میں پہلے سے موجود ہی نہ ہو''۔ یہ صرف اللہ ہی ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے'' [۱۱۷:۲، نیز ۴۷:۳، ۵۹؛ ۴۰:۱۶؛ ۳۵:۱۹؛ ۸۲:۳۶؛ ۶۸:۴۰]۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ الٰہی سے آرام پاتے ہیں، سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کیلئے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانہ ہے۔ (۲۸:۱۳ تا ۲۹)

اللہ کی تخلیق میں اس کی نشانیاں صرف ظاہر وباہر ہی نہیں ہیں، بلکہ انسان کی اپنی ذات میں بھی نہاں اور پنہاں ہیں جیسے کہ انسان کا دماغ اور دل اور ان کے بڑھنے کا عمل۔ آسودگی دراصل سکون واطمینان کی حالت کا اور جسمانی، عقلی اور اخلاقی ضروریات کی تکمیل کا نام ہے۔ ایک اللہ پر ایمان فرد کو زندگی کے نشیب وفراز کا سامنا کرنے میں اس کے اندرون ذات سے توازن اور استحکام فراہم کرتا ہے اور سماج میں مساوات واجتماعیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ زندگی میں اس جدوجہد سے گزرنے کے بعد فرد کو آخرت کی ابدی زندگی میں اور زیادہ مسرت اور مکمل آسودگی حاصل ہوگی اور راحت وآرام کے حسین گھر میں اس کی تمام آرزوؤں کی تکمیل ہوگی۔ جیسا کہ گزشتہ آیت [۱۱:۱۳] میں بیان ہوا، انسان کے اندر کوئی بھی تبدیلی، چاہے وہ بہتری کی طرف ہو یا بدی کی طرف، اس کے اندرون سے آتی ہے۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾

اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب سے اللہ واقف ہے ۔اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں۔(وہ) لاشیں ہیں بے جان اُن کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے۔تمہارا معبود تو اکیلا اللہ ہے،تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اِنکار کر رہے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔ یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ ضرور اُس کو جانتا ہے، وہ سرکشوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (۱۹:۱۶ تا ۲۳)

اللہ تعالیٰ ہی اصل مالک ہے اور ظاہر و پوشید ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ہر چیز اور ہر نفس اسی کی پیدا کردہ ہے اور یہ تمام چیزیں اس کی حمد و ثنا بیان کرتی ہیں۔ اگر انسان خود کو ستاروں کے آگے جھکاتے ہیں، یا قدرت کے دیگر مظاہر اور قوتوں کے آگے سر عبادت خم کرتے ہیں یا کسی عظیم انسان کو، خواہ وہ کوئی پیغمبر یا بزرگ ہستی ہی ہو، کو اپنا معبود بناتے ہیں تو وہ انسان کو بخشی گئی عقلی اور روحانی خوبیوں اور اپنی امتیازی خصوصیات کو خود ہی ختم کر دیتے ہیں، اور اپنے اندر کے انسان کو وہ فنا کر دیتے ہیں، پھر وہ ایک زندہ لاش سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔ وہ اپنے وجود کو صرف حیوانی سطح تک محدود کر لیتے ہیں اور اپنے مطمعٔ نظر کو صرف اس زندگی تک محدود کر کے اپنی توانائیوں کو ضائع کر دیتے ہیں ۔جو لوگ اللہ اور آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں لانا چاہتے ان میں اکثر ایسے ہیں جو خود پسندی اور تکبر نفس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے اور خود کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتے۔ ہر کوئی اپنے دل اور دماغ میں جو کچھ چھپاتا ہے، اور جو کچھ وہ لوگوں پر ظاہر کرتا ہے، اور وہ اصل محرک بھی جو حق کو سمجھنے کے باوجود اس کا انکار کرنے کے پیچھے چھپا ہوتا ہے، سب کچھ پوری طرح اللہ کے علم میں ہے۔ جو لوگ خود غرضی اور غرور کی وجہ سے اللہ کی ہدایت کا انکار کرتے ہیں وہ اللہ کی رحمت اور نصرت سے محروم رہیں گے کیوں کہ وہ مغرور اور متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اگر وقت گزرنے کے بعد اس بات کو سمجھیں گے کہ اس زندگی میں ان کی تمام خواہشوں کو تکمیل ممکن نہیں اور وہ پوری طرح خود کفیل کبھی نہیں ہو سکتے، اور یہ کہ آخرت کی ابدی زندگی میں اس سے کہیں زیادہ کچھ ہے، تو اس وقت نقصان اور خسارے کے سوا انہیں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ﴿۴۵﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب پکڑنے لگے تو ایک جاندار کو زمین پر نہ چھوڑے لیکن ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے، جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ (۴۵:۳۵)

اللہ تعالیٰ کا منصوبہ یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں ہی اپنا فیصلہ سنا دے اور اس کے مطابق صلہ بھی دیدے تاکہ تمام انسانوں کو ان کے امتحان کے لئے اور اس بات کا موقع دینے کے لئے کہ وہ خود کو درست کر لیں اور خود کو فروغ دیں، مناسب موقع ملے۔ اس زندگی کے تعلق سے اور اللہ تعالیٰ کے انصاف کے بارے میں یہ لازمی اصول پورے قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے [۲:۶، ۶۰: ۱۱:۳؛ ۱۴:۱۴؛ ۱۰:۱۸؛ ۵۸:۲۰؛ ۱۲۹:۲۹؛ ۵۳:۳۹؛ ۴۲:۴۰؛ ۶۷:۴۲؛ ۱۴:۴۲؛ ۱۴:۷]۔ اگر لوگوں کو ان کی ہر غلطی پر فوری سزا دے دی جائے، اور

اللہ کی طرف سے نظر انداز کرنے، معاف کرنے اور لوگوں کو اپنی اصلاح کرنے اور توبہ یا تلافی کرنے کا کوئی موقع نہ ملے تو دنیا کی یہ زندگی تھم جائے گی اور انسانی ترقی یا دنیا کی ترقی کے لئے کوئی موقع ہی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے اندر اچھی یا بری تبدیلی لانے کا پورا موقع دیتا ہے۔ جب اس دنیا کی مدت پوری ہوجائے گی، جو کہ اللہ نے طے کر رکھی ہے، تب ہر انسان کو فیصلہ اور صلہ کے لئے لایا جائے گا۔ اس مدت کو بڑھانے یا چھوٹا کردینے کی کوئی بھی کوشش لا حاصل ہوگی۔ قرآن میں آخرت کے عقیدے کے حوالے سے ہر کام کے لئے فرد کی جواب دہی پر بار بار زور دیا گیا ہے، کیوں کہ اس دنیا میں ہر غلط کام کے کچھ برے نتائج ہوتے ہیں اور اچھے کاموں کا بھی کچھ نہ کچھ صلہ اس دنیا میں انسان کو ملتا ہے جب کہ پورا صلہ اور حقیقی بدلہ آخرت میں ہی ملے گا۔ [۱۶:۹۷؛ ۲۰:۱۲۳ تا ۱۲۴]۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

کہہ دو کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اُس کے سب نام اچھے ہیں اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔ اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ اور نہ، اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے، اُس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اُس کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی کرتے رہو۔ (۱۷:۱۱۰ تا ۱۱۱)

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نوعیت و ماہیت اور اس کی ہو بہو تصویر انسانی خیال میں نہیں سما سکتی تاہم اس کے نام یا صفات (جو جامع طور پر دوسری آیات ۷:۱۸۰؛ ۲۰:۸؛ ۵۹:۲۴ میں آئے ہیں اور پورے قرآن میں اپنے اپنے محل پر استعمال ہوئے ہیں) اس کی شان کو سمجھنے اور مخلوقات سے اس کے تعلق کو سمجھنے میں ہماری مدد کرسکتی ہیں۔ علاوہ ازیں، انسان کو اِن ناموں سے اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرنے کی بھی ترغیب ملتی ہے جو ان کے اخلاق کو بلند کرتے ہیں، البتہ اس بات کا ہمیشہ خیال رہنا چاہیے کہ خالق اور مخلوق کی صفات یکساں نہیں ہوسکتیں۔ قرآن اور سنت میں اللہ کے ۹۹ صفاتی نام بیان ہوئے ہیں تاہم اس کی ہستی اکیلی ہے، قطع نظر اس کے کہ اسے کتنے ناموں سے پکارا جائے [۵۹:۲۲ تا ۲۴]۔ وہ نہ صرف رحمان ہے بلکہ رحیم یعنی بے انتہا مہربان اور رحم کرنے والا بھی ہے۔ اللہ کی یہ دو صفات قرآن کی تلاوت شروع کرتے وقت خاص طور سے لازماً بیان کی جاتی ہیں اور ہر نماز میں بھی بیان کی جاتی ہیں۔ یہ اس کی شان ہے کہ ''اُس نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے'' [۶:۱۲، ۵۴]

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ

اور جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب اُسی کے (مملوک اور اُسی کا مال) ہیں اور جو (فرشتے) اُس کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔ رات دن (اُس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں، نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ بھلا لوگوں نے جو زمین کی چیزوں سے (بعض کو) معبود بنالیا ہے (تو کیا) وہ اُن

فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ
الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۲۲﴾ لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَ هُمۡ
یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلۡ هَاتُوۡا
بُرۡهَانَكُمۡ ۚ هٰذَا ذِكۡرُ مَنۡ مَّعِیَ وَ ذِكۡرُ مَنۡ قَبۡلِیۡ ؕ بَلۡ
اَكۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَاۤ
اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ
اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا
سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ لَا یَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ
وَ هُمۡ بِاَمۡرِهٖ یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ
مَا خَلۡفَهُمۡ وَ لَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَ هُمۡ
مِّنۡ خَشۡیَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنۡ یَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّیۡۤ
اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ نَجۡزِیۡهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ
نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾

کو (مرنے کے بعد) اٹھا کھڑا کریں گے؟ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ مالکِ عرش ان سے پاک ہے۔ وہ جو کام کرتا ہے اُس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔ کیا لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ کہہ دو کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو، یہ (میری اور) میرے ساتھ والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے (پیغمبر) ہوئے ہیں اُن کی کتابیں بھی ہیں بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان میں اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لئے اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ۲۴۔ اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے، وہ پاک ہے (اس کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی بلکہ جن کو یہ لوگ اُس کے بیٹے اور بیٹیاں سمجھتے ہیں وہ) اُس کے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے اور وہ (اُس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اُسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (۲۱:۱۹ تا ۲۹)

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے تعلق سے کچھ مخصوص بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔ ابتداء (۲۱:۱۹ تا ۲۲) میں ہمارے سامنے یہ دلیل آتی ہے کہ مختلف یا متعدد خداؤں میں یقین رکھنا خود اپنے آپ میں ایک متضاد بات ہے کہ اگر یہ سارے خدا اختیارات میں اور اپنی مرضی میں ایک دوسرے کے برابر ہیں تو پھر ان میں چلے گی کس کی اور اگر ان کے اختیارات محدود ہیں اور اگر ان کے درمیان اختیارات کی تقسیم ہے تو ان میں باہمی تعاون اور ربط و نظم کون قائم کرے گا؟

دونوں ہی صورتوں میں مسائل پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ برابر کے اختیارات رکھنے والے متعدد خدا اپنی اپنی خواہشات اور فیصلے لاگو کرنے میں ایک دوسرے سے جھگڑیں اور کائنات میں فساد برپا ہوگا، جب کہ محدود اختیار رکھنے والا کوئی خدا، فی الواقع خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ الگ الگ خداؤں کے اخلاقی معیار بھی الگ الگ ہوں گے کیوں کہ ان کی صفات اور ان کے رویے الگ الگ ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے مکمل اور درست انصاف پر یقین کا معاملہ آتا ہے، جو مومن کو اپنا پورا نفس اللہ کی مرضی اور اس کی رہنمائی کے

حوالے کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور مومن خود کو دنیا کا مرکز سمجھنے اور صحیح وغلط اور بھلائی یا برائی کا فیصلہ خود کرنے کا مختار سمجھنے سے باز رہتا ہے۔ انسان اس دنیا میں دوسروں کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اور آخرت میں حقیقی فیصلہ کے دن صرف اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا، جب کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی جواب دہی نہیں ہے کیوں کہ اس کی طرف سے جو کچھ ہے وہ اس کی تخلیق ہے[۲۱:۲۳]۔اسی طرح کوئی بھی انسان جو آپ کو کسی بھی جواب دہی سے اوپر سمجھے، صاف صاف یا مبہم طریقے سے، وہ دراصل لوگوں پر اپنی خدائی جتا تا ہے۔اس لحاظ سے دیکھیں تو ایک اللہ پر ایمان انسانی حقوق، انسانی مساوات اور ہر فرد کے کاموں کی جواب دہی کے حوالے سے کس قدر متاثر کن پرکشش نظریہ ہے۔

اس کے بعد قرآن یہ بتا تا ہے کہ کوئی بھی دعویٰ ٹھوس مشاہدے پر مبنی اور منطقی ہونا چاہئے[۲۱:۲۴]۔ جہاں تک کسی مناسب اور تعمیری استدلال کی بات ہے تو قرآن میں اس پر بار بار زور دیا گیا ہے[درج بالا آیت ۲۱:۲۴ کے علاوہ مزید دیکھیں ۲:۱۱۱؛ ۱۰:۶۸؛ ۲۷:۶۴؛ ۲۸:۷۵؛ ۳۷:۱۵۶تا۱۵۷؛ ۴۰:۵۶]۔

آیت ۲۱:۲۵ میں یہ بات بہت جامع اور موثر انداز میں کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام گزشتہ پیغامات کا جوہر ایک ہی ہے یعنی: 'میرے سوا کوئی الہ نہیں ہے'؛ اس لئے میری ہی عبادت کرو[نیز دیکھیں ۵:۷۲تا۷۳، ۱۱۷؛ ۷:۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵؛ ۱۱:۵۰، ۶۱، ۸۴؛ ۱۶:۳۶؛ ۲۱:۹۲؛ ۲۳:۲۳، ۳۲؛ ۲۷:۴۵؛ ۲۹:۱۶، ۳۶]۔اسلام کا مطلب ہے خودسپردگی، جو صرف اللہ کے لئے ہی ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے وسیع تر مفہوم میں 'اسلام' کی ہی تعلیم دی ہے[۲:۱۱۲، ۱۳۱ تا ۱۳۳، ۱۳۶، ۳:۲۰، ۵۲، ۶۴ تا ۸۳، ۸۴، ۴:۱۲۵، ۵:۴۴، ۱۱۱؛ ۲۱:۱۰۸؛ ۲۲:۳۴، ۲۷:۴۴؛ ۲۸:۵۳؛ ۲۹:۴۶؛ ۳۱:۲۲]۔

اللہ تعالیٰ کے تمام پیغامات کے اس بنیادی اور واضح اصول کے مطابق کہ وہ اکیلا ہے اور تمام عبادتیں صرف اسی کے لئے ہیں، اور وہ تمام ہستیاں جنہیں اللہ نے مقرب کیا ہے جیسے فرشتے یا پیغمبر یا دوسرے لوگ وہ خود بھی صرف اس کے بندے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ پورے اخلاص کے ساتھ کس طرح اس کی بندگی کی جائے، اور یہی بات اللہ سے ان کے قرب کی اور ان کے اکرام کی وجہ ہے [۲۱:۲۶ تا ۲۹]، کسی کی خاطر بھی کسی کی سفارش یا اصرار کا کوئی موقع نہیں ہے الا یہ کہ سفارش کرنے والے اور جس کے لئے سفارش کرنی ہے اللہ کے یہاں مقبول ہوں۔لہذا ان مکرم ہستیوں میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ خدا یا خدا کا شریک ہے، کیوں کہ اسے اپنی اصل حیثیت معلوم ہے اور وہ یہ بات جانتا/جانتی ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کے معاملہ میں غلط بیانی کرے گا / گی، وہ کوئی بھی ہو، اللہ کے انصاف کی رو سے اس کی سزا کا حق دار ہوگا/ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کی طرف داری نہیں کرتا۔اس معاملہ میں عیسیٰ علیہ السلام ایک کھلی مثال ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، جب کہ دوسرے لوگ انہیں اللہ کا بیٹا گردانتے ہیں۔[نیز دیکھیں: ۴:۱۷۱تا۱۷۲، ۵:۷۵؛ ۱۱۰تا۱۱۱، ۱۱۶تا۱۱۸]۔

اس طرح مندرجہ بالا آیات ایک اللہ پر ایمان کے تعلق سے بہت ہی اہم اور قیمتی نکات بیان کرتی ہیں، جن سے مومن کے افکار و احساسات کی تشکیل ہوتی ہے۔ایک اللہ پر ایمان کو اس کے انصاف پر ایمان سے الگ نہیں جاسکتا جس میں کسی کے لئے کسی طرف داری کی کوئی جگہ نہیں ہے؛ اور نہ انسانی حقوق اور مساوات اور جواب دہی سے الگ کیا جاسکتا ہے؛ اور اس کے پیغام کی وحدت پر ایمان سے بھی اسے الگ نہیں کیا جاسکتا جس نے ایک بعد ایک آنے والے پیغام سے ان اصولوں کو قائم کیا ہے۔۔۔۔۔۔کائنات میں نظم وربط اور خالق کی یکتائی نہ صرف اسلام کا پیغام ہے جس کی تبلیغ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے کی، بلکہ پچھلے تمام پیغمبروں نے بھی جس کی تبلیغ کی۔یہ وہ

پیغام ہے جو انسان کے اندر اس کی تمام جسمانی، نفسیاتی، عقلی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے توازن قائم کرتا ہے، اور ہر فرد اور اس کی / کے شریک حیات کے درمیان، اور تمام انسانوں میں اور ان کے اطراف پھیلی پوری دنیا میں تعلق وہم آہنگی قائم کرتا ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ
السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ
اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ
كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ
فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا مال ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ اللہ کا۔ کہو پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ (ان سے) پوچھو کہ سات آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش اعظم کا (کون) مالک (ہے)؟ بے ساختہ کہہ دیں گے کہ یہ (چیزیں) اللہ ہی کی ہیں۔ کہو کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اُس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ فوراً کہہ دیں گے کہ ایسی بادشاہی تو اللہ ہی کی ہے۔ تو کہو پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق پہنچا دیا ہے اور یہ جو (بت پرستی کئے جاتے ہیں) بے شک جھوٹے ہیں۔ اللہ نے نہ تو (اپنا) کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لے کر چل دیتا اور ایک دوسرے پر غالب آ جاتا۔ یہ لوگ جو کچھ (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور (مشرک) جو اُس کے ساتھ شریک کرتے ہیں اُس کی شان اس سے اونچی ہے۔ (۲۳:۸۴ تا ۹۲)

یہ آیات اس تاریخی حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت عرب لوگ، یا ان میں سے بعض لوگ مخلص اہل ایمان کی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ وہی دنیا کا مالک ہے اور سب سے عظیم ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی سوچ اور احساس کو نظر انداز کیا اور اس کے برعکس صرف ایک اللہ پر ایمان رکھنے کے بجائے دوسرے متعدد خداؤں کو مانا۔ درج بالا آیات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے'' [۲۱:۲۲] اگر کئی خدا ہوتے تو وہ یقیناً ایک دوسرے کے حریف ہوتے اور اپنی طاقت وتخلیق کی بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑتے اور ہر ایک اپنا زور چلانے کی کوشش کرتا۔ ایسی صورت میں زمین وآسمان اور ان کا یہ مرتب نظام کیسے قائم رہتا؟

کائنات اور ذی حیات مخلوقات کی نظم وترتیب ایک خدا اور اس کی قدرت پر گواہ ہے۔ کوئی فرد اگر ایک لمحہ کے لئے بھی کائنات کی اس رنگارنگی اور اس کے مختلف ومتعدد عناصر میں کارفرما نظم وترتیب پر غور کرے تو ایک سے زیادہ خداؤں کا خیال اسے فریب خالی ہی محسوس ہوگا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کائنات تباہ و برباد ہو جاتی۔ یہ آیات دوبارہ اس بات کو جتاتی ہیں کہ اللہ نے کبھی کسی کو اولاد نہیں بنایا، چاہے فرشتے

ہوں یا عیسیٰ مسیح۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے تعلقات سے بالاتر ہے۔ وہ ایک حقیقی خدا ہے جس کا موازنہ اس کی کسی مخلوق سے نہیں کیا جا سکتا۔ وہی ہے جو وہ سب کچھ جانتا ہے جو لوگوں کے علم میں ہے اور جو کچھ لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔

اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ
اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَکٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَ
لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ
اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا کَانَ اللّٰهُ
لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ؕ ثُمَّ
کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ
اللّٰهِ وَ کَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ع اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی؟ (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا وہ ان سے زور وقوت میں کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ جن لوگوں نے بُرائی کی ان کا انجام بھی بُرا ہوا اس لئے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کی ہنسی اڑاتے رہے تھے۔ اللہ ہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی اس کو پھر پیدا کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

(۳۰:۸ تا ۱۱)

کائنات کے بارے میں غور وفکر اور اس کی آگاہی سے انسان کو اس کی تعمیر وتخلیق اور اس کے نظم وربط کو سمجھنے میں مدد ملے گی، اور انسانی تاریخ کا علم فرد کو انسان کی تقدیر اور انسان کے انجام سے واقف کرائے گا۔ افراد، سماجوں، تہذیبوں اور سیاسی قوتوں کے عروج و زوال کا ایک نظام چلا آ رہا ہے۔ سماجی اور سیاسی ترقیوں اور تبدیلیوں کا بھی ایک ایسا ہی قانون ہے جیسا کہ کائنات وحیات کے نظم میں موجود ہے [۳:۲۶ تا ۲۷]۔

جس کسی کے پاس بھی کوئی اقتدار یا کوئی موقع ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ اسے یہ چیز دنیا میں اللہ کے قانون کے تحت ملی ہوئی ہے [۳:۲۶؛ ۷:۱۲۸ تا ۱۲۹؛ ۲۱:۱۰۵؛ ۲۲:۴۰ تا ۴۱؛ ۲۴:۵۵؛ ۴۷:۳۸]۔ ہر ایک کو اس دنیا میں اپنی طاقت واقتدار کے صحیح یا غلط استعمال کا نتیجہ دیکھنا ہوگا کیوں کہ اللہ کا جو قانون انسانی سماجوں پر چلتا ہے وہ یہ ہے کہ "جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان کا انجام بھی بُرا ہے" [۳۰:۱۰] اور یہ کہ جب لوگ اپنی سمجھ اور شعور کو استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اللہ کی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہیں تو وہ خود اپنی تباہی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ انہیں اپنے کاموں کا بدلہ آخرت میں ملے گا جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرے گا اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا اور صحیح صحیح بدلہ دے گا، اور جب سب لوگ یہ دیکھ لیں گے کہ " اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے" [۳۰:۹]۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ
لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ
تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ
تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ
لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ
اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ
ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ
يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ
مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا
دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ
لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ
هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ
عَلَيْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

توجس وقت تم کو شام ہو اور جس وقت صبح ہو اللہ کی تسبیح کرو (یعنی نماز پڑھو)۔ اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر بھی اور جب دوپہر ہو (اُس وقت بھی نماز پڑھا کرو)۔ وہی زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے اور (وہی) مُردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور (وہی) زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (دوبارہ زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی، جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہلِ دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اُس کے فضل کا تلاش کرنا، جو لوگ سنتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ تم کو خوف اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد زندہ (وشاداب) کر دیتا ہے، عقل والوں کیلئے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تم کو زمین میں سے (نکلنے کے لئے) آواز دے گا تو تم جھٹ نکل پڑو گے۔ اور آسمانوں اور زمین میں (جتنے فرشتے اور انسان وغیرہ ہیں) اُسی کے (مملوک) ہیں (اور) سب اُس کے فرمانبردار ہیں۔ اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اُسے بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان بہت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن لونڈی (غلاموں) کے تم مالک ہو وہ

شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ
كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
یَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ
عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ
نّٰصِرِیْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ
اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ
اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙۗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ ۙۗ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ
لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿٣١﴾ ۙ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا
دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ
فَرِحُوْنَ ﴿٣٢﴾

اس (مال) میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے، کیا تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ مگر ظالم لوگ بغیر سمجھے بوجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، تو جس کو اللہ گمراہ کردے اُسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اُن کا کوئی مددگار نہیں۔ تو تم ایک طرف کے ہو کر دینِ (الٰہی کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (مومنو!) اُسی (اللہ) کی طرف رجوع کئے رہو اور اُس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا۔ (اور نہ) ان لوگوں میں (ہونا) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور (خود) فرقے فرقے ہوگئے کہ سب فرقے اُسی سے خوش ہیں جو اُن کے پاس ہے۔ (۳۰:۱۷ تا ۳۲)

ایک ایسا انسان جس کے پاس فکر و فہم کی صلاحیت ہو اسے اپنے شب و روز کے واقعات پر غور کرنا چاہئے۔ صبح کو نیند سے بیدار ہونے سے لے کر دوپہر تک اور پھر رات کو سونے کے لئے آنکھیں بند کر لینے تک اس کے لئے سوچنے اور غور کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ روزانہ پانچ وقت کی لازمی عبادت کا سلسلہ جو صبح سے لے کر رات تک پورے دن پر محیط ہے مومن کو وقت کی مخصوص ساعتوں کو دھیان میں رکھنے میں مدد دیتا ہے اور اپنے رب عظیم کو یاد رکھنے کا ایک وسیلہ ہے وہ رب عظیم جو کائنات اور خود انسان کے اپنے اندر ہونے والی ترقیوں اور تبدیلیوں سے ماوراء ہے۔ یہ آیات انسان کی دن بھر کی سرگرمیوں یعنی روزی حاصل کرنے اور نیند لے کر سکون حاصل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے زندگی کے پورے منظر نامہ پر توجہ مرکوز کراتی ہیں، خاص طور سے انسانی زندگی پر اور بالعموم تمام مخلوقات کی زندگی پر، جو ایک محدود مدت تک برقرار رہتی ہے اور جو جاندار و بے جان چیزوں کے درمیان تعامل سے جاری اور ساری ہے۔

جہاں تک انسانی زندگی کا سوال ہے تو وہ وجود میں مٹی سے آئی ہے لیکن دو مختلف صنفوں کے تخلیقی عمل اور ان کے درمیان باہمی کشش سے فروغ پاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور محبت و رحمت کا مرکب ہے۔ ازدواجی تعلق کے نتیجے میں اور زمین پر پھیل جانے کی وجہ سے نسل انسانی کی زبانیں اور رنگ وغیرہ مختلف ہوگئے لیکن انسان کا جوہر اور اس کی لیاقتیں و صلاحیتیں یکساں ہی ہیں۔ ہر زبان، ثقافت، نسلی خصوصیات اور رنگ و روپ لگاتار بدلتے رہتے ہیں جن کی بدولت نئے اور الگ الگ طبقے وجود میں آتے رہتے ہیں، لیکن یہ نسل انسانی اور اس کا وجود پوری کائنات کا محض ایک جز ہے ”آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“ [۴۰:۵۷]۔ لہٰذا آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور کائنات کے نظم و ترتیب میں اللہ کی نشانیاں اور کرشمے اوپر کی آیات

میں اجاگر کئے گئے ہیں اور خاص طور سے پانی کے برسنے ، بجلی کے چمکنے اور زندگی پر ان کے اثرات کا حوالہ دیا گیا ہے[۳۰:۱۷تا۱۹، ۲۴]۔کائنات اور زندگی کے ان حقائق پر غور کرنے سے، ان آیات کا یہ پیغام سامنے آتا ہے کہ موت کے بعد زندگی دینا اللہ کی قدرت میں ہے اور انسان کے لئے اس کو ماننا کوئی بڑی بات نہیں کیوں کہ ایسا کرنا، پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت آسان بات ہے۔ یہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو یہ سب کرنے کی قدرت رکھتی ہے اور اس نظام میں اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے برقرار رکھنے کی طاقت بھی اس کے پاس ہے۔ آخر اس قادر مطلق خدا کے ساتھ اس کی کچھ مخلوقات کو کیسے شریک کیا جا سکتا ہے جب کہ کوئی بھی اپنے کسی ماتحت کو برابر کے اختیارات دے کر اپنے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ ایک اللہ پر ایمان اور اس کے دین کو اپنانا انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور اس کو برتنا انسان کے بس میں ہے۔ اللہ کے دین سے اعراض کرنا جو کہ انسانی فطرت اور کائنات کے نظام سے مکمل ہم آہنگ ہے، انتشار اور ٹکراؤ کا باعث بنتا ہے کیوں کہ پھر ہر طبقہ اور گروہ خود پرستی اور خودغرضی پر مبنی اپنی متنازعہ خواہشات اور متضاد نظریات پر جمے گا اور کوئی بھی گروہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کی صفت کے مطابق موقف نہیں اپنائے گا بلکہ اس کے بجائے گروہ بندی ہوگی اور اپنے اپنے مفادات پر اصرار ہوگا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝١٠ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝١١

اُسی نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تاکہ تم کو ہلا نہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے اور ہم ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر (اُس سے) اس میں ہر قسم کی نفیس چیزیں اگائیں۔ یہ تو اللہ کی پیدائش ہے تو مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو لوگ ہیں اُنہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں۔

(۳۱:۱۰تا۱۱)

یہ آیات قاری کی توجہ مخلوق سے خالق کی طرف کراتے ہوئے اس عظیم خلا پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں جس میں بے شمار ستارے اور سیارے ہیں جو سب کے سب اللہ کے قوانین سے بندھے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ کوئی نظر آنے والا سہارا بھی موجود نہیں ہے، زمین اپنے محور پر تیز رفتاری کے ساتھ گھوم رہی ہے اور پھر بھی اس کا توازن حیرت انگریز طریقے سے قائم ہے اور زندگی کے متعدد و مختلف مظاہر اس پر موجود ہیں، پانی برسنے کا عمل اور اس کے نتیجے میں نباتات کا اگنا اور مختلف قسم کے پیڑ پودوں و مخلوقات کا پنپنا۔ یہ سب کی سب اللہ کی تخلیق ہے، اس کے علاوہ کون سے خدا ہیں جو یہ سب پیدا کر سکتے ہیں؟ کائنات کی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس کا مرتب و مربوط نظام برقرار رکھنا بھی اللہ کی شان ہے اور زندگی کو وجود بخشنے کے ساتھ ساتھ اس کا پیداواری عمل جاری رکھنا بھی اللہ کا کارنامہ ہے۔ کائنات کا نظم و ربط اور اس کی حرکت پزیری، خودکار طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کرنا، اور زندگی کا تسلسل، خودکار طریقے سے پیداواری عمل کا جاری رہنا یہ سب کچھ اس کائنات کے خالق کی یکتائی اور قدرت مطلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں‘‘۔۔۔کیا تو (اللہ) الرحمن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟‘‘[۶۷:۳]

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي
الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ
مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى
وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ
كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں (جب کہ) نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)۔ (۳۱:۲۰ تا ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے اطراف کارفرما فطری قوتوں پر قابو پانے کے لئے جسمانی، عقلی اور نفسیاتی و روحانی لیاقتیں فراہم کی ہیں چاہے یہ فطری قوتیں کتنی ہی پرزور اور پے چیدہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، جہاں بھی ہم ہوں، اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے وہ ہمارے اندر اور باہر سب جگہ ہے۔ کبھی ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل کو محسوس کر لیتے ہیں اور اس کا ادراک کر لیتے ہیں اور کبھی ہم نہیں سمجھ پاتے اور نہیں محسوس کر پاتے۔ لیکن ایسے بھی لوگ ہیں جو خود اپنے علم سے بے خبر رہتے ہیں اور اور رہنمائی کے لئے دوسروں کی مدد نہیں لیتے؛ وہ خود کو اللہ کے نور سے محروم رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کے منکر ہیں، چاہے یہ لوگ پہلے رہے ہوں یا آج پائے جاتے ہوں، لیکن کائنات کی تخلیق اور اس کے قوانین اور نظم وضبط کی اور اس میں زندگی کے وجود و ارتقاء کی اس سے زیادہ قائل کن اور قابل قبول تعبیر پیش نہیں کر سکتے۔ وہ ارتقاء جو ہر مخلوق میں جاری ہے اور ایک دن تھم جائے گا اور ان کی زندگی بالآخر فنا ہو جائے گی۔ یہ لوگ کائنات کے اصل عامل اور اصل غایت کے بارے میں مجہولانہ اور مبہم و مشکوک انداز میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ جب کہ اپنی تخلیق کے بارے میں اللہ کا علم پوری طرح درست اور عقل کے لئے قابل قبول ہے۔ اور اللہ کی قدرت اور اس کا اختیار لامحدود ہے،'' میں نے اُن کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود اُن کے پیدا کرنے کے وقت'' [۱۸:۵۱]۔ ملحد لوگ اللہ پر ایمان کے بالمقابل یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ نہیں ہے لیکن اس دعوے کے نفسیاتی اور فلسفیانہ عناصر کو اس سے الگ نہیں کرتے۔ حالانکہ جن لوگوں نے ماضی میں ہٹ دھرمی کے ساتھ حق کا انکار کیا وہ محض اپنے آباؤ اجداد کی روایتوں کو پکڑے ہوئے تھے اس کے بغیر کہ ان پرانی روایتوں پر نئے سرے سے کوئی غور کرتے اور ان کا جائزہ لیتے۔ وہ اس خیال پر بے سوچے سمجھے جمے رہے کہ ایسا کرنا اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں سے ہٹنا ہوگا، حالانکہ وہ اندھے بن کر جن برائیوں کی تقلید کرتے آ رہے ہیں ان کا نقصان اپنی ذات کو پہنچا رہے ہیں، جو ان کے سامنے اس دنیا میں بھی آتا ہے اور آخرت میں بھی آئے گا۔

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ

(اللہ کو) تمہارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو

الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾ ع

(تمہارے) زیرِ فرماں کر رکھا ہے ہر ایک، ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی ذات برحق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ لغو ہیں اور یہ کہ اللہ ہی عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ (۳۱:۲۸ تا ۳۰)

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی لامحدودیت کے سامنے تمام انسانوں کا پیدا ہونا اور فنا ہو کر دوبارہ اٹھایا جانا محض ایک ذی روح کو پیدا کرنے جیسا ہے۔ البتہ کثیر التعداد لوگوں کو ایک ساتھ جلا اٹھانے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر فرد کی فرداً فرداً جواب دہی اور فیصلہ کی اہمیت کو کم کر کے دیکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ دن کے اوقات الگ الگ مقامات پر ان کے عرض البلد کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ رات و دن کا وقفہ الگ الگ مقامات پر زمین پر ان کے طول البلد اور سورج کے ساتھ بننے والے زاویہ کے لحاظ سے الگ الگ ہوتا ہے۔ سورج اور چاند دونوں اللہ کے بنائے ہوئے ضابطے پر چلتے ہیں اور اپنے متعین وقت پر نکلتے وڈوبتے ہیں: نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں' [۳۶:۴۰]۔

کائنات میں یہ حیرت انگیز رنگا رنگی، پیچیدگی اور درجہ بندی مجموعی طور پر ایک کامل و مکمل نظام سے مربوط اور ہم آہنگ ہے اور یہ نظام باہمی طور پر مربوط ضابطوں اور نظم و ترتیب کے ساتھ بے عیب طریقے سے جاری ہے، جو ایک برحق اور کبھی فنا نہ ہونے والی ذات یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود پر گواہی دیتا ہے، جس کے ساتھ کسی کو شریک کرنا یا اس کے برابر قرار دینا صرف ایک جھوٹ اور دھوکا ہے۔ وہ اکیلا ہی فضل و شرف رکھنے والا اعلیٰ اور عظیم رب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ
وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ؗ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ
شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا ٚ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٣٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا
فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ
وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿٣٤﴾ ع

لوگو! اپنے رب! سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اُسے موت آئے گی، بے شک اللہ ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے۔ (۳۱:۳۳ تا ۳۴)

اوپر منقول آیتوں میں سے پہلی آیت میں تاکید کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ افراد کے ساتھ انصاف کس طرح کرے گا۔ اس دن کوئی فرد کسی کے کچھ کام نہ آئے گا، چاہے وہ اس دنیا میں ایک دوسرے کے کتنے ہی قریب رہے ہوں اور ان میں کتنی ہی محبت رہی ہو۔ یہاں تک کہ والدین بھی اپنی اولاد کے لئے یا اولاد والدین کے لئے کچھ نہیں کرسکے گی۔ ہر ایک کا فیصلہ ذاتی طور پر ہوگا اور جو کچھ اس نے اس دنیا میں کیا ہوگا اسی کی بنیاد پر ہوگا۔

اس دنیا کی زندگی اور اس کی رنگینیاں شیطان کی ترغیبات اور ہماری انسانی کمزوریوں وکم نظری کی وجہ سے ہمیں فریب دے سکتی ہیں، یوم حشر اور آخرت کی زندگی کو ہمارے ذہن سے محو کرسکتی ہیں، لیکن آنے والے وقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقینی طور سے پورا ہو کر رہے گا۔ اس دنیا میں کسی کا آخری دن آج یا کل کسی بھی وقت اچانک آسکتا ہے لیکن کب آئے گا کوئی کبھی نہیں کہہ سکتا۔

آخری آیت میں جامع طور پر اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی کچھ نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ یہ وہ ہی جانتا ہے کہ اس دنیا کا خاتمہ کب ہوگا اور وہی ہے جو کائنات میں کارفرما اپنے قوانین کے واسطے سے ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جن سے زمین پر پانی برستا ہے اور تمام مخلوقات کو زندگی کی توانائیاں ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا پل رہا ہے، صرف اتنا ہی نہیں کہ جنین کیسا ہے اور اس کی صنف کیا ہے، بلکہ یہ بھی کہ اس کی جینیاتی خصوصیات کیا ہوں گی۔ وہ پلنے والے جنین میں پوشیدہ عقلی اور نفسیاتی وروحانی قوتوں کو جانتا ہے جو اس کے اندر پیوست کی گئی ہیں، اور یہ کہ رحم میں جو کچھ پل رہا ہے وہ آئندہ پیدا ہوگا بھی یا نہیں یا یہ کہ وہ صحت مند زندگی جئے گا یا نہیں، اور اس معصوم وجود میں آئندہ کتنا اور کیسا ارتقاء جاری رہے گا۔ انسانی زندگی میں بہت سے داخلی اور باہری عناصر کا دخل ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے تعامل کرتے ہیں، لیکن اس تعامل سے آخر کار کیا کچھ ظہور میں آئے گا اس کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ اس میں کسی بھی لمحہ غیر متوقع طور پر کوئی بھی مادی یا روحانی ارتقاء ہوسکتا ہے یا اس کے برعکس نقصان ہوسکتا ہے۔ مختلف قسم کے حادثات، بغیر کسی پیش گوئی کے، انسان کی زندگی میں جانے یا انجانے اسباب سے آجاتے ہیں اور کسی بھی سبب سے اس کی موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔ انسان کو کسی بھی سفر میں کہیں پر بھی موت آسکتی ہے۔ یہ صرف اللہ ہی ہے جو سب کچھ جانتا اور ہر ایک بات سے باخبر ہے چاہے وہ گزرے ہوئے وقت کی ہو، موجودہ وقت کی ہو یا آنے والے وقت کی ہو، اور کسی بھی انسان کو ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیوں کہ اس کی گہرائیوں کا علم انسان کو نہیں ہوتا، ''اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے'' [۱۷:۸۵]۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ
اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ
لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾
قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ
الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ
شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَ مَاۤ

پوچھو کہ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہو کہ اللہ اور ہم یا تم (یا تو) سیدھے رستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔ کہہ دو کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی ہم سے پرسش ہوگی۔ کہہ دو کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا اور صاحبِ علم ہے۔ کہو کہ مجھے وہ لوگ تو دکھاؤ جن کو تم نے شریک (الٰہی) بنا کر اس کے ساتھ ملا رکھا ہے، کوئی نہیں بلکہ وہی (اکیلا) اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اور (اے محمد ﷺ!)

اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا وَّ لٰكِنَّ
اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَ يَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا
الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلۡ لَّكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ
لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب وقوع میں آئے گا؟ کہہ دو کہ تم سے ایک دن کا وعدہ ہے جس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہو گے نہ آگے بڑھو گے۔ (۳۴:۲۸ تا ۳۰)

یہ اسلام کے بنیادی عقیدے سے متعلق ایک اور قرآنی بیان ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ احد ہے کوئی اس کا شریک یا اس جیسا نہیں ہے، اس کے علاوہ کوئی آقا اور پروردگار نہیں ہے اور یہ کہ ہر فرد خود اپنی جگہ ذمہ دار اور جواب دہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یقینی اور قطعی ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا اور اس کا وقت نہ تو آگے بڑھایا جا سکتا ہے، نہ پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے۔

یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ان آیات میں ذکر کردہ باتوں کو قرآن کس طرح معروضی انداز سے اور غیر جانب دار اسلوب میں پیش کرتا ہے۔ اس طرح کا مکالمہ گویا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو خدائی میں شریک کرنے والوں کے درمیان بحث ہو رہی ہو۔ استدلال کی معروضیت کو بنائے رکھنے کے لئے شروع میں ایسا کچھ نہیں کہا گیا کہ کون سا فریق حق پر ہے اور کون غلطی پر۔ اتنے اہم موضوعات پر استدلال کرنے کے لئے کتنی زبردست تعلیم ان آیات میں ملتی ہے۔

آیت ۲۸ میں اسلام کے پیغام کی آفاقیت بتائی گئی ہے۔ یہ کسی خاص خاندان، قبیلے، یا قوم کے لئے نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے یہ اللہ کی ہدایت پر چلنے والوں کو دنیا اور آخرت میں اچھے انجام کی خوشخبری سناتا ہے، جب کہ ان لوگوں کو متنبہ کرتا ہے جو حق و صداقت اور سیدھے راستے کا انکار کرتے یا اس سے منحرف ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کے اپنے فیصلہ اور اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے، کسی حد تک اس زندگی میں، اور پوری طرح ان کا فیصلہ اور صلہ آنے والی زندگی میں سامنے آئے گا جو یقینی طور سے اپنے وقت پر آئے گی جو وقت اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے اور کوئی بھی اسے ایک لمحہ کے لئے موخر یا مقدم نہیں کر سکتا۔ اس زندگی میں ہر ایک کے لئے موقع ہے کہ وہ صحیح کام کرے یعنی صالح اعمال انجام دے، برائی اور برے اعمال سے بچے، اور اس طرح پوری انسانی زندگی میں اچھے انجام کی بشارت دو مرحلوں میں پوری ہوگی: ایک تو موجودہ عبوری زندگی میں اور دوسری بار آنے والی ابدی زندگی میں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ
الۡحَمِيۡدُ ﴿۱۵﴾ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ
جَدِيۡدٍ ۚ﴿۱۶﴾ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَ اِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا
يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَىۡءٌ وَّ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ؕ اِنَّمَا تُنۡذِرُ
الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنۡ
تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۸﴾ وَ مَا

لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ سزاوار حمد (وثنا) ہے۔ اگر چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے۔ اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔ (اے پیغمبر!) تم انہی لوگوں کو نصیحت کر سکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے تو اپنے ہی لئے پاک ہوتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ۱۹ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا
النُّوْرُ ۙ۲۰ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ۚ۲۱ وَ مَا يَسْتَوِي
الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ
اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۲۲ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۲۳
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا
خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۲۴ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ
بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۲۵ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۲۶ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ
مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ
غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۲۷ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ
الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۲۸

ہے۔ اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی۔ اور نہ سایہ اور دھوپ۔ اور نہ زندہ اور مُردہ برابر ہو سکتے ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔ تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آتے رہے۔ پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہوا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں، اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں بے شک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (۳۵:۱۵ تا ۲۸)

اللہ پر ایمان انسان کی خود اپنی ضرورت ہے کیوں کہ ہر فرد کو غرور اور احساس برتری میں مبتلا ہونے سے روکنے کے لئے اور دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھنے سے بچنے کے لئے اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ پر ایمان انسان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں مساوات اور توازن کو پیوست کرتا ہے۔ لیکن اللہ کو انسان کی ضرورت نہیں ہے، البتہ وہ انسان سمیت اپنی تمام مخلوقات کو سہارا اور مدد دیتا ہے اور اپنی مہربانی سے بغیر کسی شرط کے: ''تمہارے رب کی بخشش سے، ہم ان کو (جو آخرت میں بھلائی مانگتے ہیں لیکن اس زندگی میں بھلائی سے دور رہتے ہیں) اور ان سب کو (جو صرف اسی زندگی کی فوری حاصل ہونے والی مسرتیں طلب کرتے ہیں) مدد دیتے ہیں اور تمہارے رب کا فضل کسی سے رُکا ہوا نہیں ہے'' [۳۵:۱۵ تا ۲۸]۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے ساتھ مہربانی اور رحمت سے پیش آتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ایسے کسی بھی انسان یا انسانی سماج کو محروم کر سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کا انکار کرے اور خود کو درست نہ کرے۔ اس دنیا میں تو لوگوں کو آزمایا جا رہا ہے کیوں کہ انہیں جو چاہیں وہ کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ کوئی فرد یا سماج راست بازی یا خطا کاری جو کچھ بھی اختیار کرے گا اس کے نتائج اس دنیا میں بھی اس کے سامنے آ سکتے ہیں لیکن پورا پورا انصاف دائمی زندگی میں ملے گا جو اس گزرتی ہوئی زندگی کے بعد یقینی طور سے ملنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حتمی فیصلے اور دائمی انصاف میں جو کہ رحمت پر مبنی ہوگا، ہر ایک اپنے کئے کاموں کے لئے جواب دہ ہوگا اور کسی بھی طرح اپنی ذمہ داری سے بچ نہیں سکے گا اور نہ اپنا بوجھ کسی اور کے کاندھوں پر رکھ سکے گا۔

اللہ نے اس دنیا میں انسانوں کے لئے جو پیغام اتارا ہے اس میں اچھائی اور برائی، روشنی اور اندھیرا، اور زندگی و موت ایک

دوسرے سے ممتاز ہیں۔فطرت میں اور خود انسانوں کے اپنے درمیان رنگ وروپ میں تنوع پایا جاتا ہے،لیکن علم رکھنے والا آدمی اس ظاہری تنوع کی گہرائی میں جا کر یہ سمجھ سکتا ہے کہ فطرت اور انسانوں کے درمیان یہ تنوع اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے قوانین کے تحت کس طرح سے ایک ہم آہنگ اور باہمی تعامل پر مبنی نظام کا حصہ ہے۔وہ علم کتنا عظیم ہے جو انسان کو خالق کے بارے میں غور وفکر کی ترغیب دے اور اس کے لئے رہنمائی کرے۔

پتھروں، دھاتوں، پیڑ پودھوں اور جانوروں کے مختلف رنگ وروپ اور فطرت کے مختلف عناصر کے درمیان تعامل کتنا دلچسپ ہے۔سورج کی گرمی زمین پر پانی کو بھانپ بنا کر اڑانے کا کام کرتی ہے،اور ہوائیں اور پہاڑوں کی موجودگی بادلوں کو بناتی اور ان سے پانی برسانے کا کام کرتی ہے جس سے زمین کے ان خطوں میں زندگی سیراب ہوتی ہے جہاں پانی کے وسائل نہیں ہیں۔اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کرنا اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرنا، بظاہر فرق واختلاف کے ہوتے ہوئے بھی، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کائنات میں مختلف عناصر اور کارفرما قوتیں کتنی منظم اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔اور یہ کہ اللہ کا نظام طبیعاتی اور حیاتیاتی لحاظ سے کتنا نفیس ہے۔

جو لوگ حقیقی علم کی جستجو میں رہتے ہیں وہ فطرت کے نظاروں کو ظاہری طور سے دیکھنے تک خود کو محدود نہیں رکھتے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے مجموعی نظام پر غور کرتے ہیں اور اس طرح انہیں ایک وسیع مطمحِ نظر حاصل ہوتا ہے اور کائنات واس کے مختلف عناصر کے درمیان باہمی تعلق کا گہرا علم انہیں حاصل ہوتا ہے،اور وہ اللہ کی قدرت کاملہ کا فہم حاصل کرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

ایسے ٹھوس اور گہرے علم کی روشنی میں روحانی انفرادیت،فرق واختلاف اور درجہ بندی طبیعاتی اور حیاتیاتی دائروں سے کہیں زیادہ وسیع تناظر میں نظر آتی ہے۔اس کے باوجود ایک عمومی ترتیب اور عام ضابطے بھی اپنی جگہ موجود ہیں۔جو لوگ جانتے اور یقین رکھتے ہیں وہ اس رنگا رنگی میں مضمر حقیقت وصداقت کو پالیتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقی علم رکھتے ہیں اور مفروضات پر نہیں چلتے اور اس بات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں کہ خالق کائنات کتنی عظیم اور کتنی حکیم ہستی ہے،اور یہ لوگ دل ودماغ کی گہرائیوں سے اس کی قدرت، ربوبیت اور رحمت کو محسوس کر لیتے ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝	جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔ (۴۲:۲۰)

جو لوگ محض اس دنیا کے مادی فوائد اور راحتیں حاصل کرنے کے لیے محنت ومشقت کرتے ہیں تو اس دنیا میں کارفرما اللہ کی منشاء اور اس کے ضابطے انہیں ان کی جستجو اور محنت کا صلہ پانے میں مدد دیتے ہیں خواہ ان کے عقائد اور اعمال کیسے ہی کچھ ہوں۔لیکن ایسا شخص دنیا کی اس زندگی میں محض مادی اور اخلاقی لحاظ سے اچھے لگنے والے کاموں کے صلہ کے طور پر اچھے انسانی تعلقات کی برکتیں اور نعمتیں حاصل کرنے سے محروم رہے گا اور آخرت کی زندگی میں اس سے کہیں زیادہ خسارہ دیکھے گا جو کہ اس عارضی زندگی کے بعد یقینی طور سے شروع ہوگی۔یہ برکتیں اور نعمتیں تو انہی لوگوں کو حاصل ہوں گی جو آخرت کے لئے کام کرتے ہیں اور اپنے اس اصل مطلوب کو پانے کے لئے روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اس دنیا میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔[مزید دیکھیں:۱۱:۱۵ تا ۱۶؛ ۱۷:۱۸ تا ۲۱]،اور اس طرح دونوں جہاں

میں اس کا بہترین صلہ پاتے ہیں[۲:۲۰۱؛ ۳:۱۴۸؛ ۷:۱۵۶؛ ۱۰:۶۴؛ ۱۶:۲۲؛ ۲۸:۷۷؛ ۲۹:۲۷]۔

اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ
مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّ مَا لَکُمۡ مِّنۡ
نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ؕ
اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا
رَحۡمَۃً فَرِحَ بِہَا ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌۢ بِمَا
قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰہِ مُلۡکُ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنۡ
یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿ۙ۴۹﴾ اَوۡ
یُزَوِّجُہُمۡ ذُکۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ
عَقِیۡمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾

(ان سے کہہ دو کہ) قبل اس کے کہ وہ دن جو ٹلے گا نہیں اللہ کی طرف سے آ موجود ہو اپنے پروردگار کا حکم قبول کرو اس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تم سے گناہوں کا انکار ہی بن پڑے گا۔ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کو انہی کے اعمال کے سبب کوئی سختی پہنچتی ہے تو (سب احسانوں کو بھول جاتے ہیں) بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ (تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، وہ تو جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔
(۴۲:۴۷ تا ۵۰)

فیصلہ کا دن یقینی طور سے آئے گا، اور اپنی جواب دہی سے یا اللہ کے فیصلے سے کوئی بچ نہیں سکے گا، نہ کہیں پناہ لے سکے گا، اور دنیا میں جو کچھ اس نے کیا ہوگا اس سے انکار کرنے کا کوئی موقع اسے نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو مستقبل کے بارے میں خبردار کرتا ہے، لیکن پیغمبر اور رسول کا کام صرف خبردار کرنا اور اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، دل و دماغ کو جھنجھوڑنا اور حق و صداقت کی طرف متوجہ کرنا ہے، ان کا کام کسی پر ہدایت کو تھوپنا نہیں ہے، نہ کسی کو مجبور کرنا ہے کیوں کہ ہر فرد کو عقل و سمجھ اور ارادے و پسند کی آزادی دی گئی ہے۔

یہ آیات ہمیں یہ بھی یاد دلاتی ہیں کہ انسان اکثر اوقات کم نظر اور ناعاقبت اندیش ہوتا ہے اور اپنے موڈ میں مبتلا ہوتا ہے، اور وقتی لذت، غیظ و غضب اور ناشکری کی طرف مائل رہتا ہے۔ لیکن گہرے غور و فکر اور علم کی بدولت انسان اپنی کمزوریوں پر قابو پا سکتا ہے۔ اللہ کی تخلیق اور اس میں کارفرما قوانین و نظام کا صدق دلی سے مشاہدہ کرنے اور تفکر و تدبر سے کام لینے سے انسان کا دل اور دماغ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کو جان سکتا ہے۔ تولید نسل سے اس دنیا میں حیرت انگیز طریقے سے انسانی نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس سے خاندان اور سماج پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کا تناسب خاندان اور سماج دونوں میں مختلف نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ جس جوڑے کے پاس کوئی بچہ نہیں ہوتا اسے گہرے آپسی تعلق کا موقع ملا ہوتا ہے اور وقت کی نعمت اسے حاصل ہوتی ہے، اور جو کچھ ان کے پاس نہیں ہے اس کی کمی وہ اس طرح پورے کر سکتے ہیں کہ خاندان یا سماج کے بچوں یا کسی بھی بچے کو شفقت و محبت سے پالیں۔ اللہ پر ایمان بندے کو تنگ نظری سے پیدا ہونی والی مشکلات سے نکال کر زندگی کی لامحدود وسعتوں کی طرف اور اجتماعیت کی برکتوں کی طرف لے جاتا ہے۔

بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَ لَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰی مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَیۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُكَذِّبِیۡنَ ﴿۲۵﴾

بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم تم سے پہلے کسی بستی میں ہم نے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا مگر (یہ کہ) وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم انہی کے پیچھے چلتے ہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ جس رستے پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہ اس سے کہیں سیدھا رستہ دکھاتا ہو، تو وہ کہنے لگے کہ جو (دین) تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ پس ہم نے ان سے انتقام لیا، سو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔
(۲۲:۴۳ تا ۲۵)

گزشتہ کئی آیات میں انسانوں کی توجہ اللہ کی کائنات یا انسان سمیت جملہ تخلیقات اور ان میں کارفرما اللہ کے ضابطوں، نظم، تعامل اور ربط وارتباط پر دلانے کے بعد یہاں قرآن ان لوگوں سے حجت کرتا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت کو تکبر کے ساتھ مسترد کر دیتے ہیں۔ کیا یہ مخلوقات بغیر کسی چیز کے پیدا ہو گئیں، یا بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو گئیں، یا بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دی گئیں؟ کیا یہ سب کسی حادثہ کے نتیجہ میں نمودار ہو گئیں؟ کیا یہ خود بہ خود بن گئیں؟ ایک اللہ کا انکار کرنے والے لوگ تخلیق کائنات کے بارے میں ایک حکیم اور قادر مطلق خالق کے وجود کو تسلیم کرنے کے نظریہ کے بالمقابل کوئی دوسرا ایسا خیال پیش نہیں کر سکتے جو خود ان کے اپنے یا دوسروں کے لئے اس سے زیادہ قابل فہم اور قابل قبول ہو۔ وہ لوگ تو اللہ کے پیغمبروں سے متواتر یہی حجت کرتے رہے کہ وہ اسی کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے باپ دادا کرتے آئے ہیں اور مانتے آئے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ جو کچھ ہوتا آیا ہے۔ یہ لوگ سماجی زندگی میں اور عقیدے کے معاملے میں جوں کی توں حالت کو بنائے رکھنے کے قائل ہیں اور کسی تبدیلی کے خلاف ہیں، کیوں کہ وہ ایک پرآسائش زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اور اس دنیا کی لذتوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ناعاقبت اندیشی، خود پسندی اور مادیت کی طرف مائل ذہن خود اپنی تباہی کا سامان بنتے ہیں۔ یہ خود غرض اور مادہ پرست خود کو زندگی کے اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں پاتے اور اس کے تضادات کے ساتھ خود کو ڈھالنے کے اہل نہیں ہوتے اور بدلتے ہوئے حالات میں صبر واستقامت اور اپنی افزائش کی صلاحیت کو برقرار رکھنے کی خوبی نہیں رکھتے، اور اس طرح وہ طویل عرصہ تک زندہ رہنے سے قاصر ہیں۔

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾ وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ﴿۸﴾ وَ اَقِیۡمُوا

(اللہ جو) نہایت مہربان۔ اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔ اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ کہ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝٩ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝١٠ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝١١ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝١٣

تول کم مت کرو۔اور اسی نے خلقت کے لئے زمین بچھائی۔اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔اور اناج جس کے ساتھ بھُس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔تو (اے گروہِ جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۵:۱ تا ۱۳)

اس سورۃ کے مضامین اور اسلوب سے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ یہ سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی ہے لیکن قدیم مفسرین میں سے بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔اس سورۃ کے مندرجات میں اور اس کے انداز میں ایک اللہ پر ایمان کا ایک شاندار قرآنی بیانیہ دیکھا جاسکتا ہے۔اس اللہ پر ایمان کا جس کا اپنی مخلوق کے ساتھ تعلق رحمت وفضل پر مبنی ہے، یہ اللہ کی وہ خاص صفت ہے جس کے اظہار کے ساتھ یہ سورۃ شروع ہوتی ہے اور وہی اس سورۃ کا نام بھی ہے، یعنی ''الرحمٰن''۔ یہ آیات قرآن کے نزول اور انسان وکائنات کی تخلیق کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ ان آیات میں ایک قافیہ بندی اور باہمی تعلق ہے۔سورج وچاند اور دوسرے ستاروں کی اپنے اپنے مدار میں گردش اور خلا کی موجودگی اور مختلف پودوں جیسے اناج، پھل، کھجوریں، پھولوں وغیرہ کی نشوونما لگے بندھے حساب کتاب، مقررہ ضابطوں اور مکمل ہم آہنگی پر مبنی ہے؛ مثال کے طور پر، نہ سورج چاند سے آگے نکل سکتا ہے، نہ رات دن کے اوقات کو کم کرسکتی ہے، کیوں کہ ہر ایک ستارے یا سیارے کی گردش اس کے اپنے مدار میں ہے[۳۶:۴۰]، ''اور ہم نے ہر چیز کو اس (زمین) پر اگایا ایک متوازن طریقے سے''[۱۵:۱۹]۔اس طرح کا حساب، ضابطے اور ہم آہنگی انسان کی صفات میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، چاہے وہ روحانی صفات ہوں، عقلی ہوں، جسمانی ہوں یا طبیعاتی ہوں؛ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے''[۹۵:۴]۔قرآن انسان کو یہ بتاتا ہے کہ اپنی ذات کے اندر، دوسرے انسانوں کے ساتھ، اور کائنات کے ساتھ ہم آہنگی کیسے رکھی جائے: ''تو تم ایک طرف کے ہوکر دینِ (الٰہی کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ''[۳۰:۳۰]۔ پوری کائنات اپنے مختلف اجزاء اور مظاہر کے ساتھ، کسے ہوئے قوانین سے بندھی ہوئی ہے۔یہ قوانین ایک دوسرے سے مل کر اس نظام اور توازن کو بنائے ہوئے ہیں، جو اللہ کی قدرت اور حکمت کو اور مخلوقات کے ساتھ اس کی رحمت وکرم کو ظاہر کرتے ہیں۔خاص طور سے انسان کے معاملے میں مختلف طاقتوں کا ایک توازن بنا ہوا ہے جو فرد کے اندر بھی بنا رہنا چاہئے۔دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات کی برقراری میں بھی انسان کو اخلاقی اور سماجی توازن قائم رکھنا چاہئے تاکہ مناسب حدود میں رہا جائے اور ان حدود کو پار نہ کیا جائے۔سماج میں اس طرح کا توازن اور استحکام قائم کرنے اور بنائے رکھنے کے لئے مرکزی نکتہ انصاف ہے۔صحیح اور غلط کی تمیز کرنے میں افراط وتفریط سے بچنا، اور اسی کے مطابق اپنے رویہ کو متوازن رکھنا انسان کو نفسیاتی اور عملی لحاظ سے متوازن رکھتا ہے، خود اپنی ذات کے دائرے میں بھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی، جس طرح یہ کائنات اور حیات طبیعاتی نظام کی رو سے متوازن بنی ہوئی ہے۔

ابتدائی دور کے مفسرین کے مطابق سورۃ الرحمان جس میں مندرجہ بالا آیات آئی ہیں، بار بار انسانوں اور جنوں کو مخاطب کرتی ہے: آخر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ایسا لگتا ہے کہ جن اپنی خصوصیت اور کیفیت میں انسانوں سے الگ ہیں[۱۵:۲۷؛ ۵۵:۱۴ تا ۱۵]، لیکن دونوں کے پاس کچھ خاص لیاقتیں ہیں اور اسی لئے قرآن دونوں کو مخاطب کرتا ہے حالانکہ یہ مانا جاسکتا ہے کہ اس تخاطب میں دونوں کا جوابی ڈھنگ ان کی مختلف نوعیتوں کے لحاظ سے ہوگا۔لیکن مشہور مفسر قرآن الرازی نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ تکرار

کے ساتھ آنے والی آیت میں تخاطب کا یہ دوہرا انداز مردوں اور عورتوں پر منطبق ہوتا ہے، اس خیال کو محمد اسد نے ''سب سے زیادہ واضح تشریح'' قرار دیا ہے۔ یوسف علی نے لکھا ہے کہ ''پوری سورۃ ایک ہم آہنگ نغمہ ہے جو توحید کی طرف لے جاتا ہے۔۔۔ ہر شے کو ہم نے جوڑے جوڑے پیدا کیا[۵۱:۴۹، ۳۶:۳۶]۔ انصاف کا مطلب ہے دومختلف چیزوں کو متحد ہونے کے لئے رضامند کرنا اور افراط وتفریط کے درمیان عدل قائم کرنا۔ اس سورۃ میں جو تصورات اور مضامین پیش کئے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے جوڑ کر دئے گئے ہیں: مرد اور فطرت ظاہر، سورج اور چاند، پودے اور پیڑ، آسمان اور زمین، پھل اور اناج؛ انسانوں کی غذا اور جانوروں کا چارا، پہننے والی چیزیں اور خوشبو دینے والی چیزیں؛ وغیرہ وغیرہ۔ پھر انسان اور جن کا ذکر ہے۔''

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے (وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (وہی) رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ (تو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔ اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ (اس کے) پیغمبر تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اگر تم کو باور ہو تو وہ تم سے (اس کا) عہد بھی لے چکا ہے۔ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح (المطالب) آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اور بیشک اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔(۵۷:۱ تا ۹)

یہ آیات اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے علاوہ جو کہ سب کو معلوم ہیں جیسے، قدیر، علیم، حکیم، رب العالمین ۔۔۔ وغیرہ، کچھ دیگر صفات بیان کرتی ہیں۔ وہ 'اول' ہے اور 'آخر' ہے۔ یعنی محمد اسد کے الفاظ میں، اس کی ذات چوں کہ ازل سے ابد تک ہے اس لئے نہ تو کوئی اس سے پہلے تھا اور نہ اس کے لافانی وجود کے پار کسی کا وجود ہے''۔ علاوہ ازیں، ''تمام موجودات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور اس کی ہستی تمام موجودات سے بالاتر ہے، اور اسی کے ساتھ اپنی تخلیق کے ہر مظہر میں وہ جلوہ گر ہے''۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کی واقعی نوعیت اور شبیہ انسان کے حواس اور عقل میں نہیں سما سکتی اور اسے اس دنیا میں دیکھا نہیں جا سکتا [دیکھیں ۲:۵۵، ۷:۱۴۳]، لیکن اللہ تعالیٰ کی موجودگی کے قابل فہم ثبوت موجود ہیں اور یہ ہمارے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ معروف مفسر الزمخشری نے لکھا ہے، ''اللہ تعالیٰ کی موجودگی اس کی کارفرمائی کے اثرات سے ظاہر ہے، جب کہ وہ خود انسانی حواس کی پہنچ سے باہر ہے''۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں انہیں سمجھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث سے مدد ملتی ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے: ''اے اللہ سب سے پہلے آپ کی ہستی ہے، آپ سے پہلے کوئی نہیں اور سب سے آخر بھی آپ کی ہستی ہے پس آپ کے بعد کوئی نہیں، آپ ظاہر ہیں کوئی آپ سے اوپر نہیں، اور آپ پوشیدہ ہیں پس آپ سے پوشیدہ کچھ بھی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ مدتوں میں پیدا کیا، کیوں کہ لفظ ''یوم'' جو قرآن میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد عرصہ ہے اسے زمین کے چوبیس گھنٹوں پر مشتمل دن سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ ان حالات میں بے محل ہوگا جو زمین اور سورج کے تعلق سے تعبیر ہونے والے دن سے بالکل مختلف ہیں، خاص طور سے اس صورت میں کہ نظام شمسی کے وجود سے پہلے ہی اللہ نے زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق کی اور ان کی مدت چھ یوم بتائی۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن دنیا میں ہمارے دنوں کے شمار کے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہے [۲۲:۴۷]، یا پچاس ہزار سال کے بھی برابر ہو سکتا ہے [۷۰:۴]۔ یوسف علی لکھتے ہیں کہ ''کائنات کی کچھ مخصوص ظاہری شکلیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ارتقائی عمل کے چھ مرحلوں میں پوری ہوئیں۔ لیکن اس کا تخلیقی عمل ہنوز جاری ہے، اور وہ خود ساکت ہے، اور ہمیشہ ساکت رہے گا اور اپنے عرش پر متمکن رہے گا ہر چیز سے باخبر اور ہر معاملے میں رہنمائی دینے والا''۔ زمین پر جو کچھ بھی ہے اللہ اسے جانتا ہے، اور جو کچھ زمین کے اندر اور آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اسے بھی جانتا ہے، اور اس کی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا رہتا ہے وہ ان تمام سے واقف ہے۔

رات اور دن کا لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے رہنا اور مختلف موسموں میں ان کا وقفہ مختلف ہونا اللہ کی قدرت وحکمت کا اور مخلوقات کے تئیں اس کی رحمت کا مظہر ہے جو ہر روز ہمارے مشاہدے میں آتا ہے۔ اس کا علم انسان کے نفس کی گہرائیوں تک پہنچا ہوا ہے جس طرح کہ رات کی تاریکی میں اس کے علم کی پہنچ ہے۔ ہر معاملہ کا انجام آخر کار اسی کی جناب میں ہونا ہے، کیوں کہ سب کچھ اس کے بنائے ہوئے ضابطوں سے ہی کنٹرول ہوتا ہے۔ جب کبھی بھی انسان کو مختلف مادی شکلوں میں، عقلی یا روحانی لحاظ سے کوئی طاقت و دولت حاصل ہوتی ہے تو یہ دولت و طاقت اسے اللہ بخشتا ہے تا کہ یہ دیکھے کہ وہ اسے کس طرح برتتا ہے اور اس دنیا میں اپنی انفرادی اور سماجی ذمہ داریوں کو کس طرح پورا کرتا ہے۔ انسان کو زمین پر اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے بسایا گیا ہے [۱۶:۱۱]، اور اللہ نے اسے جو صلاحیتیں اور لیاقتیں بخشی ہیں ان کے ذریعہ اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ جس کسی کو کوئی طاقت بخشی گئی ہے وہ اس پر اپنا پورا اختیار نہیں جتا سکتا، بلکہ اسے اس طاقت کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ کوئی بھی طاقت سماج کے واسطے سے فروغ پاتی ہے اور اس لئے یہ بالکل فطری اور مناسب بات ہے کہ افراد کی کمائی پر سماج کا حق ہو جو کہ فرد سماج کے دیگر افراد کے ساتھ تعلق قائم کر کے ہی حاصل کرتا ہے۔ مختلف قسم کی

انفرادی لیاقتوں پر سماج کے حق کو فقہا نے اللہ کے حق سے تعبیر کیا ہے، کیوں کہ اللہ اور آخرت پر ایمان خودغرضی اور لالچ سے نجات کا حقیقی ذریعہ ہے۔ ہر فرد کو اللہ نے جو کچھ بھی دیا ہے اسے اللہ کی اس ہدایت کے مطابق استعمال کرنا اس پر واجب ہے جسے بھیجنے کا وعدہ اللہ نے انسانوں سے لے رکھا ہے [۲:۳۸ تا ۳۹؛ ۲۰:۱۲۳ تا ۱۲۶]، اور جو روحانی و عقلی لیاقتیں انسان کو فراہم کی گئی ہیں وہ اسے خود اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لئے استعمال کرنی ہیں [۷:۱۷۲؛ ۳۹:۹؛ ۹۱:۷ تا ۱۰]۔ اسے خود اپنے آپ سے یہ عہد کرنا چاہئے کہ وہ کسی بھی معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی عقلی اور روحانی استعداد کو مناسب طریقے سے استعمال کرے گا، خاص طور سے اللہ کے پیغام کے بارے میں جو کہ اللہ نے انسانوں کی مدد کرنے کے لئے بھیجا ہے جیسا کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اسے اللہ رحیم و کریم کا شکر گزار بھی ہونا چاہئے جس نے انسان کو طاقت و قوت بخشی ہے تا کہ وہ اپنی پوری استطاعت کے مطابق اسے استعمال کرے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ
تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ
كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ
فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰ سَابِقُوْٓا اِلٰى
مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ
وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ۝۲۱ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ
وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
فَخُوْرِ ۝۲۳

جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (و ستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لئے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاعِ فریب ہے۔ (بندو!) دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت (کی طرف) جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ کوئی مصیبت زمین میں اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے (اور) یہ کام اللہ کو آسان ہے۔ تا کہ جو (مطلب) تم سے فوت ہو گیا ہے اس کا غم نہ کھایا کرو اور جو تم کو اس نے دیا ہو اس پر نہ اتراؤ، اور اللہ کسی اترانے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔
(۵۷:۲۰ تا ۲۳)

جب یہ دنیا ہی کچھ لوگوں کے لئے ان کا مقصد و ہدف بن جاتی ہے تو وہ اس کی لذتوں میں اتنے مگن ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنا توازن ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ قرآن کریم اس آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات کے ذریعہ انسانوں کے دل و دماغ کو اس زندگی کی حقیقت سے باخبر کرتا

ہے اور اسے طویل مدت کی راحت ولذت کی بہ نسبت عارضی اور غیر یقینی مدت کی لذت والی جگہ باور کراتا ہے اور یہ رہنمائی دیتا ہے کہ انسان کی زندگی اس دنیا کی زندگی اور اس کے بعد ملنے والی زندگی پر مشتمل ہے اور دونوں کو ملا کر مکمل ہوتی ہے۔لوگ اس زندگی میں دولت و حشمت اور اولاد و طاقت حاصل کرنے کی دوڑ میں لگتے ہیں اور ایسا کرنے میں معقول اور جائز حد سے آگے نکل کر اپنی زیادہ تر توانائیاں ضائع کر دیتے ہیں، اور لالچ، حسد اور مسابقت میں مبتلا ہوتے ہیں، اور زندگی کے اتار وچڑھاؤ کے ساتھ ان کے موڈ بدلتے رہتے ہیں کبھی وہ اتراتے ہیں اور کبھی افسردگی و مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ وہ تنگ نظری میں مبتلا ہو کر خود اپنے آپ اور اپنے معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں کیوں کہ ہر ذریعہ سے اپنی دولت کو بڑھانے اور عیش و مستی میں خرچ کرنے کے خبط میں گرفتار ہو کر اپنی قیمتی زندگی کو تباہ کرتے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دولت کو اور اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور پر نقصان پہنچانے والے مشاغل میں خرچ کرتے ہیں، جب کہ ان کے جیسے دوسرے بہت سے انسان بھوک سے، موسموں کی شدت سے اور بیماریوں سے مر رہے ہوتے ہیں، جن کی پرواہ انہیں نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ بچکانہ حرکتوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور زندگی کی حقیقی مسرتیں گنوار ہے ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں مسرتیں حاصل کرنا اس صورت میں تو ایک جائز بات ہے کہ ایک متوازن طریقے سے ان مسرتوں سے لطف اندوز ہوا جائے اور درست نقطہ نظر کے ساتھ انہیں برتا جائے۔ اس دنیا میں اللہ کا فضل تمام انسانوں کے لئے عام ہے [۱۷:۱۸ تا ۲۱]، اور اس کے لئے بارش کی مثال بالکل مناسب ہے جو اوپر دی گئی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو سمجھدار لوگ اس کے پانی کو پودوں کی افزائش کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس سے پیداوار حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے لوگ صرف بہار کے نظارے دیکھ کر ہی خوش ہو جاتے ہیں اور درختوں پر چھائی خزاں کے دور ہو جانے کا مزہ لیتے ہیں جب کہ ان درختوں کی نہ تو کانٹ چھانٹ کرتے ہیں، نہ ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں نہ ان کی شادابی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح کی کم نظری کا ایسا ہی نتیجہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو محض ذاتی خواہشات و حاجات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں، ان کے مقصد کو پورا نہیں کرتے اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوتے، کہ جن کو کرنے سے وہ زندگی کو مزید کارگر بنا سکتے ہیں اور جن کے نتیجے میں اس دنیا کی مسرتیں اور زیادہ مستحکم و پائیدار ہو سکتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود شناسی و خود وثوقی اور دوسروں سے مسابقت کرنے کی انسانی خصلتیں ناجائز ہیں، بلکہ ان خصلتوں کو اچھے مقاصد کے لئے بروئے کار لانا چاہئے، نہ کہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے یا اپنی سماجی ذمہ داریوں سے منھ موڑ کر کام میں لائیں۔ اسلام افراد کی صلاحیتوں کو کچلتا نہیں ہے اور نہ تمام اہل ایمان کو ایک ہی طرز پر ڈھالنا چاہتا ہے؛ سبھی اہل ایمان کو اللہ کی ہدایات کی اتباع کرنے اور دنیا و آخرت میں اللہ کے انعامات حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مسابقت کرنی ہے "(نعمتوں کے) شائقین کو چاہئے کہ اسی (جنت میں ملنے والی نعمتوں) کے لئے جستجو کریں [۸۳:۲۶]۔ لیکن ایک جائز مقابلہ اور آپس کی دوڑ میں کامیاب ہونے والے کو گھمنڈ میں یا ناکام ہونے والے کو حسرت و افسردگی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان انسان کی شخصیت میں توازن اور استحکام بنائے رکھنے میں مددگار رہتا ہے، چنانچہ اس طرح انسان کی توانائی اور تخلیقی قوتیں ضائع نہیں ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت جس طرح سے بنائی ہے، اس سے انسان فیصلہ کرنے اور انتخاب کرنے کی آزادی سے متمتع ہوتا ہے، لیکن ہوموسیپین (Homosapien) یعنی فردِ بشر کو اپنی پسند اور فیصلہ کے نتائج کو قبول کرنا چاہئے اور ظاہری چمک دمک سے دھوکہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ صحیح طرز عمل فرد اور سماج میں توازن قائم رکھتا ہے، اور اس طرح انسان کی پوری جسمانی، عقلی اور نفسیاتی و روحانی توانائی بنی رہتی ہے اور پوری طرح ترقی کو پہنچتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اس کی طرف اشارہ کرتی ہے: "مومن بندہ/بندی کا معاملہ

بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام ملے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا/ کرتی ہے، اور اس میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اس کو کوئی دکھ اور تکلیف ملے تو وہ اس پر صبر کرتا/ کرتی ہے، اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور برکت کا سبب ہے'' (بہ روایت، مسلم، ابن حنبل اور ابن ماجہ)۔ اس بات کو سمجھ لینا اور تسلیم کر لینا کہ ہر چیز کی ابتداء اور سرچشمہ اور انتہاء و اختتام اللہ تعالیٰ خود ہے، فرد کو اور زیادہ متوازن بناتا ہے اور سماج اور زیادہ متحد، معاون اور ٹھوس ہوتا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان کی ہی لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

(۲۲:۵۸؛ نیز دیکھیں ۵۶:۵؛ ۳۵:۶؛ ۱۹:۵۸)

یہاں قرآن اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ساتھ جوڑ کر دیکھتا ہے، جو اس کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس کی دی ہوئی ہدایت کی اتباع کرتے ہیں اور اس کے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں، ٹھیک ویسے ہی جیسے ان لوگوں کو جو خود اپنے لئے ہی جیتے ہیں اور دنیا کی لذتوں کے حصول میں مگن رہتے ہیں، شیطان کا ساتھی قرار دیتا ہے [۱۹:۵۸؛ نیز دیکھیں ۵۶:۵؛ ۳۵:۶]۔ دونوں فریقوں کے لئے قرآن میں اولیاء یعنی حامی اور مددگار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے [۲۵۷:۲؛ ۶۸:۳، ۱۲۲، ۱۷۵؛ ۷۵:۴ تا ۷۷، ۱۱۹؛ ۱۲۱:۶، ۱۲۷ تا ۱۲۸؛ ۲۷:۷، ۳۰، ۵۵، ۱۹۶؛ ۶۲:۱۰ تا ۶۳؛ ۱۰۱:۱۲؛ ۶۳:۱۶؛ ۱۰۰؛ ۵۰:۱۸؛ ۱۸:۲۵؛ ۲۲:۲۹؛ ۳۱:۴۱؛ ۳۱:۴۲]۔ یہ اجتماعیت، جو عقیدے کی بنیاد پر بنتی ہے، ایک ایسی فرقہ بندی کو ظاہر کرتی ہے جس میں وفاداری اور تعلق کی بنیاد گروہی وابستگی پر ہے، بجائے اصولوں اور قدروں کے، یا یوں کہا جائے کہ طور طریقوں سے وابستگی ہے نہ کہ ان کی معنویت سے۔ قرآن پچھلی کتابوں کے ماننے والوں کے لئے اس ظاہری اور سطحی پہچان کی مذمت کرتا ہے [۱۰۴:۳؛ ۱۱۰، ۱۱۴؛ ۶۹:۵؛ ۱۵۷:۷؛ ۷۱:۹، ۱۱۲؛ ۹۰:۱۶؛ ۲۲:۴۱؛ ۲۴:۲۱؛ ۲۹:۴۵؛ ۳۱:۱۷]۔ اللہ کے نام پر بننے والی اجتماعیت اور اس کے مقصد اور اقدار کے ساتھ خود کو شناخت کرنا گویا جمود اور حد سے زیادہ انفرادیت پسندی کو روکنا ہے۔ اس طرح اللہ کے ساتھ کسی کا خود کو وابستہ کرنا اسے ہر وقت یہ یاد دلاتا ہے کہ وہ صرف اپنی ذات یا فرقہ کی نمائندگی نہیں کرتا/ کرتی بلکہ وہ ایک عالم گیر جماعت کا حصہ ہے اور وہ اپنے پیغام کو پیش کرنے کا/ کی پابند ہے جو بنیادی طور پر لوگوں کے اخلاق و کردار کی اصلاح کا پیغام ہے۔

اللہ کے نام پر، جس سے مومن بندہ یا بندی وابستہ ہوتا/ ہوتی اور پہچانا جاتا/ جاتی ہے، تمام انسان برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام بنی آدم کو بخشے گئے اکرام کے حامل ہیں [۷۰:۱۷]، چاہے ان کی نسل یا ذات یا جنس، عقیدہ اور عمر کچھ بھی ہو۔ یہ صرف اللہ کی ذات

ہے کہ جس کا ہمسر کوئی نہیں ہے [۴۲:۱۱؛ ۱۱۲:۴]۔ اسی طرح اللہ کے نام پر جڑنے سے صرف ایک گروپ یا یونیورسل بلاک نہیں بنتا؛ بلکہ اس کی بدولت انسان تنگ دائروں سے باہر نکلتا ہے اور ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جس میں تمام بنی آدم سے اس کا تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ انسانیت کی مشترک اخلاقی قدروں کے فروغ کے لئے کھڑا ہوتا ہے جنہیں تمام انسان اپنی عقل عام اور روایتی سوچ سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ عربی کے لفظ معروف اور منکر دین اسلام کی مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ معروف وہ بات ہے جو ہمیشہ اور ہر جگہ اچھی مانی جائے، اور منکر وہ ہے جسے اکثر لوگ اپنی عقل اور سوجھ بوجھ سے غلط اور قابل رد مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ آج شیطان کی ٹولی میں شامل ہیں انہیں بھی مستقل دشمن نہیں مانا جا سکتا کیوں کہ ہر انسان کے اندر بھلائی طرف آنے کا میلان موجود ہے اور وہ کل پلٹ کر بھلائی کی طرف آ سکتا ہے، خواہ آج اس کا عقیدہ اور عمل کچھ بھی ہو [۶۰:۷]، چنانچہ دشمنی اور تنازعہ کو کم سے کم حد میں رکھا جانا چاہئے [۶۰:۸ تا ۹]۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب نام اچھے ہیں جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (۵۹:۲۲ تا ۲۴)

یہاں اللہ تعالیٰ کی کچھ خاص صفات ایک ساتھ بیان کی گئی ہیں جو غنائی آہنگ میں پیش کی گئی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی ذات کاملہ کو بیان کرتی ہیں۔ صفات الٰہی کا یہ مجموعہ انتخاب اللہ تعالیٰ کی توحید پر تاکید کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور انہیں الفاظ میں یہ توحید بیان کی گئی ہے جن الفاظ میں اسلام کے عقیدہ توحید کو بیان کیا جاتا ہے، لا الہ الا ھو (اللہ)، اللہ ہی الہ ہے اور اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اس کی قدرت تخلیق کو تین صفات سے بیان کیا گیا ہے جن کے درمیان ایک مہین سا فرق ہے: الخالق، یعنی جس نے پہلی بار بغیر کسی نمونہ کے پیدا کیا، اور اتنی خوبی کے ساتھ پیدا کیا کہ ہر چیز اپنی کارکردگی کے لئے پوری طرح موزوں ہے، اور پوری کائنات میں جس کا جو مقام ہے وہاں وہ فٹ ہے، اور کسی بھی قسم کے تضاد سے محفوظ ہے۔ وہی ہے جو تمام چیزوں کو شکل وصورت عطا کرتا ہے۔ تخلیق کا معاملہ ایک مکمل عمل کا ایک حصہ ہے، اور وہ تینوں صفات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ اللہ تنہا ہے اور ایک ہی ہستی ہے، جو اپنی مخلوقات کو شکل و صورت، خصوصیات اور خوبیاں عطا کرتا ہے، اور مخلوقات کو مختلف قسم سے اور مختلف پہلوؤں سے زندگی دیتا ہے۔ اللہ کی تخلیق یعنی کائنات کے بارے میں آسمانی علم اور اس بات کو جاننا کہ یہ کس طرح کام کرتی ہے مجموعی طور پر اس عمل کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات جانتا ہے کہ کیا چیز اس کی مخلوق کے خیال کی پہنچ سے باہر ہے اور یہ کہ اس کی کوئی مخلوق اپنی عقل یا حواس کے ذریعہ جزوی طور پر کیا کچھ جان اور سمجھ سکتی ہے۔ ان آیات میں اس کی صفات کے ذریعہ سے اس کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے جیسے: وہ الملک ہے یعنی اقتدار اعلیٰ اسی کا ہے، وہ القدوس ہے یعنی وہ کوئی کام غلط نہیں کرتا، العزیز ہے یعنی ہر چیز پر پوری گرفت رکھتا ہے، الجبار ہے اور المتکبر ہے یعنی ساری بڑائی اسی کے

لئے ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی جو بھی قدرت اور طاقت کائنات میں کارفرما ہے، اس کا اقتدار ہے، علم اور اس کا زور ہے، ان سب کے باوجود ورحیم ومہربان ہے، وہ سلامتی دینے والا ہے، امن دیتا ہے اور نگہبانی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ تعلق رحمت وکرم کا تعلق ہے گو کہ وہ سب سے عظیم طاقت اور گرفت رکھنے والا ہے۔ اسلام کے فلسفہ دینیات میں اللہ قادر مطلق ہے، جس کا انصاف سخت ہے، اس کا عذاب شدید ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ رؤف اور رحیم یعنی محبت کرنے اور رحم کرنے والا ہے، انتہائی مہربان اور خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔ یہ صفات بیک وقت اللہ کی ہستی کے لئے لازم ہیں، اور ان صفات کو ایک سے زیادہ خداؤں میں الگ الگ تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ہی ذات میں سمائی ہوئی ہیں۔ یہ انسان کے لئے ایک آئیڈیل کے طور پر کامل واکمل ہستی کا تصور پیش کرتی ہیں جو انسانوں کی رہنمائی کر سکتی ہے، تاہم انسان اس بات سے آگاہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کامل واکمل ذات، اس کی کوئی بھی صفت اور ان صفات کی جامع کیفیت اس سے کہیں بلند و بالا ہے جہاں تک انسان کی آرزوؤں یا خواہشات کی پرواز ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں، عزیز، جبار اور متکبر جیسی صفات صرف اس ہستی کے لئے استعمال کی گئی ہیں جس کا کوئی ہمسر نہیں ہے [۴۲:۱۱]، کوئی اس جیسا نہیں ہے [۱۱۲:۴]۔ کسی انسان کے لئے ان خوبیوں کو بیان کرنا اس کے لئے لائق مذمت ہے، ان الفاظ کے ذریعہ اس کی مدح سرائی نہیں کی جا سکتی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
عَلَقٍ ۚ ② اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ④
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ ⑤ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَیَطْغٰۤی ۙ ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ؕ ⑦ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ؕ ⑧

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ جب کہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ (اس کو) تمہارے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۹۶:۱ تا ۸)

یہ قرآن کی وہ آیات ہیں جو سب سے پہلے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ پہلی دو آیتوں میں ہمیں وہ اہم الفاظ ملتے ہیں جن سے انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے پیغام سے آشنا کیا گیا: نمبر ایک ''پڑھو''، یہ الفاظ انسان کی عقل کی ناگزیر صلاحیت اور بول کر خود کو ظاہر کرنے، علم کو ترقی دینے اور محفوظ کرنے کی عقلی لیاقت کی طرف ایک حوالہ ہے، اور ''قلم'' جو انسان پر اللہ تعالیٰ کے اس فضل کا اظہار ہے کہ اس نے بولے گئے الفاظ کو رقم کرنے، سیکھنے سکھانے اور تعلیم دینے کا قیمتی وسیلہ اور اوزار عطا فرمایا ہے۔ انسانی عقل اور بولنے، لکھنے و پڑھنے کی صلاحیت انسان کو بخشی گئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جو انسان کا آقا، رب اور پروردگار ہے جس نے انسان کو یہ اور دیگر ایسی قوتیں دیں جو خود قادر مطلق خالق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ان اولین قرآنی آیات میں ''انسان'' کا ذکر ہے۔ یعنی آفاقی حیثیت رکھنے والا انسانی وجود جو نسل، رنگ ذات، جنس وغیرہ کی بندش سے آزاد ہے۔ یہ آیات ''العلم'' کا ذکر بھی کرتی ہیں، جو کسی مخصوص علم، کسی شعبہ کے علم نہیں بلکہ علم عام ہے۔ علم کے ساتھ قلم کا ذکر یہ یاد دلاتا ہے کہ یہ علم کو حاصل کرنے، محفوظ کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا قیمتی وسیلہ ہے۔ یہ آیات کائنات اور انسان کی جسمانی، روحانی اور اخلاقی نشوونما کی طرف توجہ دلاتی ہیں اور یہ تعلیم دیتی ہیں کہ انسان کو اپنے قیمتی حواس کو اور دماغ کو حقائق کا مشاہدہ کرنے اور انسانی فطرت کے نتائج تک پہنچنے کے لئے کس طرح استعمال کیا جائے۔

زوجین کے مابین ایک سادہ سے عمل کے نتیجے میں ایک مخلوط نطفہ بنتا ہے جس سے ایک انسان اپنی انفرادی خوبیوں اوراجتماعی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یہ کرشمہ جو ہر روز پوری دنیا میں بے شمار تعداد میں ہوتا ہے، خالق کے وجود اور اس کی تخلیق کے مقصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے، وہ مقصد جو انسان کو اس کی تمام تر طاقتوں اور کمزوریوں کے ساتھ وجود بخشنے کا ہے۔ لوگ جب خالق کی رہنمائی کا اتباع کرتے ہیں تو فرد اور سماج دونوں کی انسانی استعداد اپنی انتہا کو پہنچنے کا امکان رکھتی ہے، اور خالق اور انسان کے درمیان راست اور قریبی تعلق قائم ہوتا ہے۔ پیغمبر ﷺ جن پر براہ راست وحی نازل ہوتی تھی وہ پوری انسانی نسل کے نمائندہ تھے جسے ان کے واسطے سے اس وحی کے ذریعہ خطاب کیا گیا اور افراد و سماجوں میں علم کے مختلف پہلوؤں سے ہونے والی ترقی کے ذریعہ پیغام کی یاد دہانی کرائی گئی۔

لیکن انسان جب خود کو اپنے خالق سے الگ کر لیتا ہے تو اپنا وسیع اور جامع مطمحِ نظر کھو دیتا ہے، اور اس کے بجائے وہ خود پرستی اور خودغرضی کے دائرے میں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس حالت میں فرد دوسرے افراد کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھول جاتا ہے اور اس عدم تعلق کے نتیجے میں فرد کی کارکردگی، اثر پزیری، تخلیقیت اور خوش طبعی پر جو اثرات پڑتے ہیں ان سے وہ غافل رہتا ہے، اور اس کند نظری میں۔ وہ صرف اپنی کوششوں اور اپنے اوپر پڑنے والے اثرات کو ہی دیکھ سکتا ہے، اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ اس کی اپنی کوششوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کی کتنی کوششیں شامل ہیں جن کے نتیجے میں اسے اپنی کوششوں کا پھل ملا ہے، اور یہ کہ خالق و محافظ رب کائنات اور انسانی دنیا کے نظام کو بنائے رکھنے کے لئے فطری قوتوں اور انسانوں کے درمیان کس طرح سے ایک ربط و ہم آہنگی بنائے ہوئے ہے۔ اس طرح کی انفرادی تنگ ذہنی اور کم نظری انسان کو عالم گیریت و آفاقیت کی برکتوں سے دور لے جاتی ہے اور علم کی وسعتوں سے خودغرضی کے تنگ دائروں کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

اللہ کے ساتھ انسان کے تعلق سے انسان کا دل اور دماغ تمام مخلوقات اور تمام انسانیت کے لئے کھل جاتا ہے۔ انسان کا تنگ نقطہ نظر اسے صرف اپنے آپ کے لئے ہی سوچنے تک محدود رکھتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس دنیا میں وہ ہی ہے، اور اسے دوسروں پر حکم چلانے کا اختیار ہے اور جس بات کو وہ خود صحیح سمجھتا ہے اسے دوسروں پر تھوپنے کا وہ حق دار ہے، جب کہ اللہ کی طرف ناگزیر طور سے واپس پلٹنے اور اس کے انصاف کا سامنا کرنے کا یقین انسان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ وہ خود مخلوق ہے جسے اس دنیا میں ترقی کے مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر اپنے انجام کو پہنچنا ہے، اور یہ یقین وایمان اسے گھمنڈ اور تنگ نظری سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ اپنی ہدایت کے واسطے سے اس وقت بھی ہوتا ہے جب وہ پیدائش اور نشونما کے مرحلہ سے گزر کر علم اور تہذیب کی ترقی کے مرحلوں کو طے کر رہا ہوتا ہے، اور آخرت میں تو انسان اسے براہ راست دیکھ لیں گے۔ اس مستقل تعلق کو نظر انداز کرنے کے سنگین اور تباہ کن نتائج نکلتے ہیں، جیسے یہ کہ ایک خالق کو نظر انداز کر دینا منطقی، نفسیاتی اور سماجی لحاظ سے ایسے مطلق العنان آمروں اور ظالموں کو پیدا کرنا ہے جو خاندان، سماج اور دنیا میں دوسروں پر اپنی ذاتی خواہشات تھوپتے ہیں۔

وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾	عصر کی قسم! انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔ (۱۰۳:۱ تا ۳)

اس ابتدائی دور کی سورۃ میں جو کہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، قرآن انسانوں کی توجہ اس طرف دلاتا ہے کہ وقت اور اس کا گزرتے جانا

ایک ایسی اہم بات ہے جسے توجہ کے ساتھ مشاہدہ کیا جانا چاہئے اور افراد و سماجوں پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں ان پر غور کرنا چاہئے۔ یہ وقت ہی ہے جس کے گزرتے ہوئے ادوار میں مادی اور انسانی بدلاؤ اور ترقیاں وقوع پزیر ہوتی رہتی ہیں، کوئی چیز ظہور میں آتی ہے، کوئی چیز نشوونما پاتی ہے، کسی پر زوال آتا ہے اور کوئی مفقود ہو جاتی ہے۔ کبھی نہ تھمنے والے اور ہمیشہ تبدیل ہوتے رہنے والے وقت پر انسانی ادب و فن میں مختلف طریقوں سے روشنی ڈالی گئی ہے [دیکھیں ماقبل مذکور آیات ۳:۲۶ تا ۲۷، ۱۳۹ تا ۱۴۰]۔ جو وقت گزر جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا؛ اور ایک انسان کی زندگی وقت کے ایک عرصہ کے لئے ہی ہوتی ہے۔ انسان اگر اپنی مختصر سی زندگی میں وقتی فائدوں اور عارضی لذتوں پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھے، طویل مدتی مقاصد اور فوائد پر دھیان نہ دے تو مستقبل اور مقصد کے اعتبار سے وہ گھاٹے میں رہتا ہے۔ ناعاقبت اندیشی سے انسان کی توانائی ضائع ہو جاتی ہے اور اس کی قوت برداشت اور استقامت ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں کسی کامیابی پر انسان گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کامیابی کا سلسلہ تھم سکتا ہے اور اسی طرح ناکامی کی صورت میں ناامیدی اور لاچاری میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وقتی طور پر کسی ایک جدوجہد میں ناکامی انسان کی آگے کی جدوجہد کا راستہ بھی روک دیتی ہے اور آئندہ کی امکانی کامیابیاں بھی ناکامی میں بدل جاتی ہیں۔ اللہ پر ایمان انسان کو وقت کے بہتر استعمال کا عادی بناتا ہے اور وقت کا پورا دائرہ اس کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ کسی وقتی خوشی یا حادثہ کا قیدی بن کر نہیں رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث یہاں کتنی برمحل ہے کہ: ''مومن بندہ/ بندی کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام ملے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا/ کرتی ہے، اور اس میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اس کو کوئی دکھ اور تکلیف ملے تو وہ اس پر صبر کرتا/ کرتی ہے، اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور برکت کا سبب ہے'' (بہ روایت، مسلم، ابن حنبل اور ابن ماجہ)

لیکن، کسی فرد کا پختہ اعتقاد یا ایمان تنہا اس کی ذات کے دائرے میں باقی نہیں رہتا، اس کے لئے سماجی سہارے اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے یعنی ان دوسرے لوگوں کی جو خود بھی زندگی کے نشیب و فراز میں سچائی، صبر اور استقامت پر قائم رہتے ہوں۔ اس طرح تمام اہل ایمان مختلف حالات میں کامیاب رہیں گے اور نتیجے کے اعتبار سے کبھی نقصان میں نہیں رہیں گے، خواہ کسی خاص وقت پر بظاہر وہ ناکامی کا منھ دیکھیں۔ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے تو وہ حق و صداقت اور صبر و ایمان پر قائم رہنے کے لئے، اور اس طرح فرد اور معاشرے دونوں میں سکون و استحکام کو برقرار رکھنے کے لئے یہ سورۃ پڑھا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۱ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝۲ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝۳ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝۴ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝۵ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝۶

(اے پیغمبر! منکرانِ اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو! ۔ جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا۔ اور جس (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور (میں پھر کہتا ہوں کہ) جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔

(۱۰۹:۱ تا ۶)

ایمان فرد کے اپنے فیصلہ اور اعتقاد پر ہی مبنی ہونا چاہئے۔ لیکن دنیاوی فوائد کے حصول کے جذبے، آباؤ اجداد یا اپنی قوم سے وابستگی و وفاداری، انسانی کمزوریاں اور اوہام و مفروضات کے دباؤ بھی انسان پر پڑتے ہیں جس کی وجہ سے ایمان جیسے سنجیدہ معاملہ میں انسان کی قوت فیصلہ متاثر ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں فرد اور سماج کو سنگین بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔

یہ سورۃ ایک اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگوں اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے درمیان نمایاں فرق کی ایک صاف تصویر پیش کرتی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں پر یقین رکھنے والے لوگ جان بوجھ کر اور ہٹ دھرمی کے ساتھ حق کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اس کا انکار کرتے ہیں (ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں عربی کا لفظ ’کافر‘ استعمال ہوا ہے جو کفر سے بنا ہے اور کفر کا مطلب چھپانا ہوتا ہے)، حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عقل کی سیدھی سچی بات کے خلاف عمل کر رہے ہیں [۶: ۳۳؛ ۲۷: ۱۴]۔ یہ دونوں فریق اگر چاہیں اور کوشش کریں تو آپس میں انسانی تعلقات کو برقرار رکھ سکتے ہیں، لیکن عقیدے کا اختلاف ظاہر رہے گا اور بغیر کسی مداہنت کے اس کا اثبات کیا جائے گا۔ درج بالا سورۃ میں عقیدے پر کبھی بھی کوئی بھی سمجھوتہ ناممکن ہونے پر تکرار کے ساتھ زور دیا گیا ہے۔ ہر فریق کو خود اپنی سوچ پر چلنے، اپنا فیصلہ لینے اور اپنے عمل کو طے کرنے کی پوری آزادی ہے۔ ہر عقیدے کے اپنے سماجی اور انفرادی مضمرات ہیں اور دنیا میں ان کے الگ الگ نتائج ہیں، اور آخرت میں بھی ان کے الگ الگ نتائج اور صلے ہیں اور وہاں حق پر مبنی طرز زندگی کو ہی قبول کیا جائے گا۔ ایک اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنا موقف واضح رکھیں، لیکن وہ کبھی دوسروں پر اسے تھوپنے کی کوشش نہ کریں اور نہ ان لوگوں سے کوئی دشمنی اور جھگڑا رکھیں جن کا عقیدہ ان سے مختلف ہے، حالانکہ وہ اپنے عقیدے کے افضل و برحق ہونے پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھتے ہیں اور کسی بھی ابہام میں مبتلا نہیں ہوتے [۶۸:۹]۔ آخر کار تمام لوگوں کو فیصلہ کے لئے اللہ کی ہی طرف لوٹ کر جانا ہے [۲۵۶:۲]۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ ﴿۳﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ ﴿۴﴾	کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ (۱۱۲: ۱ تا ۴)

چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہئیت اور تصویر انسان کے تصور و خیال کے محدود دائرے سے بالاتر ہے اس لئے قرآن میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور خوبیوں کے بیان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت دی گئی ہے۔ تاہم ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس کا ایک واقعی وجود ہے، اور یہ محض کوئی خیال نہیں ہے۔ وہ ہم سے بہت قریب ہے اور ہمارا نگراں و نگہبان ہے اور وہ ایک اکیلا خدا ہے، جس کی عبادت ہم پر لازم ہے؛ دیگر وہ تمام چیزیں جنہیں ہم سوچ سکتے ہیں صرف اس کی مخلوق ہیں اور وہ کسی بھی طرح اس کے برابر یا اس جیسی نہیں ہیں۔ وہ لافانی و لازوال ہے، اس کی کوئی ابتداء و انتہا نہیں ہے، وہ مطلق ہے، وہ زمان و مکان میں محدود نہیں ہے، نہ کسی بھی حالت میں اس کے اندر کوئی تبدیلی آتی ہے، وہ حق ہے، جتنے بھی وجود اور موجودات ہیں وہ ان سب کا سبب اصلی اور سرچشمہ ہے، اور وہی پناہ دینے والا ہے۔ اسی طرح ہم اس کے لئے کسی کا باپ یا کسی کا بیٹا ہونے کا گمان و خیال نہیں کر سکتے کہ اس طرح کا وہم یا گمان کرنے سے ہم اپنے تصور کے مطابق اس کے تخلیق و خلق کے لئے ایک حیاتیاتی نظام کو محسوس کریں گے۔ مترجم قرآن یوسف علی نے اس سورۃ، اور خاص طور سے سورۃ کی آخری آیت، پر اپنے تفسیری نوٹ میں لکھا ہے کہ ”اس (اللہ تعالیٰ) کی خوبیاں اور فطرتیں بے نظیر ہیں“، اور محمد اسد نے لکھا ہے کہ ”اس حقیقت کا کہ خدا ایک ہے

اور ہر لحاظ سے بے مثل ہے، اس کی کوئی ابتداء اور انتہا نہیں، قرآن کے اس بیان سے ایک منطقی ربط ہے کہ ''کوئی اس چیز ایسی نہیں جس کا موازنہ اس سے کیا جاسکے''، اس طرح اللہ تعالیٰ کی ہستی کو بیان کرنے یا کسی مثال سے اسے سمجھنے سمجھانے کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کی ہستی کی خوبی انسانی فہم کے دائرے سے پرے ہے، یہاں تک کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقش بنانے کی کوشش، چاہے وہ کوئی خاکہ اور پتلا بنا کر ہو یا محض کسی علامت کے ذریعہ ہوا سے حق سے انحراف یا حق کا انکار مانا جائے گا۔''

یہ چیز شرک کے نظرئے کو پوری طرح رد کر دیتی ہے، شرک یعنی ایسا نظام جس میں لوگ بہت سے خداؤں اور آقاؤں کو مانتے ہیں، جو اپنی شبیہ یا اپنے سلوک کے لحاظ سے خود ان کے اپنے ہاتھوں بنائی گئی چیزوں سے مختلف نہیں ہوسکتے۔ یہ چیز عقل و منطق کے خلاف ہے، اور خود دیوتاؤں کے درمیان تضاد اور تنازعہ کا باعث ہے، جب کہ کائنات میں نظر آنے والی ہم آہنگی اس کے خالق کی یکتائی کو ظاہر کرتی ہے۔ اللہ کی توحید یا یکتائی انسانی قدروں کی تکمیل اور یکتائی سے پوری مناسبت رکھتی ہے، اس لئے مختلف قسم کی خوبیاں مختلف قسم کے دیوی دیوتاؤں میں تقسیم ہونے یا متضاد خوبیوں کی نمائندگی کرنے والے دیوی دیوتاؤں کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے کہ جیسے بھلائیوں اور برائیوں کے خدا الگ الگ ہوں یا معاف کرنے والا دیوتا کوئی اور ہو اور انتقام لینے والا دیوتا کوئی اور ہو۔

اللہ تعالیٰ دائمی ("Eternal") اور مطلق (""Absolute") ہے، یہ الفاظ یوسف علی نے 'الصمد' کے ترجمے میں استعمال کئے ہیں۔ وہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''مطلق وجود ہی اس کی ایک تعبیر ہوسکتی ہے؛ تمام دوسرے وجود عارضی یا مشروط ہیں؛ اور وہ (خدا) کسی پر منحصر نہیں ہے، لیکن تمام لوگ اور اشیاء اس پر منحصر ہیں اور اس طرح وہ خود ہی ایسے دیوی دیوتاؤں کے خیال کی نفی کرتی ہیں جو کھاتے اور پیتے ہیں، جھگڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، یا عقیدت مندوں کے تحائف پر منحصر ہوتے ہیں۔۔۔وغیرہ''۔ محمد اسد نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ''الصمد'' قرآن میں صرف ایک ہی بار آیا ہے اور یہ صرف اللہ پر ہی منطبق ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی سبب یعنی علت خاص اور دائمی ہونے کے تصورات پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ یہ تصور بھی کہ تمام چیزیں جو موجود ہیں یا جن کا تصور کیا جا سکتا ہے اسی کی طرف واپس پلٹتی ہیں کہ وہی ان کا سرچشمہ ہے اور اسی لئے وہ اپنے وجود اور اس کی بقاء کے لئے اسی پر منحصر ہیں۔

پوری سورۃ ہمیں اس بابت متنبہ کرتی ہے کہ ہم اپنے انسانی طریق کے مطابق اس کی شبیہ کا تصور کریں چاہے علامتی طور پر یا صرف خیالی طور، ایک پیکر کی صورت میں یا ٹھوس مورت کی شکل میں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ؏﴿۶﴾	کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ (یعنی) لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبودِ برحق کی۔ (شیطان) وسوسہ انداز کی بُرائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ (خواہ وہ) جنات میں سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔ (۱۱۴:۱ تا ۶)

اس سورۃ میں انسانوں کو یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی پناہ میں آئیں، جو تمام انسانوں کا رب اور بادشاہ ہے۔ یہ پناہ انسان کی اپنی

کمزوریوں کے مقابلے پر ہے جنہیں برے انسانوں اور شیطان کی طرف سے ورغلایا جاتا ہے۔ قرآن کی کئی آیتوں میں شیاطین انس کو شیاطین جن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے [مثلاً ۶:۱۱۲]۔ بعض دوسرے مقامات پر قرآن میں یہ اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ انسانوں اور شیطانوں کے درمیان گٹھ جوڑ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا سلسلہ بھی ہوسکتا ہے، [جیسے ۲:۱۴؛ ۳:۱۷۵؛ ۴:۷۶؛ ۶:۷۱،۱۲۱؛ ۷:۲۷، ۳۰؛ ۱۷:۲۷؛ ۵۸:۱۹]۔ انسانوں کو اللہ سے بری طاقتوں کے مقابلے حفاظت اور پناہ کی دعا کرنی چاہئے اور اس کے لئے اللہ کی ہدایت کی اتباع کرنا چاہئے جس سے انسان کا ارادہ اور خواہش قوی ہوتی ہے اور برائی کی طرف لپکنے کی للک کمزور پڑتی ہے۔ شیطان انسانی کمزوریوں کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انسان کو اندرو باہر سے فریب میں مبتلا کرتا ہے۔ یوسف علی اس سورۃ کی تفسیر میں اپنا حاشیہ اس بات پر مکمل کرتے ہیں کہ ''برائی مختلف قسم کی فریب آمیز شکلوں میں انسان کے اندر گھس آتی ہے تا کہ انسان کی خواہش وارادہ پر قبضہ کرلے جس کی آزادی اللہ نے انسان کو بخشی ہے۔ برائی کی یہ طاقت شیطان ہوسکتی ہے، یا کوئی برا انسان ہوسکتا/ ہوسکتی ہے، یا خود انسان کی اپنی بری خواہشات ہوسکتی ہیں جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے: 'ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنادیا تھا وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے' [۶:۱۱۲]۔ شیاطین خفیہ طریقے سے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور اپنا جال مزید مہین و پرکشش بنانے کے لئے وہاں سے نکل آتے ہیں''۔ برائی کی اس داخلی تگ وتاز پر خالق و مالک کی حفاظت ونگرانی اور ہدایت کے بغیر قابو نہیں پایا جاسکتا، جو کہ انسانوں کی کمزوریوں کو جانتا ہے، برے انسانوں اور جنوں کے مکروفریب اور پھسلانے کے طریقوں سے واقف ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کو کس طرح برائی کی طاقتوں سے بچایا جائے، کہ انسانوں کو اگر اپنی کمزوریوں اور ذمہ داریوں کے حوالے کردیا جائے تو برائی کی یہ طاقتیں فرد، سماج اور انسانی تہذیب کو تباہ کرسکتی ہیں۔

❀ ❀ ❀

آخرت کی دائمی زندگی

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا
يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ
الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ
تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ
وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ
اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ
يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ
بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ ع

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اور اے کاش کہ ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے (وہ بات) اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ اُس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروی کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے اور اُن کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی اُن سے بیزار ہوں۔ اس طرح اللہ اُن کے اعمال انہیں حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔

(۲:۱۶۵ تا ۱۶۷)

اوپر کی آیات میں، آخرت کی زندگی میں ایک ذمہ دار انسان کی حیثیت سے ہر فرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی ایک زوردار تصویر پیش کی گئی ہے، جس کا فیصلہ اس بابت ہوگا کہ اللہ نے اسے ارادے اور خواہش کی آزادی اور صحیح وغلط میں امتیاز کرنے کے لئے عقل کی نعمت بخشی ہے، اور یہ دونوں عنصر جواب دہی کے لئے بنیادی طور سے لازمی ہیں۔ آخرت کی زندگی پر ایمان کا اصل جوہر یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کی جواب دہی ہر فرد کو کرنی ہے۔ یہ ایمان انفرادی جواب دہی اور اپنی ذمہ داری آپ اٹھانے پر زور دیتا ہے، چنانچہ دوسرے انسانوں یا عقیدوں و نظریات کی اندھا دھند یا بے سوچے سمجھے پیروی بالکل بے مطلب ہوگی و انسان کی عقلی

واخلاقی خوبیوں کو ضائع کردے گی اور اپنی انفرادی ذمہ داری کے احساس سے بے نیاز رکھے گی۔ لیکن آخرت کی زندگی میں ہر وہ فرد (مرد یا عورت) جس کی پیروی دنیا میں کی جاتی تھی، دنیا میں خواہ وہ کتنے ہی اثر ورسوخ والا/ والی اور طاقت واقتدار و والا/ والی رہا ہو/ رہی ہو پوری طرح لاچار و بے بس ہوگا/ ہوگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ مرد یا عورت اس وقت اپنے پیروکاروں سے خود کو الگ تھلگ کرلے گا/ کرلے گی اور ان لوگوں کے تئیں اپنی کسی بھی ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کرے گا یا کرے گی جنھوں نے دنیا میں اس کو طاقت ور اور بارسوخ سمجھ کر اس کی بات مانی ہوگی[دیکھیں ۱۴:۲۱ تا ۲۲؛ ۳۳:۶۷ تا ۶۸؛ ۳۴:۳۱ تا ۵۰؛ ۴۰:۴۷ تا ۴۸]۔ اس طرح خود کو لاچار پا کر پیروکار لوگ وہ باتیں سوچیں گے جو اس وقت ناممکن ہوں گی، جیسے یہ کہ: انہیں واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ ایسے لوگوں سے اسی طرح اپنے آپ کو دور کرلیں جیسے آج یہ ان سے دوری اور بے نیازی دکھا رہے ہیں۔ دونوں فریقوں کی طرف سے خود کو بچانے کی اس طرح کی بے سود کوششیں ہر فرد سے جواب دہی اور خود اعتمادی کی ضرورت کا تقاضا کرتی ہیں کیوں کہ ہر فرد خود اپنے کاموں کے لئے جواب دہ ہے، کسی دوسرے کے لئے نہیں، حتیٰ کہ اپنے قریب ترین عزیزوں والدین یا اولاد کے لئے بھی کوئی فرد کچھ نہیں کرسکے گا[۶:۳؛ ۱۹:۹۵؛ ۵۱:۳۳]۔ پیروی کرنے اور پیروی کرانے والوں کا ایک دوسرے سے اس طرح الگ اور بری الذمہ ہوجانے کی یہ تصویر کتنی عبرت انگیز ہے؟ اور انسانی شخصیت کی کمزوری و اندھی تقلید کے خلاف قرآن کی تنبیہ کتنی سخت ہے: ”اس طرح اللہ اُن کے اعمال انہیں حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے“۔

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱

اور (قیامت کے دن) سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ضعیف (العقل متبع اپنے روسائے) متکبرین سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے کیا تم اللہ کا کچھ عذاب ہم پر سے دفع کرسکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے، اب ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے، کوئی جگہ (گریز اور) رہائی کی ہمارے لئے نہیں ہے۔ (۱۴:۲۱)

یہاں پر قرآن ہر فرد کو آزادانہ طریقے سے سوچنے کی تاکید کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ کسی شخص کی اندھی پیروی، پیروکار اور پیروی کرانے والے دونوں کے لئے کس قدر ہلاکت خیز ہے، نہ تو پیروی کرنے والے کی کوئی معذرت قبول ہوگی اور نہ ان لوگوں کا انجام اچھا ہوگا جو لوگوں کو اپنی پیروی اور اطاعت کے لئے مجبور کرتے ہیں[دیکھیں پہلے مذکور آیت ۲:۱۶۵ تا ۱۶۷]۔ کمزور معتقدین اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ ہر فرد اپنے معاملات کے لئے خود ذمہ دار ہے، اور فیصلہ کے دن خود اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا[۱۷:۱۳ تا ۱۴؛ ۵۳:۳۸ تا ۴۲؛ ۷۴:۳۸]، اور جن لوگوں نے اپنی ذہانت، دولت یا منصب کی طاقت کو دوسروں پر اپنے خیالات یا عقائد تھوپنے کے لئے استعمال کیا ہوگا وہ خود اپنا بچاؤ نہیں کرسکیں گے، دوسروں کے لئے کچھ کرنے کا تو سوال ہی کیا! آخرت میں فرداً فرداً جواب دہی کا عقیدہ اس دنیا میں نجی طور پر جواب دہ ہونے کے احساس کو گہرا کرتا ہے، اور انسان کو اندھا دھند کسی کے پیچھے چلنے کی کمزوری سے نجات دیتا ہے، چاہے یہ وابستگی محبت میں ہو یا جبر سے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا
بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ
اِۨلْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ
الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ
لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ
جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ
يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ
قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ
اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ
بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ
صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ
فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا
مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ
رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ
لَهٗ ؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانیں گے اور نہ ان (کتابوں) کو جو اس سے پہلے کی ہیں، اور کاش (ان) ظالموں کو تم اس وقت دیکھو جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ردّ وکد کر رہے ہوں گے۔ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے، بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمہارے پاس آ چکی تھی روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم خود ہی گنہ گار تھے۔ اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمہاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ اللہ کا کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔ اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں پشیمان ہوں گے، اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس جو عمل وہ کرتے تھے ان ہی کا ان کو بدلہ ملے گا۔ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔ اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سا مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہو گا۔ کہہ دو کہ میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں ہاں (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا، ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دُگنا بدلہ ملے گا اور وہ خاطر جمع سے بالا خانوں میں بیٹھے ہوں گے۔ جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (۳۴:۳۱ تا ۳۹)

یہ ایک اور مقام ہے جہاں قرآن کسی فرد کے فیصلوں کے لئے اور خاص طور سے ایسے معاملوں میں جن سے انسان کا انجام وابستہ ہو، اس کی انفرادی ذمہ داری پر زور دیتا ہے [مزید دیکھیں ۲:۱۶۶ تا ۱۶۷؛ ۱۴:۲۱؛ ۳۳:۶۷ تا ۶۸؛ ۳۴:۳۱ تا ۳۳؛ ۴۰:۴۷ تا ۴۸]۔ سماجی، اقتصادی یا سیاسی طاقت رکھنے والے لوگوں کے پیچھے بے سوچے سمجھے چلنے کا کوئی عذر یا معذرت محشر کے دن پیش نہیں کی جا سکے گی، کیوں کہ اس دن کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا [۶:۱۶۴؛ ۱۷:۱۵؛ ۳۵:۱۸؛ ۳۹:۷؛ ۵۳:۳۸ تا ۴۱؛ نیز ۶:۹۴؛ ۵۲:۲۱]، دنیا میں حاصل ہونے والی یہ طاقتیں کچھ لوگوں کو متکبر بنا دیتی ہیں اور دنیا کی لذت و آسائشیں حق کے تئیں انسان کی ہوش مندی اور حساسیت کو کم کر دیتی ہیں۔ اس طرح جوں کی توں حالت بنائے رکھنے اور دنیا میں حاصل مراتب اور راحتوں کو قائم رکھنے کا جذبہ، چاہے وہ جائز ذرائع اور طریقوں سے یا ہو یا ناجائز ذرائع اور طریقوں سے، انسان کو متکبرانہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو مسترد کر دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ آخرت میں غرور اور تکبر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی، کیوں کہ ہر چیز وہاں بے نقاب ہو جائے گی اور حق واضح ہو کر سامنے آجائے گا: ''(یہ وہ دن ہے کہ) اس سے تو غافل ہو رہا تھا اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے'' [۵۰:۲۲]۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی طاقت و شوکت رکھنے والے لوگوں کی اندھی پیروی میں گزاری ہوگی وہ اس دن پچھتائیں گے، اور خاص طور سے اس بات پر کف افسوس ملیں گے کہ جن لوگوں کی انھوں نے پیروی کی آج وہ لوگ ان سے بے نیاز ہیں اور ان کی گمراہی کی ذمہ داری سے خود کو بری کر رہے ہیں کیوں کہ وہ لوگ جن کی انھوں نے پیروی کی ان سے دوری بنا لیں گے اور اپنی طاقت و شوکت کے آگے جھکنے کا کوئی الزام اپنے سر لینے سے انکار کر دیں گے۔

سماجی، معاشی اور سیاسی قوتیں اس وقت برحق طریقے سے استعمال ہوتی ہیں جب ان طاقتوں کے حامل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ طاقتیں اللہ نے بخشی ہیں اور ان لوگوں کے واسطے سے حاصل ہوئی ہیں جنھوں نے ان طاقتوں کے حصول میں بالواسطہ یا بلا واسطہ مدد کی ہے اور جن کی خدمت کے لئے یہ طاقتیں ملی ہیں۔ یہ خدمات انفرادی و سماجی حقوق و ذمہ داریوں کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایات کے مطابق منصفانہ طریقے سے استعال ہونا چاہئیں۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کو جنہیں قوت و طاقت حاصل نہیں ہے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے مضبوطی کے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے اور اپنے انسانی وقار سے کبھی دست بردار نہیں ہونا چاہئے اور نہ کبھی ناانصافی کے آگے جھکنا چاہئے، اور اپنی عقلی و اخلاقی صلاحیتوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔ ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تمہیں اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے، بے شک تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے'' [۶:۱۶۵]۔ جو لوگ صالح اعمال (صحیح و درست کام) انجام دیتے ہیں اور اپنی انسانی ذمہ داریوں کو پورا کر کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں وہی لوگ اپنے آپ کو عقلی، نفسیاتی اور روحانی لحاظ سے ترقی دینے کے راستے پر قائم ہیں۔ یہ لوگ اس زندگی میں انفرادی اور سماجی طور پر متوازن ہوتے ہیں اور آخرت کی یقینی زندگی میں یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمتوں کے حق دار ہوں گے۔

وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا

ور جب وہ دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟ بڑے آدمی کہیں گے کہ تم

كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

(بھی اور) ہم (بھی) سب دوزخ میں (رہیں گے) اللہ بندوں میں فیصلہ کر چکا ہے۔ (۴۰:۴۷ تا ۴۸)

یہاں مزید تاکید کے ساتھ فرد کی انفرادی ذمہ داری اور جواب دہی کا ذکر ہے جو اسے آخرت میں کرنی ہوگی، اور جو لوگ اس دنیا میں مگن ہیں اور آخرت کی زندگی کے منکر ہیں ان لوگوں کی کسمپرسی کا اس وقت کیا عالم ہوگا اس کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ جو کوئی بھی کسی کی پیروی کرتا ہے اسے اپنی عقل کا استعمال کرنا چاہئے اور وہ یہ دیکھے کہ وہ کس راستے پر چل رہا ہے اور اس کا انجام آخر کار کیا ہوگا۔ ایسے کسی شخص کی اندھی پیروی نہیں کرنی چاہئے جو اپنے پیروکاروں کی کوئی بھی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا اور نہ اٹھا سکے گا۔[مزید دیکھیں ۲:۱۶۶ تا ۱۶۷؛ ۶:۱۶۴؛ ۱۴:۲۱؛ ۱۷:۱۵؛ ۳۳:۶۷ تا ۶۸؛ ۳۴:۳۱ تا ۳۳؛ ۳۵:۱۸؛ ۳۹:۷؛ ۵۳:۳۸ تا ۴۰، نیز دیکھیں آیت ۲:۱۶۶ تا ۶۷؛ ۱۴:۲۱؛ ۳۴:۳۱ تا ۳۳ کی تشریح]۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ یہی لوگ ہیں جن کے کے لئے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی نیک اجر تیار) ہے اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے۔ (۲:۲۰۰ تا ۲۰۲)

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دل و دماغ میں اس زندگی کی حیثیت آخرت کے مقابلے کیا ہوتی ہے اوپر کی آیت میں اس کو بہت خوب صورت انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ آخرت کی زندگی کے ابدی ہونے کا یقین اس دنیا سے انسان کو بے رغبت رکھتا ہے، اس قدر کہ اس دنیا کے عیش و آرام آدمی کو اس دنیا کی مختصر سی مدت اور یقینی طور سے اس کے فنا ہونے کی حقیقت سے، اور اس کے بعد آخرت کی ابدی زندگی کی طرف سے، غافل نہ کر دیں۔ ایک سچا ایمان آدمی کو دونوں انتہاؤں کے درمیان میں متوازن رکھتا ہے کیوں کہ مومن کو دوسری زندگی کے انعامات اس دنیا میں اس کے کاموں کی قدر میں ہی ملیں گے [مزید دیکھیں ۲۸:۷۷]۔ جب تک انسان اس دنیا کے تعلق سے اپنا مطمحِ نظر درست رکھے گا اور وقتی طور پر پوری ہونے والی اپنی ذاتی خواہشات کا غلام نہیں بنے گا اور اپنی خواہشات پر قابو رکھے گا تبھی تک یہ دنیا اس کے لئے بہتر ہو سکتی ہے۔

اس دنیا کے معاملات میں توازن پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان مستقبل کے لئے منصوبے بناتے وقت اپنی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی صلاحیتوں کو مجموعی اور مربوط طریقے سے کام میں لائے اور اپنی روش کے انجام پر غور کرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر رہ جائے یا اس دنیا کی نعمتوں سے متوازن طور پر متمتع ہونے سے خود کو روک لے [دیکھیں ۷:

۳۱ تا ۳۲؛ ۱۸:۷، ۴۶]۔اسلام اوراس کے متبعین زندگی میں اعتدال کی راہ دکھاتے ہیں[۲:۱۴۳]اورافراط وتفریط سے بچاتے ہیں۔
یہ اسلام کا ایک بالکل مناسب اور معتدل رویہ ہے: وہ نہ تو اس زندگی کی نفی کرتا ہے اور نہ اس دنیا میں اتنا زیادہ مگن ہونے کی اجازت دیتا ہے کہ انسان اپنی عقلی وروحانی لیاقتوں کو ہی بھول جائے جن سے وہ اپنے اور دوسرے انسانوں کے مستقبل کو بہتر بنا سکتا ہے۔ یہ آیات اس لحاظ سے بطورخاص اہم ہیں کہ ان میں حج جیسی اہم عبادت کے بارے میں تعلیم دی گئی ہے جو کہ استطاعت رکھنے والے مرد اور عورت کو زندگی میں ایک بارضرور کرنی چاہئے۔عبادت کے ان مخصوص اعمال میں بھی اس زندگی کے فوائد اور آخرت کے فوائد کو سمیٹنے میں توازن پر زور دیا گیا ہے[۲:۱۸۱ تا ۱۸۶؛ ۵:۶؛ ۹:۱۰۳؛ ۲۲:۲۷ تا ۲۸؛ ۴۵:۲۹]۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب ابراہیم نے (اللہ سے) کہا کہ اے رب مجھے دکھا کہ تو مردہ کو کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ نے فرمایا کہ کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینانِ کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگوا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کروا دو) پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دو پھر اُن کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (۲:۲۶۰)

عربی کا لفظ 'جز' یہاں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے حصہ۔ چاروں پرندوں کو ٹکڑوں یا حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا اور ہر حصہ کو اس مقام کی ایک پہاڑی پر الگ الگ رکھا گیا تھا جہاں ابراہیم علیہ السلام بستے تھے۔ یہاں یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ چاروں پرندوں کو الگ الگ تقسیم کر کے پڑوس کی پہاڑی پر رکھا گیا تھا یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ پرندوں کو کاٹ کر الگ الگ ٹکروں میں کردیا گیا تھا۔ بہرحال الگ الگ ٹکڑوں کو الگ الگ پہاڑیوں پر رکھ دیا گیا اور پھر اللہ کے حکم سے، جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پکارا تو ان کے مختلف ٹکرے پھر سے آپس میں مل گئے اور پرندے پھر سے جوں کے توں جی اٹھے، اس طرح انہیں یہ دکھایا گیا کہ انسانی جسم کو دوبارہ کیسے بنا کر کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ البتہ لفظ 'صر' کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں تربیت دے کر سدھایا ہوگا تا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، اس آواز کو سن کر ان کی طرف پلٹ آئیں جس کا انہیں عادی بنایا گیا ہے۔ ابومسلم اصفہانی نے اس خیال کی تائید کی ہے کہ پرندوں کو چار الگ الگ جگہوں پر رکھا گیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اگر انسان اس پر قادر ہے کہ پرندوں کو یہ سکھا دے کہ جب انہیں آواز دی جائے تو وہ جہاں کہیں بھی ہوں چلے آئیں، تو اللہ کے لئے تو اور بھی آسان ہے، جس کی ساری مخلوق اس کی اطاعت کرتی ہے، کہ صرف ''کُن'' کہہ کر وہ انسان کو دوبارہ زندگی دے دے۔ لیکن اکثر مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ پرندوں کے اعضاء الگ الگ کر کے انہیں الگ الگ رکھا گیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خصوصی طور پر یہ معجزہ دکھایا تھا، یہ کوئی فطری مظاہرہ نہیں تھا۔
اس آیت کا دوسرا اہم سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کی جستجو میں بندوں کے اخلاص کے ساتھ کئے جانے سوال کو قبول کرتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے، یہاں تک خود پیغمبر ہی سوال کرتے ہیں جن کا ایمان اللہ پر مضبوط ہوتا ہے اور علم وسیع ہوتا ہے۔ اور یہ کہ مخلصانہ جذبے سے ایسا بے

با کا نہ سوال اللہ تعالیٰ سے بغیر اس اندیشے کے کیا جا سکتا ہے کہ وہ سوال کرنے والے کو دھتکار دے گا یا اس کا ایمان ضائع کر دے گا۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جس کی چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۸۴:۲)

اس آیت میں ہر فرد کی اس کے اپنے تمام اعمال کے لئے جواب دہی کو جتایا گیا ہے، چاہے وہ اعمال دانستہ ہوں یا نادانستہ اور چاہے وہ کھلے عام انجام دئے جائیں یا چھپ چھپا کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق، کوئی شخص اگر کسی برے کام کا ارادہ کرتا ہے لیکن اسے عمل میں نہیں لاتا تو اسے اس بات کا اجر ملے گا کہ اس نے برائی کا ارادہ ترک کر دیا (بہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾

جو شخص دنیا (میں عملوں) کی جزا کا طالب ہو تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کیلئے اجر (موجود) ہیں اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (۱۳۴:۴)

قرآن اس بات پر بار بار زور دیتا ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان انسان کو اس دنیا اور اس کی نعمتوں سے دور نہ کرے۔ بلکہ یہ ایمان اہل ایمان کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اس دنیا کی بہترین نعمتوں اور مسرتوں کو اعتدال اور توازن کے ساتھ برتیں۔ یہ ایمان ایک طرف انسان کی طبعی ضرورتوں کا لحاظ کرتا ہے اور دوسری طرف انسان کی بیش قیمت عقلی اور روحانی صلاحیتوں کو اہمیت دیتا ہے، ان میں سے کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اللہ اور آخرت پر ایمان کے ذریعہ انسان میں پیدا ہونے والے اس توازن سے انسان کو دونوں جہان میں اعلیٰ درجہ کے انعامات حاصل ہوتے ہیں: ''تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں بھی بدلا دیا اور آخرت میں بھی بہت اچھا بدلا (دے گا) اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے'' [۱۴۸:۳]۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

(ان سے) پوچھو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟ کہہ دو کہ اللہ کا۔ اُس نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔ (۱۲:۶)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی حاکمیت مطلق اور قدرت کے باوجود رحیم وکریم ہے۔ وہ اس دنیا میں بندوں کی رہنمائی کرتا ہے اور آخرت میں انہیں ان اچھے اعمال کا صلہ دے گا جو کہ خود انہی کے فائدے کے لئے ہیں۔ اللہ کی ہدایت پر چلنے سے انسان انفرادی اور سماجی دونوں

لحاظ سے توازن پر قائم رہتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ اس کا صلہ پاتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف، اللہ کی ہدایت کو مسترد کر دینے سے تمام انسانی استعداد کی تکمیل رک جاتی ہے اور انسان اس دنیا میں متوازن زندگی جینے سے محروم ہو جاتا ہے، اور آخرت میں ملنے والے صلہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَ هُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ اور کاش تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ فرمائے گا کہ کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) برحق نہیں ہے؟ تو کہیں گے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! (بالکل برحق ہے) اللہ فرمائے گا کہ اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب (کے مزے) چکھو۔ جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ گھاٹے میں آ گئے یہاں تک کہ جب اُن پر قیامت ناگہاں آ موجود ہو گی تو بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے، دیکھو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت بُرا ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ (۶:۲۹ تا ۳۲)

ان آیات میں سے پہلی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں عرب کے لوگوں میں ایسے بھی لوگ تھے جو قیامت اور آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ قرآن نے ایسے لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے اور ان کے انکار آخرت کے نظریے سے بحث کی ہے۔ اس طرح اللہ تعالی نے اہل ایمان کو یہ تعلیم دی کہ کسی بھی معاملہ میں ایمانداری اور معروضیت کے ساتھ تبادلہ خیال کرنا چاہئے، پہلے اپنے درمیان میں اور اگر دوسرے لوگ بھی مکالمہ و مباحثہ پر راضی ہوں تو ان کے ساتھ بھی۔ انسانی عقل کو محض مادی امور اور جسمانی راحتوں کے لئے استعمال کرنے تک محدود رکھنے سے انسان محض اپنے حیوانی وجود اور حیوانی کاموں تک ہی سکڑ کر رہ جائے گا۔ اعلی ترین عقلی سرگرمیوں، الہام وجدان اور فن کارانہ تخلیقیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کے پاس حواس کی قوت سے بالاتر روحانی اور عقلی لیاقتیں بھی ہیں۔ انسانی لیاقتوں کو جامع اور متوازن طریقے سے فروغ دینا فرد اور سماج دونوں کی ذمہ داری ہے، تاکہ تصوراتی قوت اعلیٰ تخیل کی کمی انسانی استعداد کو مضمحل نہ کر دے اور حقائق کے ناقص فہم کا سبب نہ بنے۔ یہ زندگی چاہے کتنی ہی پرلطف ہو، حسین ہو اس کے بارے میں سنجیدہ غور و فکر سے انسانی ذہن اس کی محدودیت، اس کے نامکمل ہونے اور اس کے عدم انصاف کو جان لیتا ہے۔ جو لوگ اس سنجیدہ غور و فکر سے اعراض کرتے ہیں وہ اچانک ہی اس کے نتائج دیکھ لیں گے، اور تب ان کی سمجھ میں یہ آ جائے گا کہ انھوں نے جو کچھ اس دنیا میں

کمایا اگر اس کا موازنہ ان انعامات سے یا عذاب سے کریں جو اس دنیا میں بھی کسی وقت آخر کار ملنے والا ہو اور یقینی طور سے آخرت میں تو ملے گا ہی، اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کی بات کو جھوٹ سمجھتے ہیں وہ لوگ اس وقت اپنا خسارہ دیکھ لیں گے جب آخرت کی گھڑی اچانک ان کے سامنے آجائے گی۔ بلاشبہ وہ لوگ خسارے میں ہیں جو اپنی جسمانی، عقلی اور روحانی ونفسیاتی طاقتوں میں، اور دنیا کی اس مختصر سی زندگی اور آخرت کی ابدی زندگی میں توازن برقرار نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ اس عدم توازن، کم نظری اور صرف چکا چوند میں کھوئے رہنے کے نتائج بھگتتے ہیں اس زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ جب کسی فرد کو اس عظیم غلطی احساس ہوتا ہے تو اتنی دیر ہو چکی ہوتی ہے کہ سمت بدلنے کا موقع نہیں رہتا، اور اپنے غلط رویہ کے انجام سے بچنے کا موقع جاتا رہتا ہے۔

وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ
فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ
عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ
اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ
يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَ
اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ
لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ﴿٥١﴾ وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ
حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ
شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَ كَذٰلِكَ
فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَ
كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُنہیں عذاب ہوگا۔ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے۔ کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتا ہے؟ تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے رُوبرو حاضر کئے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ) اُس کے سوا نہ تو اُن کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا، اُن کو اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کردو تاکہ پرہیزگار بنیں۔ اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں (اور) اُس کی ذات کے طالب ہیں اُن کو (اپنے پاس سے) مت نکالو اُن کے حسابِ (اعمال) کی جواب دہی تم پر کچھ نہیں اور تمہارے حساب کی جواب دہی اُن پر کچھ نہیں (پس ایسا نہ کرنا)، اگر اُن کو نکالو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے (کہ جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا کہ) بھلا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ اور جب تمہارے پاس ایسے

بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (اُن سے سلام علیکم کہا کرو، اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیکوکار رہوجائے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶:۴۸ تا ۵۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی مرضی و پسند کی آزادی کو سلب کرنے کے لئے نہیں بھیجا، بلکہ انہیں سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے بھیجا، اور یہ بتانے کے لئے بھیجا کہ اگر وہ اللہ کی ہدایت کا اتباع کریں گے تو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انہیں اس کا بہترین صلہ ملے گا، اور جو لوگ اپنی عقلیت وروحانیت کو نظر انداز کریں گے اور تھوڑی مدت کی لذتوں کے لئے خود اپنے یا دوسروں کے خیالات پر چلیں گے انہیں ان کی روش سے متنبہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی، نہ وہ کبھی اللہ کے خزانوں کے بارے میں اپنے علم واختیار کا دعویٰ کرتے ہیں، اور صرف اس پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان پر نازل ہوتا ہے۔ اس طرح ان کی ذمہ داری ان تمام لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی تھی جن تک ان کی دعوت پہنچ سکتی تھی، اور انھوں نے حق کے متلاشی کسی فرد یا جماعت سے اعراض نہیں کیا، چاہے اس جماعت کو دوسرے لوگ پسند نہ بھی کرتے ہوں یا انہیں حقیر سمجھا جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین نے انصاف کی جو تعلیم دی ہے وہ ان لوگوں کے پیغام اور عمل میں نظر آنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے ہوں کیوں کہ وہ بھی اس کے لئے اسی طرح جواب دہ ہوں گے جس طرح وہ لوگ جن کو دعوت دی گئی ہو اور پیغام پہنچایا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے انصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت یا طرف داری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اور اپنے باہمی تعلقات میں انصاف کو بروئے کار لانا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ طاقت ور ہوں یا کمزور اور امیر ہوں یا غریب۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور انصاف کو اپنانے سے ان کے عمل میں نفسیاتی اور سماجی مضبوطی اور توازن آئے گا اور اس دنیا میں بھی اور آخرت کی دائمی زندگی میں بھی انہیں مسرت حاصل ہوگی۔ البتہ، اللہ تعالیٰ اپنے مستقل فضل سے نوازنے کے لئے کچھ خاص لوگوں کو متعین نہیں کرتا اور نہ مستقل لعنت میں مبتلا رکھنے کے لئے کچھ خاص لوگوں کو مقرر کرتا ہے۔ جو کوئی بھی کسی برائی میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لئے اس برائی سے رک جانے، توبہ کرنے اور راست روی اختیار کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ خود یہ فرما رہا ہے کہ ''اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کرلیا ہے''، وہ خود ہی اپنے آپ کو ''غفور ورحیم'' کہتا ہے۔ دوسرے مقامات پر بھی اس نے اپنی یہ شان بتائی ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور عذاب دینے میں بھی شدید ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں ان سے انسانی ذہن کو وہ کچھ سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو انسان کی وسعت خیال سے بھی پرے ہے، چاہے وہ خود خدا کی ہستی ہو یا اس دنیا میں اپنی مخلوقات سے اس کے تعلق کی نوعیت ہو، یا اس کے فیصلہ و جزا کا معاملہ ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت و مغفرت ہو۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا

کہو کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو بتائیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں پھر اگر وہ (آ کر) گواہی دیں تو تم اُن کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ اُن

تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ۝

لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرنا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور (بتوں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ (۶:۱۵۰)

الٰہی قانون اللہ اور یوم آخرت پر ایمان پر مبنی ہے اور اس کی ہدایت پر منحصر ہے۔ کوئی اہل ایمان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے قانون میں کیا پسند ہے، کیوں کہ مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قریب تر ہے اور اس بات سے باخبر ہے کہ اس کا دعویٰ کیا ہوگا۔ وہ محشر کے دن یقینی طور سے اللہ تعالیٰ سے ملے گا، جہاں اس کے پاس کوئی عذر اور بہانہ نہیں ہوگا۔ جب کہ دوسری طرف، بعض دوسرے لوگ ایسے ہوں گے جو یہ تاویل کریں گے کہ انھوں نے دوسروں کے بہکاوے میں آکر اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا، اور وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور عذاب سے بے خوف ظاہر کریں گے۔ یہ دونوں فریق ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے، نہ کوئی سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی کی کامیابی کا لازمی عنصر ہے کہ یہ ایمان کے ساتھ ساتھ کام کرتا ہے، اور مومنوں کا قانون پر چلنا اس کے اس ایمان کی وجہ سے آسان ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کے ہر عمل کی اللہ تعالیٰ نگرانی کر رہا ہے، اور یہ کہ آخرت میں اسے اللہ کے فیصلے اور صلہ کا سامنا کرنا ہے۔

الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ يَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا‌ ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ ۝

جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ (۷:۴۵)

کج ذہن لوگ اللہ کے پیغام میں تحریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے دور کر دیں، یا اپنی کجروی اور فکر و عمل کے بگاڑ کی توجیہ کریں۔ اس مختصر سی زندگی کی وقتی شادمانیوں تک ہی خود کو محدود رکھنے اور آخرت کی زندگی کو نظر انداز کرنے یا اس کا انکار کرنے سے آدمی کے اندر خود غرضی، کم نظری اور فریب خیالی پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے و دوسروں کے سوچ و سلوک سے دھوکہ کھاتا ہے۔ اس طرح کی چھوٹی سوچ رکھنے والے (مرد یا عورت) کو کسی دوسرے کو صحیح راستے سے بھٹکانے میں مزہ آتا ہے۔ لیکن جو کوئی بھی حقائق سے منھ موڑتا ہے اور حق کو مشتبہ بناتا ہے وہ خود اپنی عقل اور اخلاقیات کو مسخ کر کے برباد ہو جاتا ہے۔

وَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ‌ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلا ملے گا۔ (۷:۱۴۷)

جو لوگ اس عارضی زندگی کی وقتی لذتوں میں مگن رہتے ہیں ان کے کاموں کو قرآن بار بار بے نتیجہ اور بے فائدہ بتاتا ہے (قرآن میں لفظ حبط استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آخر کار بے نتیجہ رہنا، یہ لفظ قرآن کی ۱۶ آیتوں میں استعمال ہوا ہے)۔ عقل سے کام نہ لینے اور ضمیر کی آواز کو دبانے کا لازمی نتیجہ نفسیاتی اور سماجی عدم توازن ہے اور اس سے انانیت و مادہ پرستی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان افراد کے رویہ کو قابو اور توازن میں رکھتا ہے اور اسی سے سماج میں لوگوں کے باہمی تعلقات میں توازن رہتا ہے۔ یہ عقیدہ نہ ہونے پر اس زندگی کے نشیب و فراز کا سامنا کرنے میں انسان کی توانائی ضائع ہوتی ہے کیوں کہ وہ کبھی تکبر و برتری کے احساس میں مبتلا ہوتا ہے اور

کبھی احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے، اور اس کے اندر خود پسندی کا جذبہ بنا رہتا ہے۔ جب کوئی فرد اس زندگی کے سفر کے اختتام پر پہنچتا ہے جو کہ لازمی طور سے آنا ہی ہے، اور اس صورت حال سے اس کا سامنا ہوتا ہے جس کا وہ انکار کرتا رہا ہے یا کرتی رہی ہے تو اس کی تیزی سے گزری ہوئی اس زندگی کی بے فیضی ظاہر ہوجاتی ہے اور حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہوکر اس کے سامنے کھل جاتی ہے، اور ایسی زبردست اذیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ہمیشہ جاری رہیں گی اور کبھی ختم نہ ہوں گی۔

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ
زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ وَ
الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷ وَ يَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ
اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ
شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۸ هُنَالِكَ
تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ
الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۳۰

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ جن لوگوں نے نیکوکاری کی اُن کے لئے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی، اور اُن کے چہروں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی، یہی جنتی ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنہوں نے بُرے کام کئے تو بُرائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور اُن کے چہرون پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی اُن کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا اُن کے چہروں (کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ اُن) پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دیئے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم اُن میں تفرقہ ڈال دیں گے اور اُن کے شریک (اُن سے) کہیں گے کہ تم ہمیں تو نہیں پوجا کرتے تھے، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کر لے گا اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب اُن سے جاتا رہے گا۔

(۱۰:۲۵ تا ۳۰)

یہ بڑی اہم بات ہے کہ آخرت کی زندگی میں ملنے والی ابدی جنت کو قرآن میں ''سلامتی کا گھر'' کہا گیا ہے، سلامتی یعنی ''السلام'' اللہ کی ایک صفت ہے۔ جنت دار السلام ہے اور اللہ تعالیٰ ''السلام'' ہے، ان دونوں الفاظ کا مادہ 'اسلام' ہے، یعنی وہ عقیدہ جو اس دنیا میں فرد اور سماج کو توازن، سکون اور اطمینان عطا کرتا ہے۔

یہاں قرآن آخرت کی زندگی کے کچھ نظارے بیان کرتا ہے، اور یہ بیانات بائبل میں پیش کئے گئے بیانات سے زیادہ واضح، متعین اور مفصل ہیں۔ قرآن میں جنت کو ''امن کا گھر'' کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں مستقبل کا کوئی خوف واندیشہ نہیں ہوگا، حالت حاضرہ پر کوئی مایوسی نہ ہوگی اور ماضی کا کوئی رنج نہ ہوگا۔ جو لوگ اس زندگی میں اچھے اعمال انجام دیتے ہیں وہ آخرت کی زندگی

میں فضل وانعام پائیں گے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو اس زندگی میں برے کام کرتے ہیں وہ اپنے برے کاموں کا برا انجام دیکھیں گے، اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہوگی۔ یہ لوگ اس زندگی میں بعض اوقات افسردگی میں مبتلا ہوتے ہیں، اور آخرت کی زندگی میں وہ یقینی طور سے اپنے ماضی پر پچھتائیں گے اور رنجور ہوں گے اور اپنے مستقبل کے بارے میں یقینی انجام سے خوف زدہ ہوں گے۔ انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، وہ بھی نہیں جن کو انھوں نے اپنی عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا ہوگا، جب کہ اچھے اعمال کرنے والے ہر خوف واندیشے سے مامون ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فیض یاب ہوں گے۔

آخرت کی زندگی میں تکلیفیں جھیلنے والوں اور لطف اندوز ہونے والوں کی اس روشن منظر نگاری کو ابھارتے ہوئے قرآن انفرادی جواب دہی پر زور دیتا ہے: ''وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کرلے گا اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب اُن سے جاتا رہے گا۔'' اس پر اثر منظر نگاری اور خبر داری کا مقصد ہر فرد کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ آخرت کی زندگی میں لطف حاصل کرنے اور وہاں کی اذیتوں سے بچنے کے لئے اس دنیا میں سخت محنت کرے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ
اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ
حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اُس کی زیب وزینت کے طالب ہوں ہم اُن کے اعمال کا بدلہ اُنہیں دنیا ہی میں دیدیتے ہیں اور اس میں اُن کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہوگئے۔ (۱۱:۱۵ تا ۱۶)

اللہ تعالیٰ کا نظام انصاف یہ ہے کہ اس نے اس دنیا کو انسان کی آزمائش کی جگہ بنایا ہے، جو لوگ اس دنیا کے مادی فائدوں کے حصول کے لئے محنت کرتے ہیں انہیں ان کی محنت کا بھرپور صلہ اس دنیا میں ملے گا چاہے ان کا عقیدہ جو کچھ بھی ہو۔ سورج اور چاند، ہوا اور پانی، دریا اور ندیاں، مفید پیڑ پودھے اور حیوانات اور تمام قدرتی وسائل بلاتفریق تمام انسانیت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کے حوالے سے ہر فرد کو جانچا جائے گا اور آخرت کی زندگی میں اس کا نتیجہ اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس دنیا کے وسائل میں مومنوں کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی خصوصی چھوٹ نہیں ہے، انہیں بھی کام اور محنت کرکے ہی ان وسائل سے استفادہ کرنا ہے، کوئی معجزاتی اور مفت انعام ان کے لئے نہیں رکھا گیا ہے: ''ہم ان کو (بھی جو آخرت کی بھلائیوں کے طلب گار ہیں) اور ان سب کو (بھی جو اس دنیا میں فوری حاصل ہونے والے فائدوں کے حصول میں لگے رہتے ہیں) تمہارے رب کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمہارے رب کی بخشش کسی سے رُکی ہوئی نہیں ہے'' [۱۷:۲۰]۔ البتہ اللہ پر اور آخرت کی زندگی پر ایمان سے اس دنیا میں فرد اور سماج کو ایک متوازن زندگی جینے کا شرف ملتا ہے، اور اگر اہل ایمان بھی محنت کریں گے تو اس دنیا کے مادی، نفسیاتی اور سماجی فوائد انہیں بھی اور زیادہ حاصل ہوں گے، اور یہ انفرادی وسماجی استحکام کا نتیجہ ہوگا، نا کہ کوئی کرشماتی انعام کہ جو مومنوں کو دیا جائے اور دوسروں کو نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ
لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا

جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں پھر اُس کے لئے جہنم کو

مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَ
ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿۱۹﴾ کُلًّا
نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ وَ ہٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَ مَا کَانَ
عَطَآءُ رَبِّکَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ
عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ اَکۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَکۡبَرُ
تَفۡضِیۡلًا ﴿۲۱﴾

(ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ بُرے حال میں، (بارگاہ الٰہی) سے راندہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اُسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو، ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوتی ہے۔ ہم ان کو اور ان سب کو تمہارے رب کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمہارے رب کی بخشش کسی سے رُکی ہوئی نہیں۔ دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔ (۱۷:۱۸ تا ۲۱)

ان آیات میں بھی (گزشتہ آیات ۱۱:۱۵ تا ۱۶ کی طرح) ایک بار پھر اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی بھی کام کرتا یا کرتی ہے اسے اس کے کام کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے، چاہے اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا انصاف ہر انسان کو، بلکہ ہر زندہ مخلوق کو، یہ موقع دیتا ہے کہ قدرت کے وسائل: روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے فائدہ اٹھائے، اور یہ اس کے اپنے اوپر ہے کہ وہ ان وسائل کو اچھے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے یا غلط مقاصد کے لئے۔ اللہ پر اور آخرت کی زندگی پر ایمان اس دنیا کی زندگی میں انفرادی اور سماجی استحکام کو بڑھاتا ہے، اور ان کا عظیم تر صلہ آخرت کی زندگی میں مومنوں کو حاصل ہوگا۔ البتہ، اس دنیا کی زندگی میں کوئی بھی فرد اپنی کوششوں کی بدولت ایک طے شدہ حد تک اپنے لئے فوائد سمیٹ سکتا ہے لیکن انسانی عقل کی استعداد کو نظر انداز کرنے کا اثر اس زندگی پر پڑے گا، اور آخرت کی زندگی میں فرد کا مستقبل برباد ہوجائے گا۔ جو لوگ دنیاوی مادی فوائد سے زیادہ کچھ حاصل کرنا نہیں چاہتے، وہ ان مادی فوائد کو تو حاصل کر سکتے ہیں اور ان کا بے جا استعمال کرنے پر بھی قادر ہو سکتے ہیں، البتہ جو لوگ وسیع الذہن اور دور اندیش ہیں وہ اپنے فکر و عمل میں اس دنیا کی زندگی سے بھی آگے کے فوائد و نقصانات کا خیال رکھتے ہیں اور اس دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کا فضل حاصل کرتے ہیں، کیوں کہ یہاں صلہ پانے کے لئے بھی وہ کام کرنے کی شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ جب اخلاق کی بنیاد اللہ پر اور آخرت کی زندگی میں یقین پر ہوتی ہے، تو اخلاقیات کی نفسیاتی اور سماجی جڑیں بہت گہری ہوجاتی ہیں، اور عوام نیز تمام انسانی سرگرمیوں میں باہم تعامل پر اس کے اثرات بہت وسیع ہوتے ہیں۔

تاہم، اس دنیا کی زندگی میں ایمان اور اخلاقیات محنت و مشقت میں نظر آنی چاہئیں تاکہ خالق فطرت نے جو قوانین فطرت بنائے ہیں ان کے مطابق اس محنت کا اچھا صلہ ملے۔ اللہ اور آخرت کی زندگی پر ایمان اہل ایمان کی پیداواری صلاحیت کو بڑھاتا ہے، کیوں کہ اس ایمان کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں کام کرتے ہوئے پیش آنے والے اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنے میں زیادہ متوازن اور مستحکم ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ راحت و آرام کی حالت میں شکر گزار ہوتے ہیں اور تنگی و مشقت کی حالت میں صبر کرتے ہیں (حدیث رسول ﷺ، بہ روایت ابن حنبل و ابن ماجہ)۔ اس طرح اہل ایمان دنیا کی اس زندگی میں جس حالت میں بھی ہوں، بھلائی کماتے ہیں اور آخرت کی زندگی میں یہاں سے کہیں زیادہ بہتر صلے اور انعامات پائیں گے۔ جو لوگ اپنی جسمانی، عقلی اور روحانی طاقتوں کو مجموعی طور پر کام میں لائیں گے وہ دنیا کی اس زندگی میں زیادہ کامیاب ہوں گے بہ مقابلہ ان کے جو صرف مادی فوائد پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، کیوں کہ مادی و روحانی دونوں پہلوؤں پر توجہ دینے والے لوگ دنیا میں کامیابی و ناکامی کے حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں زیادہ استقلال اور توازن پر قائم رہتے

ہیں۔لیکن ان دونوں طرح کے مطمحِ نظر کا بنیادی فرق آخرت کی زندگی میں نظر آئے گا، جہاں کم نظر مادہ پرست لوگ نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے، کیوں کہ ''آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے''۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔ (۴۲:۲۰)

اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں ہر ایک کو اس کے کام کا صلہ دیتا ہے،لیکن آخرت کی زندگی میں وہ لوگوں کو ان کی نیتوں، اور فرائض کی تکمیل کا صلہ دے گا۔البتہ اللہ اور آخرت کی زندگی پر یقین فرد کو اپنی عقلی اور روحانی طاقتوں کو کارآمد بنانے کا موجب بنتا ہے اور انفرادی و سماجی استحکام و توازن لاتا ہے [نیز دیکھیں ۱۱:۱۵ تا ۱۶؛ ۱۷:۱۹ تا ۲۰]۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور کافر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں اور دنیا کی زندگی کا آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے۔ (۱۳:۲۶)

اللہ تعالیٰ انفرادی صلاحیتوں اور ہنر کی صورت میں اور قدرتی وسائل کے بطور لوگوں کو جو کچھ بھی بخشتا ہے اس کی کمیت و کیفیت الگ الگ ہوتی ہے۔لیکن ہر فرد کا امتحان اسی چیز میں ہے جو کچھ اسے بخشا گیا ہے، اور اگر انسانوں کی توانائیاں صحیح طریقے سے استعمال ہوں اور باہمی تعاون سے کام لیا جائے جو کہ انسانوں کے درمیان مطلوب اور لازم ہے تو کوئی انسان یا کوئی علاقہ توانائی اور وسائل کی کمی سے برباد نہیں ہوگا۔انسانوں کی صلاحیتیں اور توانائیاں تمام لوگوں کا مشترک خزینہ ہیں، جس سے ایسا شخص بھی اپنی لیاقتوں کی بدولت اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے جو کسی مالدار گھرانے میں پیدا نہ ہوا ہو یا وہ اپنی روزی حاصل کرنے میں پوری طرح نااہل ہو۔اور، قدرتی وسائل سے محروم یا کم وسائل والی زمین عوام کی آمدنی کے دیگر ذرائع کو فروغ دے سکتی ہے جس کا انحصار خدمات اور بین الاقوامی تعاون پر ہے۔جو افراد یا قومیں مال دار ہیں ان کا امتحان اس بات میں ہے کہ وہ اپنی دولت کو کس طرح برتتے ہیں اور خود اپنے وعوام کے فائدے کے لئے کتنا و کیسے استعمال کرتے ہیں، جب کہ وہ افراد اور قومیں جو اپنی زندگی کی شروعات سخت حالات سے کرتے ہیں ان کا امتحان اس بات میں ہے کہ وہ اپنی بقا اور فروغ کے لئے اپنی صلاحیتوں اور ہنر کو کس طرح کام میں لاتے ہیں، اور دوسروں کے ساتھ کتنا تعاون کرتے ہیں۔ یہ توازن اور تعامل اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسانی سوجھ بوجھ اور تصورات زندگی کو اس نہایت ہی مختصر سی دنیاوی زندگی کی حدود تک محدود نہ رکھا جائے۔

خوش امیدی، حرکت، توازن اور انصاف آخرت کی زندگی میں یقین سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔اس نقطہ نظر سے، ان افراد اور قوموں کو جو مالا مال ہیں اپنی دولت سمجھ داری اور ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے، اور جو لوگ خود کو ان حالات میں نہیں پاتے انہیں ناامید نہیں ہونا چاہئے اور اپنی توانائی و توقیر نہیں کھونی چاہئے اور اپنی بدحالی پر قابو پانے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔اگر ٹھیک سے

سمجھا جائے تو آخرت کی زندگی میں یقین، انسانی سرگرمی اور کارکردگی کو بڑھائے گا اور فروغ دے گا اور اس دنیا میں استحکام لائے گا۔

وَ اِنۡ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ وَ عَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾

اور اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہیں دکھائیں (یعنی تمہارے رُوبرو ان پر نازل کریں) یا تمہاری مدتِ حیات پوری کردیں (یعنی تمہارے انتقال کے بعد عذاب بھیجیں) تو تمہارا کام (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ (۱۳:۴۰)

یہ آیت اس حقیقت پر اصرار کرتی ہے کہ محمد ﷺ ایک انسان ہی تھے جن کی ذمہ داری اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچانا تھا اور لوگوں پر وہ کوئی پہرے دار نہیں تھے، اور یہ کہ ہر شخص آخرت کے دن صرف اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ یہ تاکید ایسے کسی شخص کو جو کہ لوگوں کی تعلیمی یا سیاسی قیادت کرنے کا خواہش مند ہو اور ایسے اختیارات کا دعویٰ کرے جن کا وہ مجاز نہیں، یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ ایسا کرے۔ ہر فرد کے رویوں اور اعمال کی جانچ صرف اللہ تعالیٰ کرے گا، کیوں کہ وہی ہے جو ہر شخص کے تمام ظاہر اور پوشیدہ حالات کو جو کسی بھی موقع پر اس کے ساتھ پیش آئے ہوں، جانتا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لئے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش وہ (اسے) جانتے۔ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۱۶:۴۱ تا ۴۲)

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مکی دور میں آپ پر ایمان لانے والوں کے ساتھ جو ظلم وزیادتی کی جارہی تھی اس کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کے لئے مومنوں کا ایمان آخرت کی زندگی پر پختہ کرنے کی غرض سے ان کے اس ایمان کی لگاتار افزائش کی گئی۔ کچھ لوگوں کو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور جس ماحول میں وہ سکون کے ساتھ رہ رہے تھے اس ماحول کو ان سے چھینا گیا۔ قرآن نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کے لئے اس دنیا میں ایک اچھا مقام ہوگا، چاہے وہ ان کا وہی مقام ہو جہاں وہ پہلے سے بستے ہیں اور اس مقام پر انہیں واپس لوٹا دیا جائے، یا کوئی دوسرا مقام ہو جو ان کا وطن بن جائے۔ اس کے علاوہ، آخرت کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے عظیم تر اور یقینی صلہ ہوگا جنہوں نے اس دنیا میں اللہ کی خاطر تکلیفیں اٹھائی ہوں گی، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو جبر وستم کو جھیلتے ہوئے ہی اس دنیا سے چلے گئے ہوں اور دنیا میں انہیں اچھا مقام نہ مل سکا ہو۔

وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیۡ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اُسے نکال دکھائیں

كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ﴿١٤﴾

گے جسے وہ کھلا ہو دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (۱۷: ۱۳ تا ۱۴)

کسی شخص کی تقدیر توہم، پرندوں کی حرکتوں، ستاروں کی چال، شگون یا کسی بھی مخلوق کے کسی عمل پر منحصر نہیں ہوتی۔ یہ ہر فرد کے اپنے اعمال پر منحصر ہوتی ہے، یہ اعمال چاہے جیسے بھی ہوں، یہ اعمال پوری طرح دفتر میں محفوظ ہوں گے اور محشر کے دن ہر شخص کے اعمال اس کے سامنے لائے جائیں گے۔ پوری طرح درست اس ریکارڈ سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکے گا، اور ہر شخص کو اپنے اعمال کا اعتراف کرنا ہی ہوگا، اور اس طرح وہ مرد یا عورت اپنا حساب خود ہی پیش کرے گا یا کرے گی اور اپنے خلاف خود ہی گواہی دے گا یا دے گی۔

وَ قَالُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿٤٩﴾ قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ﴿٥٠﴾ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ‌ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ يُّعِيۡدُنَا‌ ؕ قُلِ الَّذِىۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ۚ فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ وَ يَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ‌ ؕ قُلۡ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ﴿٥١﴾ يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَ تَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿٥٢﴾

اور کہتے ہیں کہ جب ہم (مرکر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہو کر اُٹھیں گے۔ کہہ دو کہ (خواہ تم) پتھر ہو جاؤ یا لوہا، یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو۔ (جھٹ کہیں گے) کہ (بھلا) ہمیں دوبارہ کون جلائے گا؟ کہہ دو کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ کہہ دو اُمید ہے کہ جلد ہوگا۔ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اُس کی تعریف کیساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔ (۱۷: ۴۹ تا ۵۲)

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا قیامت اور آخرت کے بارے میں قرآن کے دلائل پوری طرح واضح ہیں۔ قرآن کے قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے الگ الگ فریق اس کے سامنے اپنے دلائل رکھ رہے ہیں، ایک دوسرے کو چیلنج کر رہے ہیں اور دلائل ورد دلائل کا ایک سلسلہ اس کے سامنے ہے۔ ان فریقوں کی ادائیں جیسے سر ہلانا، یا بھویں سکوڑنا وغیرہ کی بھی تصویر نگاری کی گئی ہے۔ اس طرح قرآن اہل ایمان کو دوسروں کے سامنے اخلاقی اور معروضی طریقے سے دلائل رکھنا سکھاتا ہے، اور دوسروں کے ان دلائل کو سننے کی تعلیم دیتا ہے جو وہ مہذب طریقے سے پیش کریں، اور ان کی کسی بات سے دل برداشتہ نہ ہوں۔

ایک فریق یہ سوال کرتا ہے کہ کیا مرنے کے بعد جب بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے تو نئے سرے سے پیدا ہوں گے! ان کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ پتھر یا لوہا بھی بن جائیں یا کوئی ایسی چیز بن جائیں جس کا فنا ہونا یا جس میں زندگی پڑنا ناممکن ہو، تو بھی یہ اللہ کی قدرت سے باہر نہیں کہ وہ ان میں جان ڈال دے اور دوبارہ سے پیدا کر دے۔ کوئی شخص شک وشبہ میں اپنا سر ہلاتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ معجزہ کب ہوگا؟ کوئی بھی انسان اس کا صحیح وقت نہیں بتا سکتا، وہ گھڑی یقینی طور سے آئے گی لیکن اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہ جب چاہے گا تب آئے گی۔ یہ اچانک ہی آجائے گی، اور اس وقت ہر شخص یہ محسوس کرے گا یا کرے گی کہ اس کی پچھلی زندگی بہت ہی چھوٹی تھی اور اس کا خاتمہ بہت ہی جلدی ہو گیا۔ قرآن اس طرح کہتا ہے کہ زمین پر انسان کو اپنی زندگی ایسی لگے گی کہ ''بس ایک گھڑی دو گھڑی'' بہ نسبت آخرت کی ابدی زندگی کے، جیسا کہ قرآن کے عظیم مفسرین زمخشری اور طبری وغیرہ نے تشریح کی ہے۔ اس دن اللہ کی تسبیح عملی طور پر

معجزاتی طور پر نئی زندگی ملنے سے ہوگی جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے، دوبارہ پیدا ہونے والے یا اہل ایمان کر رہے ہوں گے، یا تمام وہ انسان کریں گے جنہیں دوبارہ پیدا کیا گیا ہوگا قطع نظر اس کے کہ ان کے عقائد کیا تھے۔ پچھلی زندگی میں انسان کتنا ہی کم نظر رہا ہو لیکن نئے سرے سے پیدا کئے جانے پر ہر ایک کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اللہ رب العزت کی نا قابل تردید حقیقت، اس کی بے مثال قدرت اور دنیا کی اس مختصر سی زندگی کے بعد اس کے فیصلہ کو دیکھ کر لوگوں کی عقلیں دنگ رہ جائیں گی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہو تو ہم نے تمہیں (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے، پھر اُس سے نطفہ بنا کر، پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تا کہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مرجاتے ہیں اور بعض (بوڑھے ہو جاتے اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔ اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے۔ ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ ہی (قادرِ مطلق ہے جو) برحق ہے اور یہ کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اٹھائے گا اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ (کی شان) میں بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے۔ (۲۲:۵ تا ۷)

یہاں قیامت اور آخرت سے متعلق ایک اور دلیل دی گئی ہے، اور یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ تخلیق انسانی کے مختلف مراحل خود یہ ظاہر کرتے ہیں خالق اکبر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے دوبارہ زندگی دے سکتا ہے جسے اس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔ ماہرین حیاتیات یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی زندگی کی ابتداء وارتقاء کا جو نقشہ قرآن پیش کرتا ہے وہ کس قدر درست ہے، کہ نطفہ کا ایک قطرہ کس طرح بیضہ کے ساتھ مل کر خون کا لوتھڑا بنتا ہے، پھر یہ لوتھڑا رحم میں ترقی کر کے ایک گانٹھ جیسا سخت ٹکڑا بن جاتا ہے جو ایک مقررہ مدت تک رحم میں پرورش پاتا رہتا ہے اور وقت آنے پر ایک انسانی وجود کی شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر نکل آتا ہے۔ پھر اس ننھے وجود کی نشوونماء کا سلسلہ شروع ہوتا

ہے، طفولیت سے بلوغت تک کے مرحلے طے ہوتے ہیں، بلوغت سے جوانی اور پھر جوانی سے بڑھاپے کی منزلیں آتی ہیں اور انسان کی زندگی اسی طرح کی کمزوری کی طرف پلٹ جاتی ہے جیسی کمزوری اس کو طفولیت کے زمانہ میں ہوتی ہے۔ اس تصویر کشی کے ذریعہ اس آیت میں یہ غور کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ دیکھو کس طرح خالق حقیقی انسان کو پیدا کرتا ہے اور ترقی دیتا ہے، اور اسی طرح جب وہ چاہے گا تو مردہ وجود کو دوبارہ زندگی بخش دے گا۔

ہمارے چاروں طرف زندگی کے نظارے مختلف شکلوں اور مختلف حالتوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ زمین سوکھ کر مردہ ہو جاتی ہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ پانی نہیں برساتا یہ بنجر بنی رہتی ہے، پانی برسنے سے اس کے اندر زندگی لوٹ آتی ہے اور پیڑ پودھے اگنے لگتے ہیں اور طرح طرح کے رنگوں سے مزین بہار چھا جاتی ہے، اور یہ سب کچھ ہر پودے کی دو صنفوں کے جوڑ سے اور ان کے باہمی تعامل سے ہونے والی زرخیزی و تخلیقی عمل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان رنگ برنگ حسین نظاروں کا خالق یقینی طور سے ایک نئی زندگی اور نیا جہاں تخلیق کر سکتا ہے۔ انسان کو اپنی جسمانی نشوونماء سے اپنی روحانی نشوونماء کی طرف توجہ دینی چاہئے جو جسم کے ساتھ مل کر ایک صحت منداور متوازن انسانی زندگی کی تشکیل کرتی ہے۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ قَالَ الْمَلَاُ
مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ
اَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا
تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ
تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ
لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ
نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ
انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ
نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ
غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ

اور ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا (جس نے ان سے کہا) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے، جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور پانی جو تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مرجاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اے اللہ! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر۔ فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ تو ان کو (وعدۂ برحق کے مطابق) زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے اُن کو کوڑا کر ڈالا، پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔ پھر ان کے بعد

بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا
وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا
جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ
جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

ہم نے اور جماعتیں پیدا کیں، تو کوئی جماعت اپنے وقت سے نہ آگے جاسکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے۔ جب کسی اُمت کے پاس اُس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اُسے جھٹلا دیتے تھے تو ہم بھی بعض کو بعض کے پیچھے (ہلاک کرتے اور اُن پر عذاب) لاتے رہے اور اُن کے افسانے بناتے رہے۔ پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت ہے۔ (۲۳:۴۲تا۴۴)

ان آیات کا مقصد کچھ خاص پیغمبروں کا قصہ بیان کرنا اور یہ بتانا ہی نہیں ہے کہ ان کی قوموں نے ان کے لائے پیغام کو کس طرح سے لیا، بلکہ اس بات کو جتانا مقصود ہے کہ ان کی قوم کے برے لوگوں نے اللہ کے پیغام کی حقانیت کو جس طرح سے مسترد کیا اور جو کچھ حیل حجتیں انھوں نے پیش کیں وہ تقریباً ایسے ہی تھیں جیسے کہ قرآن کے پیغام کو مسترد کرنے والے لوگ کر رہے ہیں۔ یہاں آخرت سے متعلق ایک اور زبردست دلیل دی گئی ہے۔ جو لوگ اس زندگی کی عارضی لذتوں میں کھوئے ہوئے تھے اور جنھوں نے آخرت کی زندگی کا انکار کیا انھوں نے ایک وسیع تر مطمحِ نظر والے کسی دوسرے شخص کو بھی قبول نہیں کیا۔ وہ لوگ حال کی سرمستیوں میں پوری طرح مگن تھے اور آخرت کا انکار کرنے کے لئے انھوں نے اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کو ترجیح دی۔ یہ آیات اس بات کو اجاگر کرتی ہیں کہ زندگی کی مادی آسائشیں آدمی کی سوچ و فکر کو اپنی جسمانی خواہشات سے آگے بڑھنے سے روکے رکھتی ہیں اور انسان کی عقل، اس کے تصورات اور اس کی روحانیت کے زوال کا سبب بنتی ہیں۔ ناعاقبت اندیشی اور کم نظری نے ایسے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے جو اپنا آخری وقت آجانے کے وقت سوکھی ہوئے پتوں کی طرح جھڑ گئے اور صرف ماضی کا فسانہ بن کر رہ گئے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ
اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آ ؤ گے؟ تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اُس کی شان) اس سے اونچی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش بزرگ کا مالک ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اُس کے پاس کچھ سند نہیں تو اُس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہو گا، کچھ شک نہیں کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔ اور اللہ سے دعا کرو کہ میرے رب! مجھے بخش دے اور (مجھ پر) رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (۲۳:۱۱۵تا۱۱۸)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اور اس کی حکمت و قدرت پر ایمان رکھنے والا شخص کبھی بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ دنیا اللہ نے بے مقصد بنائی ہے۔ ہر انسان کو ایک آزاد مرضی دی گئی ہے۔ پھر ان مختلف مقاصد اور طرح طرح کے کام انجام دینے والے لوگوں کو اس بات کا فیصلہ کئے بغیر کیسے چھوڑا جاسکتا ہے کہ کون سا عمل اور رویہ صحیح تھا اور کون سا غلط۔ اگر کوئی فیصلہ نہیں ہونا ہے تو کیا ایک ایسا شخص جسے دنیا میں انصاف نہیں مل سکا، ہمیشہ کے لئے انصاف سے محروم رہے گا؟ دنیا میں دکھ درد اور تکلیف کوئی کس لئے اٹھائے؟ کیا اچھے اور برے

دونوں طرح کے لوگوں کا انجام بس ان کی موت اور قبر میں ان کا چلے جانا ہے؟ اللہ کے فیصلہ اور جزوسزا میں یقین گویا کہ اس کی حکمت، اس کے انصاف اور ہر کمی سے اس کے مبرا اور پاک ہونے پر ایمان رکھنا ہے، ان باتوں کو اللہ پر ایمان سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ پر ایمان سے اس یقین کو الگ نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، جو رب العالمین ہے، جس کی ذات برحق ہے، اور جو مالک الملک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو رب پکارنا، یا اس کی طرف پلٹ کر جانے سے انکار کرنا ایسے زبردست منطقی، نفسیاتی اور سماجی مسائل کھڑے کرتا ہے جن سے بچا نہیں جاسکتا، اور جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ انسانی کمزوریاں اس دنیا میں ان کی زندگی کو آسان بناتی ہیں، اس دنیا کی زندگی میں دقتیں اٹھائیں گے، اور آخر کار جواب دہی کا سامنا کریں گے، اگر اپنی غفلت کی وجہ سے نہیں تو کم سے کم اس قصور کی وجہ سے کہ آخرت کے بارے میں انھوں نے خود کو اور دوسروں کو فریب میں رکھا۔ ''حق کا انکار کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے اور فوز و فلاح نہیں پائیں گے'' جب کہ ایمان والے کامیاب ہوں گے اور فوز و فلاح کو پہنچیں گے۔ البتہ اللہ کے انصاف کو اس کے رحم اور مغفرت سے الگ نہیں کیا جاسکتا، انسان کے تمام قصوروں اور غلطیوں کے باوجود ہمیشہ وہ اسی شان اور صفت کے ساتھ بندوں سے پیش آتا ہے، کیوں کہ اس کی یہ صفات نہ صرف انسان کی ضرورت ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور فضل بھی اسی بات کا متقاضی ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ
فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا
كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا
شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۟ۙ ٣٥ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ
فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۟ۙ ٣٦
رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ
اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ ۟ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ
فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۟ۙ ٣٧ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا
عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ
يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۳۸ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ
كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اُس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اُس کی تسبیح کی جاتی رہے۔ (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف و گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں، تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار

جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۠﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

رزق دیتا ہے۔جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اُسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آئے تو اُسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اُس کا حساب پورا پورا چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے، جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ نے روشنی نہ دی اُس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۴:۳۵تا۴۲)

یہاں قرآن اللہ کے دین کے لئے مثالیں پیش کرتا ہے، اور اس دین میں یقین رکھنے والے جو یہ مانتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی اپنی تمام تر شادمانیوں کے باوجود نسبتاً بہت مختصر ہے، اور یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ آخرت کی زندگی اس دنیا کی زندگی پر بھاری ہے، وہ ان دائمی انعاموں کے حصول کو اپنا نصب العین بناتے ہیں۔ دوسری طرف، ان لوگوں کے لئے بھی مثالیں دی گئی ہیں جو اللہ کے پیغام اور اس کی ہدایت کا ڈھٹائی کے ساتھ انکار کرتے ہیں، اور اس طرح اپنے خیال وگمانوں میں اپنی توانائی ضائع کرتے ہیں، جب تک کہ وہ پوری طرح اندھیروں میں مغلوب نہ ہو جائیں۔

ان آیات میں طاق کا جو ذکر کیا گیا ہے، تو وہ طاق ہے جو پرانے زمانے میں گھروں میں بنے ہوتے تھے جس کے اندر لوگ قندیل جلا کر رکھ دیتے تھے کہ یہ طاق زمین سے اوپر ہوتا تھا۔ اس آیت میں طاق کی مثال دے کر ایک ایسے مقام کا ذکر کیا گیا ہے جسے اللہ کے نور یعنی پیغام ہدایت کو پھیلانے کے لئے چنا گیا، اور قندیل سے مراد وہ پیغام ہے جو آسمانی ہے ''نہ شرقی ہے نہ غربی''۔ چراغ ہدایت کے تیل کے لئے زیتون کے تیل کو متعارف کرایا گیا تو اس کا انتخاب اس وجہ سے کیا گیا ہوگا کہ جس خطہ زمین پر اللہ کے پچھلے پیغمبر اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے وہاں یہی تیل استعمال ہوتا تھا، اور یہ طویل عمری، عمومیت اور عام افادیت کی ایک علامت ہے۔ شیشہ ایک شفاف واسطہ ہے جس میں سے ہو کر روشنی نکلتی ہے اور اس سے مراد اللہ کے پیغمبر ہیں جن پر پیغام اترتا ہے اور لوگوں تک پہنچتا ہے۔ انسانوں کے لئے اللہ کا پیغام بالکل واضح ہے جو یہ محسوس کرتے اور سوچتے ہیں کہ ''ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے'' [۲:۲۵۶]؛ اور اس لئے یہ روشنی، خود بہ خود روشنی دیے دے رہی ہے خواہ آگ اُس (کے تیل کو) نہ بھی چھوئے''۔ اللہ کے پیغام ہدایت کی روشنی چراغ کے تیل کی بدولت اور اس کے شیشہ کے واسطہ سے، جس سے مراد اللہ کے پیغمبر ہیں؛ اور طاق کے مقام کی موزونیت کی وجہ سے، جس سے مراد وہ

مقام اور وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنے پیغام کے لئے چنا ہے؛ بڑھتی جاتی ہے، اس کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور اس کا اثر گہرا ہوتا جاتا ہے اور اس طرح اللہ کا نور ’نور در نور‘ ہو جاتا ہے۔ لیکن، وہ شخص جو اس شاندار روشنی اور اس کے سرچشمہ کو پہنچانتا ہے، اس کے جوہر کو سمجھتا ہے اور اس کی افادیت کو جانتا ہے وہ ہے جو اپنی عقلی، نفسیاتی اور روحانی طاقتوں کو مناسب طریقے سے استعمال کرتا ہے، ’’اور اللہ لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے مثالیں بیان فرماتا ہے‘‘۔

جو لوگ اللہ کے نور کے سہارے زندگی گزارتے ہیں وہ ہمیشہ اسے اور آخرت کی زندگی کو یاد رکھتے ہیں، اس دنیا کی مختصر سی زندگی کی مادی کششوں سے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔ وہ ایمان دار، صالح اور لوگوں کے لئے کریم النفس ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو نا عاقبت اندیشی میں اللہ کی ہدایت کو رد کر دیتے ہیں اور لالچ اور اس دنیا کی مادی لذتوں کے پیچھے ہی لگے رہنے کی محدود بصیرت کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ ایسے پیاسے کی طرح ہوتے ہیں جو سراب کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے، یا اس شخص کی طرح ہوتے ہیں جو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوتا ہے۔ کتنا فرق ہے ایسے آدمی میں اور اس آدمی میں جو ایک صاف بصیرت رکھتا ہے اور ’’روشنی در روشنی‘‘ میں چلتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کی ہر تخلیق میں اس کی شان اور اس کی نشانی دیکھتا ہے، کیوں کہ پوری کائنات اور اس کے مختلف مظاہر قدرت اور اس مومن شخص کی بصیرت و عمل میں پوری ہم آہنگی ہوتی ہے۔ اس ہوش مندانہ بصیرت اور تدبر کے ذریعہ انسان کو اس نتیجہ پر پہنچنا چاہئے کہ ’’آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے‘‘، ہم انسان اور دیگر تمام مخلوقات بھی اسی کی ملک ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝٥

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لئے آراستہ کر دیئے ہیں تو وہ سرگرداں ہو رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۲۷:۴ تا ۵)

جو لوگ اللہ کی ہدایت کا انکار کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں وہ یہ سوچتے ہیں کہ صحیح راستے پر ہیں، جب کہ درحقیقت وہ بھٹک رہے ہیں اور ٹھوکریں کھا رہے ہیں کیوں کہ وہ اپنے ذاتی خیالوں میں جی رہے ہیں جو متضاد اور مبہم ہوتے ہیں۔ اس دنیا کی مادی حصولیابیوں پر اپنی پوری توجہ لگائے رکھنے سے زندگی میں کبھی بھی انفرادی یا سماجی استحکام نہیں آ سکتا، اور ابدی زندگی میں، جو کہ آنا ہی ہے، یہ کم نظری آخر کار زبردست خسارے پر ختم ہوگی: ’’یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے غافل ہیں‘‘ [۳۰:۷]۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٧٠

اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا اور آخرت میں اُسی کی تعریف ہے اور اُسی کا حکم اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۸:۷۰)

تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں، کہ یہ بے عیب کائنات اسی نے پیدا کی ہے اور اس دنیا و اس کے بعد آخرت کا جہاں، اسی کے فضل و کرم سے ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ وہ تنہا ہی تمام کائنات اور اس کی موجودات کا مالک ہے، اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت

میں ہے، اور وہ اکیلا ہی فیصلہ کے دن کا مالک ہے جو ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا[۱:۴؛ ۳:۲۶]۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ
نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِيْنَ ۝٧٧ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ
اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ
الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا
يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٧٨ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ
فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ
عَظِيْمٍ ۝٧٩ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ
اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا
الصّٰبِرُوْنَ ۝٨٠ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا
كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا
كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝٨١ وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا
مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ لَوْ لَآ اَنْ
مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٢ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا
يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝٨٣ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ
مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا
السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٨٤

اور جو (مال) تجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کر اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھلا، اور جیسی اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے (ویسی) تو بھی (لوگوں سے) بھلائی کر، اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، وہ بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے۔ کیا اُس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی اُمتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں اور گنہگاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا، تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی نصیب والا ہے۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا۔ پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اُس کی مددگار نہ ہوسکی اور نہ وہ بدلا لے سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے سے رتبہ کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت، اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، ہائے خرابی! کافر نجات نہیں پا سکتے۔ وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور (نیک) انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اُس کے لئے اُس سے بہتر (صلہ موجود) ہے اور جو بُرائی لائے گا تو جن لوگوں نے بُرے کام کئے اُن کو بدلا بھی اُسی طرح کا ملے گا جس طرح کے وہ کام کرتے تھے۔ (۲۸:۷۷ تا ۸۴)

یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک فرد کی تصویر کشی ہے جس نے اس دنیا کا مال ومتاع جمع کرنا ہی اپنا مقصد بنالیا تھا، اور خودغرضی، لالچ اور غرور میں مبتلا تھا۔ اس آیت میں یہ دکھایا ہے کہ اس مال دار شخص کی فراوانیٔ دولت کس طرح دوسرے لوگوں کو بھی للچاتی تھی، جب کہ کچھ ہوش مند لوگ بھی تھے جو اسے یہ یاددلانے کی کوشش کرتے تھے کہ آخرت کی زندگی کی بھی فکر کرے، اگرچہ کہ دنیا کی زندگی میں بھی اپنا جائز اور ضروری حصہ حاصل کرنے کو فراموش نہ کرے۔ قرآن کے اس بیان کا موازنہ بائبل کے بیان (Korah: XVI: 1-35) سے کیا جاسکتا ہے، جس میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے۔ بائبل میں کہا گیا ہے کہ کورہ (قارون) اور اس کے کچھ پیروکاروں نے موسیٰ وہارون سے بغاوت کی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ قوم میں ان کی حیثیت کے پیش نظر مقدس قربان گاہ میں اگربتی جلانے کا اختیار انہیں ملنا چاہئے، جب کہ یہ اختیار ہارون اور دیگر عابدوں کو ملا ہوا تھا۔ ''جیوش میڈ راشیم'' میں بھی، جو کہ سینیگاگ کے اعلیٰ ربیوں کی زبانی تعلیمات پر مبنی یہودیوں کی ایک مقدس کتاب ہے، اس آدمی کی کثیر دولت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس انتہائی مال دار شخص کا اپنے اور اپنی حیثیت کے بارے میں دعویٰ یہ تھا کہ اس نے اپنی دولت خود اپنے ہنر اور اپنی کاوشوں سے کمائی ہے۔ ایسا ہی دعویٰ اس طرح کے خودغرض اور لالچی لوگ عام طور سے کیا کرتے ہیں، جو اللہ کے فضل کو بھول جاتے ہیں اور یہ بھلا دیتے ہیں کہ خود ان کے اپنے اندر اور اس پورے ماحول میں جس کا وہ حصہ ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کارفرما ہیں۔ یہ لوگ اپنے اکتساب دولت (دولت کمانے) میں دوسروں کے تعاون کو بھی بھلا دیتے ہیں، جس میں فروخت کنندہ، خریدار یا مختلف قسم کی خدمات دینے والے لوگوں کا بھی رول ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو ہی اپنی دولت کی پیداوار کا اصل سبب سمجھتے ہیں، اور پھر اپنی دولت پر اپنا ہی حق سمجھتے ہیں اور دوسروں کو خود ان کی کاوشوں کے ثمرے میں کچھ بھی دینا نہیں چاہتے۔

جو لوگ اس دنیا کی نعمتوں کو جمع کرنے اور ان کے مزے لوٹنے میں ہی لگے رہتے ہیں انہیں قرآن یہ یاددلاتا ہے کہ دنیا میں ان کا وجود یقینی طور سے ایک دن ختم ہوجائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے کے تمام لوگ فنا ہوچکے ہیں۔ حالانکہ یہ کھلے ہوئے اور مستقل بدکار لوگ اس بات کے ضرورت مند نہیں ہیں کہ ان کی برائیوں کو ثابت کرنے کے لئے کوئی تحقیق وتفتیش کی جائے، کیوں کہ اول تو ان کی برائیاں خود ہی عیاں ہیں اور خاص طور سے اللہ علیم وخبیر کے علم میں تو ہیں ہی، اور پھر آخرت میں حساب کتاب کے وقت یہ خود ہی اپنے قصوروں کا اعتراف کرلیں گے [مثال کے طور پر دیکھیں: ۴:۴۲؛ ۵:۶۱؛ ۶:۱۳۰؛ ۷:۳۷؛ ۳۶:۶۵؛ ۴۱:۲۰ تا ۲۲]۔

قرآن سمجھ دار لوگوں یہ یہ صلاح دیتا ہے کہ اس دنیا کی موجودہ زندگی اور آخرت کی ابدی زندگی کے درمیان ایک توازن قائم کریں، اور اپنے انفرادی وسماج کے دیگر لوگوں کے حقوق میں بھی توازن رکھیں جو فرد کے لئے دولت کی پیداوار میں براہ راست یا بالواسطہ مددگار بنتے ہیں؛ ''اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو''۔ پھر وہاں ایسے لوگ بھی تھے جو قارون کی بے پناہ دولت پر رشک کرتے تھے اور اس بات کے مشتاق تھے کہ انہیں بھی ایسی ہی دولت مل جائے لیکن جب انھوں نے قارون کی تباہی دیکھ لی تو انھوں نے اللہ کا شکرادا کیا کہ وہ قارون جیسے نہیں ہوئے۔ آخری آیات میں جو پیغام ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان فرد اور سماج کو خودغرضی، لالچ، تکبر اور بدعنوانی سے بچاتا ہے کیوں کہ یہ فرد اور سماج کو احساس برتری اور احساس کمتری کی خرابیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ انسان کے دل ودماغ کو، امیر وکبیر ہونے کی صورت میں استحصال واستبداد کے جذبات کی پرورش سے اور کمزور ہونے کی صورت میں بے چارگی اور حسرت وحسد کے جذبات کی نشوونماء سے بچاتا ہے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَ هُمْ عَنِ   یہ تو دنیا کی ظاہر زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے

الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ غافل ہیں۔ (۷:۳۰)

یہ ان دو طرح کے لوگوں کے علم کا ایک لازمی فرق ہے جن میں سے ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو صرف حواس سے ملنے والی معلومات اور تجرباتی علوم پر ہی منحصر رہتے ہیں، اور دوسری قسم کے لوگ وہ جو عقلی تدبر و تفکر کو کام میں لاتے ہیں، جیسا کہ فن و منطق کا علم ہے، یا فلسفہ و مذہبی علوم ہیں۔ مختلف قسم کے اختراعی کاموں میں، حواس سے ماوراء فنون کے حوالے سے، الہام و وجدان ایک معروف بات ہے اور یہ کسی حقیقی فن کار کے لئے ایک لازمی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ سائنس میں بھی اضافیت اور قوت و توانائی کو ایک مادہ مانا گیا ہے، اور خود سائنس نے انسانی تصورات، بصیرت اور خیال آرائی کی بدولت ترقی کی ہے۔

روحانیت انسانی فطرت و تاریخ کا ایک ناگزیر عنصر ہے جس نے اپنے ناقابل انکار ہونے، ناگزیر ہونے اور ناقابل رد ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔ مادیت فرد اور سماج کی انسانی ضروریات اور خواہشات کی تسکین میں ناکام ہوگئی ہے اور اس کی پیداواری صلاحیت صاف طور سے نفسیاتی اور سماجی بندشوں و اثرات سے متاثر ہے۔ ایک اللہ میں یقین اور آخرت کی زندگی پر ایمان فرد کے اپنے اندر اور مجموعی طور پر پورے سماج میں توازن و استحکام کا موجب بنتا ہے، جب کہ خود غرضی اور دنیا پرستی فرد اور سماج کو منتشر کرتی ہے اور کامیابی کے غرور و ناکامی کی افسردگی کی انتہاؤں کے درمیان اسے جھلاتی رہتی ہے۔ چنانچہ ایمان و یقین نفع بخش بھی ہے اور منطقی بھی۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸

(اللہ کو) تمہارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (۳۱:۲۸)

یہ آیت تمام انسانیت اور اس کے نسل در نسل سلسلے اور تمام دنیا میں انسانوں کے بسنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت گردانتی ہے۔ اُس کے لئے یہ سب کچھ کرنا ایک اکیلے انسان کو پیدا کرنے سے کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے، وہی ہے جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات کی طرح افزائش نسل کی اہلیت بخشتا ہے۔ مردہ جسموں کو دوبارہ زندہ کر دینا اس کے لئے اتنا ہی آسان ہے جتنا بغیر کسی سبب کے پہلی بار تخلیق کرنا، اور یہ تخلیق نو جیسے ایک انسان کی ہوسکتی ہے اسی طرح پوری انسانیت کی ہوسکتی ہے۔ لیکن انسانیت کی بقاء اور توسیع کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہر انسان سے فرداً فرداً معاملہ کرتا ہے: ''اور جو کوئی (بُرا) کام کرتا ہے تو اُس کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' [۶:۱۶۴] ''اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے حاضر ہوں گے'' [۱۹:۹۵]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶

لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔ شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو، وہ اپنے (پیرووں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔ (۳۵:۵ تا ۶)

یہ آیات اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہیں کہ کچھ ایسے ظاہری و باطنی اسباب ہیں جو اس دنیا کی عارضی لذتوں میں انسان کو مگن کر دیتے

ہیں اور اسے اللہ کے بارے میں سوچنے اور آخرت کے بارے میں غور وفکر کرنے سے غافل کر دیتے ہیں۔ یہ گمراہ کن عناصر مادی آسودگیوں اور دنیا کی چمک دمک میں مضمر ہیں اور انسان کے اندر اختیار و اقتدار، آسائشوں اور برتری حاصل کرنے کی امنگوں میں موجود ہیں۔ شیطان انسان کے احساسات و افکار میں گھس جانے کے لئے ان عناصر کو استعمال کرتا ہے۔ قرآن میں بعض مقامات پر دو قسم کے شیطانوں کا بیک وقت ذکر کیا ہے، شیاطین الانس اور شیاطین الجن، ''وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے'' [۶:۱۱۲، نیز دیکھیں: ۲:۱۴؛ ۱۷:۲۷]۔ اوپر کی پہلی آیت کے آخر میں جو غرور کا لفظ آیا ہے اس کا مطلب ہے ایسا فریب کار عنصر جو خود بھی دھوکہ میں ہے اور دھوکہ دینے کا باعث بھی ہے۔ طبری نے اپنی تفسیر میں آیت ۳۱:۳۰ کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق اس کا عمومی مطلب شیطان ہے یا کوئی دوسرا انسان، یا کسی کا نفس جو اسے خواہشات اور گمانوں میں مبتلا رکھتا ہے۔

شیطان اور انسان کے درمیان تعلق کے حوالے سے قرآن میں، محشر کے دن شیطان کی جو کیفیت ہوگی، اس کی ایک عبرت انگیز تصویر پیش کی گئی ہے''۔۔۔ میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا ہاں میں نے تمہیں (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔۔۔'' [۱۴:۲۲]۔ الرازی نے اپنی ضخیم اور اہم تفسیر میں اس آیت کے حوالہ سے بہت ہی صحیح نکتہ اجاگر کیا ہے کہ یہ انسان کا اپنا میلان ہے جو شیطان کو انسان کے دل اور دماغ کے قریب لے آتا ہے اور وہ وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے، اور یہ انسان کی نفسانی کمزوریوں مثلاً خودغرضی، لالچ، ہوس، غصہ، تکبر، خوف، وہم اور موہوم خیالات کو چھیڑے بغیر نہیں ہوسکتا۔ شیطان کا ٹولہ، جس میں شیاطین الانس والجن سب شامل ہیں، آگ میں ڈالے جانے کے وقت ایک دوسرے پر لعن طعن اور الزام تراشی کرے گا [۱۴:۲۲]، اور انسان کے لئے ہوش مندی کی بات یہ ہے کہ آج ہی اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور خود کو فریب آمیز خیالات اور گمراہ کن عناصر سے دور رکھے اور بچائے۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور (جو) ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلم بند کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کتابِ روشن (یعنی لوحِ محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔ (۳۶:۱۲)

ہر انسان نے جو اعمال آگے بھیجے یا جو کچھ اچھائیاں و برائیاں وہ دنیا میں چھوڑ گیا وہ سب ''کتاب روشن'' میں رقم ہے، یہ بات آخرت کے دن ہونے والی جواب دہی کے لئے کتنی درست اور بین ہے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم وخبیر ہے، اسے کسی ریکارڈ (دفتر) کی ضرورت نہیں ہے، اور فیصلہ کے دن حق اور حقیت جس طرح کھل کر سامنے آجائے گی [۵۰:۲۲] اس کے سامنے کوئی دلیل اور ثبوت بے معنی اور بے کار ہوگا۔ لیکن یہ منظر انسانی فہم کے لئے کسی واعظانہ خطاب سے زیادہ متاثر کن ہے۔ آخرت کے مختلف پہلوؤں جیسے موت کے بعد اٹھائے جانے، فیصلہ کا دربار الٰہی لگنے اور جزا وسزا وغیرہ کے حوالے سے میں قرآن میں جو بیانات ہیں ان میں یہ بیان بہت اہم ہے [دیکھیں سید قطب کی مشاہد القیامۃ فی القرآن (Science of Afterlife in the Quran) اور تصویر الفنی فی القرآن (Portrayal Stylistics in the Quran)، قاہرہ مصر]۔ آخرت کی زندگی کے بارے میں اس طرح کے بیان انجیل کی تمثیلوں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ
يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّ لَآ اِلٰٓى
اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ
الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ
بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ
شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ
ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ
لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾
وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ
اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ
تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾
اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ
تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ
لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى
يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا
اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ
نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟ یہ تو ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو ان کو اس حال میں کہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے آ پکڑے گی۔ پھر نہ تو وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے گھروں میں واپس جا سکیں گے۔ اور (جس وقت) صُور پھونکا جائے گا یہ قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ کہیں گے کہ اے ہے ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا؟ یہ وہی تو ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ صرف ایک زور کی آواز کا ہونا ہوگا کہ سب کے سب ہمارے روبرو آ حاضر ہوں گے۔ اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔ اہلِ جنت اس روز عیش و نشاط کے مشغلے میں ہوں گے۔ وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں ان کے لئے میوے اور جو چاہیں گے (موجود ہوگا)۔ پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے گا)۔ اور گنہگارو! آج الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا رستہ ہے۔ اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ یہی وہ جہنم ہے جس کی تمہیں خبر دی جاتی تھی۔ (سو) جو تم کفر کرتے رہے ہو اس کے بدلے آج اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا (کر اندھا کر) دیں پھر یہ رستے کو دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہ پر ان کی صورتیں بدل دیں پھر وہاں سے نہ آگے جا سکیں اور نہ (پیچھے) لوٹ سکیں۔ اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں تو کیا یہ سمجھتے نہیں۔ (۳۶:۴۸ تا ۶۸)

آخرت کی زندگی کے بارے میں کسی روکھے سے بیان کے بجائے اس کی ایک روشن تصویر پیش کرنے کے اسی انداز میں قرآن محشر کے دن کا اعلان کرنے کے لئے ایک بگل بجانے کا نظارہ پیش کرتا ہے۔[۶:۷۳؛ ۱۸:۹۹؛ ۲۰:۱۰۲؛ ۲۳:۱۰۱؛ ۲۷:۸۷؛ ۳۹:۶۸؛ ۵۰:۲۰؛ ۶۹:۱۳؛ ۷۸:۱۷ تا ۲۰]۔جیسا کہ آیت[۱۹:۶۸] میں اشارہ دیا گیا ہے، یہ صور پہلی بار دنیا کی اس زندگی کو ختم کرنے کے لئے پھونکا جائے گا اور دوسرا صور ایک نئی ابدی زندگی شروع کرنے کے لئے بجایا جائے گا۔ درج بالا آیات یہ بتاتی ہیں کہ مردے اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کے لئے دوڑ پڑیں گے، جیسا کہ اللہ نے اپنے پیغام میں اس کا وعدہ بار بار کیا ہے، یہ انجام کی گھڑی ہوگی جس کا سامنا کرنے اور جس کا یقین کرنے سے اس وقت بھی بہت سے لوگ بیزار ہوں گے جب وہ ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے آجائے گی۔ محشر کے دن وہ لوگ جنھوں نے پچھلی زندگی میں اس انجام کا انکار کیا ہوگا وہ اپنی حجتیں پھر سے پیش نہیں کرسکیں گے، کیوں کہ صورت حال کی سچائی ان کی زبانوں کو بند کردے گی، لیکن ان کے ہاتھ، پاؤں، کھال اور دیگر حواس و اعضاء خود ہی گواہ بن جائیں گے کہ ان سے کیا کیا کام لیا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہوں گے اور آخرت کے وعدہ کو سچا جانا ہوگا اور صحیح طرز عمل اختیار کیا ہوگا انہیں جنت میں انعامات سے نوازا جائے گا اور وہاں ان کے والدین، ازواج، اور اولاد میں سے وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جنھوں نے حق کو اختیار کیا ہوگا اور اس پر چلے ہوں گے [مزید دیکھیں ۱۳:۲۳؛ ۴۰:۸؛ ۵۲:۲۱]۔قرآن میں جگہ جگہ جنت کی راحت بخش زندگی کے کئی مناظر پیش کئے گئے ہیں، جیسے سہاؤنا موسم ہوگا اور سائے دار روشنی ہوگی، گھنے درخت ہوں گے، آرام دہ لباس ہوں گے، ہم نشیں ساتھی اور دوست ہوں گے، مزید یہ کہ سکون، مسرت، ہر ضرورت کی تکمیل، ہر چیز کی فراوانی اور پورا اطمینان نصیب ہوگا[نیز دیکھیں ۱۵:۴۶ تا ۴۸؛ ۳۷:۴۳ تا ۴۴؛ ۵۶:۱۵ تا ۴۰؛ ۷۶:۱۲ تا ۲۲؛ ۸۸:۸ تا ۱۶]۔اس کے علاوہ جنت والوں کو ہر وہ چیز وہاں ملے گی جسے وہ طلب کریں گے [دیکھیں درج بالا آیت ۳۶:۵۷؛ نیز ۲۱:۱۰۲؛ ۴۱:۳۱؛ ۴۳:۷۱]۔اللہ سے ان کی قربت اور اللہ کی رضامندی سے حاصل ہونے والی خوشی تو ایسی ہوگی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا[۹:۷۲؛ ۵۴:۵۴ تا ۵۵؛ ۶۹:۲۱ تا ۲۳؛ ۸۹:۸۲ تا ۲۹]۔

آگے آنے والی زندگی کی اگر یہی تصویر ہے جس کے نظارے قرآن نے پیش کئے ہیں، تو انسان کو چاہئے کہ وہ اسے سمجھنے کے لئے اپنی عقلی اور روحانی صلاحیتوں کو کام میں لائے اور اس سے پہلے کہ یہ زندگی ختم ہوجائے اس سلسلے میں عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پوری آزادی کے ساتھ اپنے حال و مستقبل کا فیصلہ کرنے، اپنے علم کو بڑھانے و غور و فکر سے کام لینے، اور اسی کی روشنی میں فیصلے لینے اور اپنا رویہ درست کرنے کی اہلیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو انتخاب کی آزادی دئے بغیر یا خود کو صحیح یا غلط سمت میں ترقی دینے و بدلنے کی اہلیت دئے بغیر ہی پیدا کرسکتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ اس نے انسان کو یہ تمام صلاحتیں اور مواقع عطا کئے جس کے ساتھ ساتھ اسے اپنے آپ کو اور اپنی دنیا کو ترقی دینے، دنیا میں انصاف قائم کرنے، باہمی تعاون کا نظام قائم کرنے اور انسانی تعلقات کو خیر خواہی کی بنیاد پر قائم کرنے کی ذمہ داریاں بھی دی گئی ہیں۔ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی قوت و دانش کو کام میں لاکر اپنے حال و مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچے اور زندگی کا سب سے اہم ترین فیصلہ لے، قبل اس کے کہ اس کی توانائی اور لیاقت میں زوال آجائے جو کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ آنا ہی ہے۔ بڑھاپے کی عمر میں انسان کی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی طاقتیں ختم ہونے لگتی ہیں اور انسان کی طاقت بتدریج کم ہوتے ہوتے کبھی کبھی اس حال میں اسے پہنچا دیتی ہے کہ جس حال میں وہ اپنے بچپنے میں تھا۔[۱۶:۷۰؛ ۲۱:۴۴؛ ۲۲:۵؛ ۳۵:۳۷؛ ۳۶:۶۸]۔ چنانچہ عقل مندی کی بات یہی ہے کہ انسانی قوت و توانائی کا بہتر سے بہتر استعمال صحیح وقت پر کیا جائے، تا کہ اس عقل مندی کا

پھل اس دنیا کی زندگی میں بھی، جہاں تک ممکن ہو، ملے اور دنیا میں فرد اور سماج کو متوازن اور مستحکم زندگی نصیب ہو، اور اس کے بعد یقینی طور سے آنے والی آخرت کی ابدی زندگی میں بھی مسرت وشادمانی حاصل ہو۔

اَوَ لَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ
خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ
قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا
الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۙ﴿۷۹﴾
ِالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ
اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕؔ
بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ
شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ
بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ؑ

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا۔ اور ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور خود اپنی پیدائش کو بھول گیا! کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ (وہی تو ہے) جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر ان) سے آگ نکالتے ہو۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے؟ کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ (۳۶: ۷۷ تا ۸۳)

جو لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ زندگی دوبارہ لوٹائی جا سکتی ہے اور یہ بھول جاتے ہیں کہ پہلی بار زندگی کی شروعات کیوں کر ہو گئی، ان کے رد میں یہ ایک اور قرآنی دلیل ہے۔ انسان کو سوچنے، بولنے اور جرح کرنے کی طاقت بخشی گئی ہے اور اسے یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان طاقتوں کو استعمال کرے، یہاں تک کہ وہ عقل عام کے خلاف بھی حجت بازی کر سکتا ہے اور اللہ وآخرت پر ایمان کو جھٹلانے میں بھی ان طاقتوں کو استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کیسے کر سکتا ہے جب کہ اس نے اپنی مخلوقات کو عدم سے وجود بخشا، یعنی جب کچھ نہ تھا اور بغیر کسی سبب وابتداء اور بغیر کسی نمونے کے اس نے پہلی بار پیدا کیا جو کہ کسی عمل کو دوہرانے سے کہیں زیادہ ناقابل تصور ہے، تو دوبارہ پیدا کرنے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ [نیز دیکھیں: ۱۷: ۵۱]۔ علاوہ ازیں، اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے تو اس خالق کو اپنی تمام مخلوقات پر اختیار بھی ہونا چاہئے، اور اس کی طاقت وقدرت کا موازنہ اس کی کسی مخلوق کی طاقت سے نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں جو زبردست تنوع ہے اسی سے ہی یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ اس کی قدرت تخلیق لامحدود ہے اور اس نے اپنی قدرت سے ہی اپنی مخلوق کو بڑھنے وپھلنے پھولنے اور تبدیل ہوتے رہنے کی سکت دی ہے۔ پیڑوں کو ان کا سبز رنگ انہیں دھوپ کے ذریعہ سے، اور کلوروفل کے انجذاب سے توانائی پہنچاتا ہے، اور ہرا بھرا پیڑ سوکھ جانے پر آگ جلانے کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے جو کہ انسانی تاریخ کی ایک عظیم دریافت ہے۔ علاوہ ازیں، اس سرسبزی اور اس آگ سے، جو خود طبیعاتی توانائی ہیں، روحانی زندگی اور توانائی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ ان منظر ناموں اور تشبیہات کو پیش کر کے قرآن اس ٹھوس حقیقت کو بیان کرتا ہے جو

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بار بار دوہرائی گئی ہے کہ ''اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''[نیز دیکھیں:۲:۱۱۷؛ ۳:۴۷؛ ۵۹؛ ۶:۷۳؛ ۱۶:۴۰؛ ۱۹:۳۵؛ ۴۰:۶۸]۔ یہ بیان ایک قابل فہم نتیجہ پر ختم ہوتا ہے جو ایک اللہ پر ایمان لانے اور اس کی تمام صفات کو ماننے اور آخرت کی زندگی پر یقین کو مضبوط کرتا ہے کہ ''وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے''۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات ان میں ہے اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں سو کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کیا ان کو ہم ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟ (۳۸:۲۶ تا ۲۸)

داؤد (علیہ السلام) جو کہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر تھے اور بادشاہ تھے، انہیں انصاف کے ساتھ حکومت کرنے کی ہدایت دی گئی تھی اور خود غرضی، طاقت کے بے جا استعمال و طرف داری جیسی برائیوں کی طرف مائل نہ ہونے کے لئے خبردار کیا گیا تھا۔ اگر اللہ کے ہدایت یافتہ ایک نبی کو یہ تاکید گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے صاحب اختیار اور منصب بردار انسان تو اس تاکید کے اور بھی زیادہ ضرورت مند ہیں اور ان باتوں کی پابندی کرنے کی ان کے اوپر اور بھی زیادہ ذمہ داری ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ زمین پر خدا کے نائب ہیں اور اس لئے انہیں اس کی شان انصاف کا مظاہرہ یہاں کرنا چاہئے۔[نیز دیکھیں ۲:۳۰؛ ۷:۱۲۹؛ ۲۴:۵۵؛ ۵۷:۷]۔ قیامت کے دن پر ایمان انسان کو طاقت کے غلط استعمال سے بچنے کے لئے اخلاقی یاددہانی کراتا ہے[۲۸:۸۳]، کیوں کہ انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کے ذریعہ اسے آزمایا جاتا ہے اور ہر ایک فرد اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق حقوق کو طلب کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔

یہ عقیدہ، فرد اور سماج کے لئے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ، عقل عام پر بھی مبنی ہے، کیوں کہ اتنی عظیم کائنات جس میں نسل در نسل انسانوں کی عظیم آبادی بسی چلی آ رہی ہے، کسی مقصد اور مطلب کے بغیر پیدا نہیں کی جا سکتی[۲۳:۱۱۵]۔ انسانی زندگی محض تمام انسانوں کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو سکتی، کہ چاہے اپنی زندگی میں کسی نے اچھا کیا ہو یا برا، چاہے انھوں نے دوسروں کے تئیں اپنے میلان کی پیروی کی ہو یا اپنے دماغ سے کام لیا ہو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیا ہو، اور اس کی ہدایت کی اتباع کی ہو، ان کا انجام یکساں ہی ہو۔ اگر اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے تو کوئی بھی صحیح العمل انسان ناانصافی اور نارسائی کی صورت میں جو کہ اس دنیا میں عام طور سے ہوتی ہی رہتی ہے دل شکستہ ہوگا اور اس کی محرومی کا کوئی مداوا نہیں ہوگا۔ جب کہ آخرت کی زندگی میں ہر ''ذرہ برابر نیکی'' اور ہر ''ذرہ برابر برائی''[۹۹:۷ تا ۸،

نیز ۴۰:۴۰؛۲۱:۴۷] ، یا ''ذرہ سے بھی چھوٹا یا بڑا'' [۱۰:۶۱] عمل شمار ہوگا، اور اچھائی یا برائی کے مرتکب کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا انصاف ہمیشہ کے لئے قائم ہوجائے گا، اور اس زندگی کا اصل مقصد و مدعا پورا ہوجائے گا، جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور انصاف کے مطابق ہوگا، اور دوسری طرف انسانوں کی عقل کے مطابق بھی ہوگا۔

اَوَ لَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ
یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قُلۡ
یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ
رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ
الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ
مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ
اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ
اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَۃً وَّ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿ۙ۵۵﴾
اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ
وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿ۙ۵۶﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ
ہَدٰىنِیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿ۙ۵۷﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی
الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾
بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡکَ اٰیٰتِیۡ فَکَذَّبۡتَ بِہَا وَ اسۡتَکۡبَرۡتَ وَ
کُنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیۡنَ
کَذَبُوۡا عَلَی اللّٰہِ وُجُوۡہُہُمۡ مُّسۡوَدَّۃٌ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ
مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ وَ یُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا
بِمَفَازَتِہِمۡ ۫ لَا یَمَسُّہُمُ السُّوۡٓءُ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۱﴾

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (اے پیغمبر! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ واقع ہو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ (ورنہ) پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے پیروی کرو، کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو ہنسی کرتا رہا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔ یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔ (اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور شیخی میں آ گیا اور تو کافر بن گیا۔ اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کو تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے، کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے؟ اور جو پرہیزگار ہیں ان کی (سعادت اور) کامیابی کے سبب اللہ ان کو نجات دے گا نہ تو ان کو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (۳۹:۵۲تا۶۱)

یہ ان لوگوں کے احساسات و الفاظ کو بیان کرنے والا ایک اور منظرنامہ ہے جو آخرت کی زندگی میں خسارے میں ہوں گے۔ قرآن میں یہ تصویرکشی ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے کی گئی ہے جو اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ہیں اور اپنی توانائیوں کو ضائع کرتے ہیں

کہ وہ توبہ کریں اور اپنی سمت درست کریں اور اپنی زندگی کی اصلاح کریں اس سے پہلے کہ اصلاح وتلافی کا موقع ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے جاتا رہے اور آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہوجائیں۔توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے: ''اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیکوکار ہوجائے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے'' [۶:۵۴]۔ایک سچی توبہ کرنے والا، جب سنجیدگی سے غور کرتا ہے اور اپنے دل ودماغ کو اللہ کے نور سے منور کرتا ہے تو پھر اس کا احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک کم نظر اور غافل تھا [۴:۱۷؛ ۱۶:۱۱۹]۔لیکن یہ توبہ تلافی اگر اس وقت کی جائے جب آدمی یہ سمجھ لے کہ اس دنیا میں اس کی زندگی پوری ہوچکی ہے تو اس وقت یہ توبہ بے معنی ہوتی ہے [۴:۱۷ تا ۱۸]، کیوں کہ فرد کی زندگی میں اتنا وقت تو ہونا ہی چاہئے کہ وہ اپنے اندر حقیقی تبدیلی کو ثابت کرسکے، اس کا رویہ اور اس کے مقاصد بدل جائیں اور اس کا معمول اور اس کا طرزِ عمل تبدیل ہوجائے۔ایک سچی توبہ کا تعلق اللہ اور آخرت پر سچے ایمان سے ہے اور جو صحیح بات پر عمل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے [۲:۱۶۰؛ ۳:۸۹؛ ۴:۱۴۶؛ ۵:۳۹؛ ۶:۵۴؛ ۱۶:۱۱۹؛ ۱۹:۶۰؛ ۲۰:۸۲؛ ۲۴:۵؛ ۲۵:۷۰ تا ۷۱؛ ۲۸:۶۷]۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کے جو صفاتی نام آئے ہیں ان میں سے ایک ''التواب'' بھی ہے جس کے ساتھ تقریباً ہر جگہ الرحیم بھی آیا ہے [۲:۳۷، ۵۴، ۱۲۸، ۱۶۰؛ ۴:۱۶، ۶۴؛ ۹:۱۰۴، ۱۱۸؛ ۲۴:۱۰؛ ۴۹:۱۲؛ ۱۱۰:۳]۔

قرآن یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں زندگی بھر غافل رہتے ہیں اور اپنی سمت درست کرنے اور اپنا چال چلن ٹھیک کرنے کا موقع گنوا دیتے ہیں وہ اس دن کتنا پچھتائیں گے، اپنی غلط کاری کے لئے خود اپنے آپ کو ہی الزام دیں گے اور یہ وعدہ کریں گے کہ اگر انہیں دوبارہ واپس اسی دنیا میں بھیج دیا جائے تو اپنا طرزِ عمل بدلیں گے اور ہدایت کی اتباع کریں گے، یا پھر وہ اپنے کئے کی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کریں گے اور یہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ان کی رہنمائی کی ہوتی تو وہ بھی صحیح رستے پر ہوتے۔یہ خود اذیتی ہوگی جسے وہ جھیلیں گے، اور یہ اس شدید عذاب کے علاوہ ہوگا جس میں وہ مبتلا کئے جائیں گے۔ان کے چہرے رنج، تکلیف اور ذلت وخواری سے کالے پڑ جائیں گے، لیکن جن لوگوں نے اپنی زندگی میں صحیح وقت پر اپنی عقل کا استعمال کیا ہوگا اور اپنی اخلاقی ذمہ داری پوری کی ہوگی وہ مطمئن ومامون ہوں گے اور پچھلی زندگی میں اپنی سوچ اور اپنے متوازن سلوک سے مسرور ہوں گے۔انہیں اپنے ماضی کی کسی بات پر رنج نہیں ہوگا اور نہ سامنے آنے والے فیصلہ سے وہ خوف زدہ ہوں گے۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا

اور انہوں نے اللہ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہئے تھی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہے، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے۔اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور

يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى
جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ
قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ
قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ
اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ
حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ
حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ
وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾

گواہ حاضر کئے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اس کو سب کی خبر ہے۔ اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے! کہیں گے کیوں نہیں، لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم متحقق ہو چکا تھا۔ کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے، تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو (بھی) گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم بہشت میں جس مکان میں چاہیں رہیں، تو (اچھے) عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیسا خوب ہے۔ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں، اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔ اور، ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ (۳۹:۶۷تا۷۵)

یہ قیامت، اور آخرت میں فیصلہ اور جزاء وسزا کی ایک اور قرآنی تصویر ہے۔ اس وقت ہر شخص اللہ کی قدرت کو دیکھ لے گا اور مان لے گا۔ اللہ کی قدرت جسے نے دنیا کی زندگی میں بہت سے لوگ نظرانداز کرتے ہیں اور اس میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت ہر ایک کے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔

صور دو بار پھونکا جائے گا: ایک دنیا کی زندگی ختم ہونے کا اعلان کرنے کے لئے، اور دوسرا مردوں کو اٹھا کھڑا کرنے اور آخرت کی زندگی شروع ہونے کا اعلان کرنے کے لئے۔ صور، اللہ کا نور، ہر ایک کے کاموں کا ریکارڈ، انبیاء اور تمام دوسرے گواہ جن میں انسان کا اپنا

جسم، کھال، حواس خمسہ وغیرہ بھی شامل ہیں، یہ سب مل کر اس منظر نامہ کو بناتے ہیں جو محشر کے دن ہوگا، جس میں لوگ حرکت میں ہوں گے، جسمانی طور پر بھی اور نفسیاتی طور پر بھی؛ یہ صرف جواب دہی اور جزاء وسزا کا اصولی بیان نہیں ہے۔ اگرچہ ہر ایک کا حساب فرداً فرداً ہوگا [٦:٩٤؛ ١٩:٨٠، ٩٥]، لیکن اپنے ابدی انجام کو پانے کے لئے اور اعمال کی جزاء یا سزا کے لئے لوگ گروہ در گروہ بلائے جائیں گے اور ہر فرد کو اپنے سابقہ اچھے یا برے اعمال کے مطابق اس کے ٹھکانے پر پہنچایا جائے گا۔ جو لوگ حق کو قبول کرتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں وہ بھی جماعتوں کے ساتھ ہوں گے [١٥:٤٧؛ ٣٧:٤٤؛ ٥٦:١٦]، تکبر کے ساتھ حق کا انکار کرنے والا ہر فرد، جس میں شیطان بھی شامل ہے، دوسروں سے خود کو الگ کرنے کی کوشش کرے گا اور انہیں الزام دے گا، چنانچہ آخرت میں ملنے والے عذاب شدید کے ساتھ ساتھ یہ نفسیاتی اذیت بھی مجرموں کو جھیلنی ہوگی [٢:١٦٦ تا ١٦٧؛ ١٤:٢١ تا ٢٢؛ ٣٤:٣١ تا ٣٣؛ ٤٠:٤٧ تا ٤٨]: ’’اور جس نے جو بھی (اچھا یا برا) عمل کیا ہوگا اس کے مطابق اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا‘‘۔

قرآن بار بار اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں جو متکبر اور گھمنڈی ہیں اور دوسروں پر جبر وستم کرتے ہیں اس غرور میں کہ ان کے پاس دولت یا اختیار ہے، وہ آخرت کی زندگی میں ذلیل ہوں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ وہ لوگ جب اپنی سزا بھگتنے کے لئے جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے تو جہنم کے داروغہ بھی ان پر یہ بھپتیاں کستے جائیں گے کہ کیا تمھیں اس انجام سے ڈرانے کے لئے تمھارے پاس اللہ کے رسول نہیں آئے تھے، تم لوگوں نے ان کی باتوں پر کان کیوں نہ دھرے۔ ایک طرف جہاں یہ لوگ اس طرح کی متعدد اذیتیں جھیلیں گے وہیں دوسری طرف وہ لوگ جنھوں نے اپنے دماغوں کا استعمال کیا ہوگا اور حق بات کو مانا ہوگا انہیں عزت کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ بسیں گے، جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ یہ ان لوگوں کا صلہ ہوگا جو اس دنیا میں اللہ کی ہدایت کی اتباع کرتے ہوئے صالح اعمال انجام دیتے ہیں۔ وہ ایک نئی دنیا میں آباد ہو جائیں گے [١٤:٤٨]، جہاں انصاف ہوگا اور ہر انسان کی خواہشات کی تکمیل ہوگی۔ انصاف اور تکمیل خواہشات کی ابدی دنیا اللہ کے نور سے جگمگائے گی، فرشتے عرش الٰہی کے گرد جمع ہوں گے اور اللہ کی تسبیح وتعریف کر رہے ہوں گے۔ انصاف اور تکمیل خواہشات کی اس بے عیب لافانی دنیا میں یہ ایک بالکل فطری امر ہوگا کہ وہاں عیش کرنے والے لوگ بھی اپنے رب کی شکر گزار رہیں گے اور ان کا وِرد یہ ہوگا کہ ’’کل حمد وثنا اللہ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے‘‘، ہاں بے شک وہ اس دنیا کا بھی رب ہے اور آخرت کا بھی رب ہے، تمام پچھلے جہانوں کا اور آخری جہاں کا اور ان جہانوں کے اجزاء واشیاء کا خالق ومالک، ان تمام چیزوں کا جس تک انسان کی نظر وبصیرت پہنچ سکتی ہے اور ان تمام چیزوں کا بھی جو انسان یا کسی بھی دوسری مخلوق کی رسائی سے پرے ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ
الرَّشَادِ ۚ﴿۳۸﴾ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ
اِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا
یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ
اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ یُرۡزَقُوۡنَ

اور وہ شخص جو مومن تھا اس نے کہا کہ میرے بھائیو! میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کا رستہ دکھاؤں۔ بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چند روز) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ جو بُرے کام کرے گا اس کو بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے، وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

فِيۡهَا بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝٤٠ وَ يٰقَوۡمِ مَا لِيۡۤ اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى
النَّجٰوةِ وَ تَدۡعُوۡنَنِيۡۤ اِلَى النَّارِ ۝٤١ تَدۡعُوۡنَنِيۡ لِاَكۡفُرَ
بِاللّٰهِ وَ اُشۡرِكَ بِهٖ مَا لَيۡسَ لِيۡ بِهٖ عِلۡمٌ ۡ وَّ اَنَا
اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى الۡعَزِيۡزِ الۡغَفَّارِ ۝٤٢ لَا جَرَمَ اَنَّمَا
تَدۡعُوۡنَنِيۡۤ اِلَيۡهِ لَيۡسَ لَهٗ دَعۡوَةٌ فِي الدُّنۡيَا وَ لَا فِي
الۡاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ هُمۡ
اَصۡحٰبُ النَّارِ ۝٤٣ فَسَتَذۡكُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ ؕ وَ
اُفَوِّضُ اَمۡرِيۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝٤٤

اور اے قوم! میرا کیا ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اس لئے بلاتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور میں تم کو (اللہ) غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ (۴۰:۳۸ تا ۴۴)

قرآن کے اس قصہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدمی کے اندر کیسے یہ ہمت پیدا ہوتی ہے کہ وہ کسی استبدادی بادشاہت کے آگے بے خوفی سے ڈٹ کر کھڑا ہو جائے جس بادشاہی کو تمام طرح کی سیاسی، فوجی اور یہاں تک کہ مذہبی طاقتوں کی بھی حمایت حاصل ہو، ایسی جابر بادشاہت کو وہ چیلنج کرے اور ظلم سے باز آنے کی تنبیہ کرے۔ قارون کے متوازی ''جو کہ موسیٰ کی قوم میں سے تھا لیکن ان لوگوں پر ظلم کرتا تھا'' [۲۸:۷۶]، ایک صاحب ایمان نے جو کہ فرعون کی قوم سے تھا، خاندانی تعلق کی بنا پر یا حکومتی تعلق کی بنا پر، اور جس نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا، ان لوگوں کو خبردار کیا جو موسیٰ اور ان کے ساتھی مومنوں کے خلاف ظالمانہ اقدامات کر رہے تھے، اور اللہ کے پیغمبر کو قتل کرنے کے بارے میں سوچنے لگے تھے کہ ''تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا ضرر اسی کو ہوگا اور اگر سچا ہوگا تو کوئی سا عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا'' [۴۰:۲۸]۔

یہ آدمی یہ دیکھ کر کہ لوگ اس کی بات کی طرف متوجہ ہیں، انہیں صراط مستقیم کا مطلب سمجھانے لگا جس کی طرف وہ ان کو بلا رہا تھا، اور یہ کہ آگے آنے والی زندگی کی فکر کرو کیوں کہ وہی آخری ٹھکانہ ہے۔۔ انصاف اور فضل کی ایک نئی دنیا وہاں ہوگی، جہاں نہ تو جنس کی بنیاد پر تفریق ہوگی اور کسی بھی برے عمل کی جزا اس سے زیادہ نہیں دی جائے گی جبکہ کسی بھی صالح مرد یا عورت کے عقیدے اور صالح اعمال کا صلہ بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا۔ وہ صاحب ایمان آدمی ارباب اقتدار کو ایک عام فہم بات کی طرف لا رہا تھا کہ اس دنیا میں بھی ہر طرح کی مسرت و راحت حاصل ہو اور آخرت میں بھی، اور اگرچہ وہ ان میں صرف اکیلا ہی تھا، اس نے اس بات کو جتا دیا کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے اسے اپنا بھی لے گا، چاہے اس کا انجام جو کچھ بھی ہو۔

ایسا عزم و استقلال کسی بھی فرد یا جماعت کو اس بات پر آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ جس بات پر ایمان رکھتے ہیں اس کا کھل کر اظہار کریں۔ جو لوگ حق کا ساتھ دیتے ہیں، اللہ ان لوگوں کی اس دنیا میں بھی مدد و حمایت کرتا ہے اور آخرت میں بھی۔ لیکن جو لوگ حق و انصاف اور معقولیت کو کچلنے میں اپنا پورا زور لگا دیتے ہیں وہ آخر کار اس دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور آخرت میں بھی نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے [۴۰:۴۵]۔ اوپر مذکور کچھ آیتوں کے بعد، قرآن اللہ کی طرف سے یہ یقین دلاتا ہے کہ ''ہم اپنے پیغمبروں کی اور ان پر ایمان لانے

والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کو بھی)''[۴۰:۵۱]۔

وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا
يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ
اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۲۴ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا
بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۵ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ
يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۲۷ وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫
كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ
بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ
رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰ وَ اَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَ اِذَا
قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ
مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ
بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲ وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳ وَ قِيْلَ الْيَوْمَ
نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ
النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ

اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے، اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔ کہہ دو کہ اللہ ہی تم کو جان بخشتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں تم کو جمع کرے گا لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور جس روز قیامت برپا ہو گی اس روز جاہل خسارے میں پڑ جائیں گے۔ اور تم ہر ایک فرقے کو دیکھو گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہو گا اور ہر ایک جماعت اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی کہ جو کچھ کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلہ حاصل کرو۔ یہ ہمارا دفتر (ریکارڈ) ہے جو تمھارے بارے میں سچ سچ بتائے گا۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت (کے باغ) میں داخل کرے گا یہی کھلی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا کہ) بھلا ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر تم نے تکبر کیا اور تم نافرمان لوگ تھے۔ اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے، ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا۔ اور ان کے اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا۔ اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اسی طرح آج ہم تمہیں بھلا دیں گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال

اتَّخَذۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتۡكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ لَا يُخۡرَجُوۡنَ مِنۡهَا وَ لَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ لَهُ الۡكِبۡرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۪ وَ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۷﴾

رکھا تھا، سو آج یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ پس اللہ ہی کو ہر طرح کی تعریف (سزاوار) ہے جو آسمانوں کا مالک اور زمین کا مالک اور تمام جہان کا پروردگار ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے بڑائی ہے اور وہ غالب اور دانا ہے۔ (۴۵:۳۴تا۳۷)

قرآن میں ان لوگوں کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں جو اللہ کی ہدایت کا انکار کرتے ہیں اور ان دلائل کا جواب بھی دیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو یہ تعلیم ملے کہ مختلف قسم کے آراء وخیالات کو گوارا کریں اور عقیدے و اس کے اظہار کی آزادی کی حفاظت کریں۔ اللہ اور آخرت پر ایمان کی تردید میں خاص خاص دلائل قرآن میں ملتے ہیں اور جو حملے نبیوں پر بالعموم اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بالخصوص کئے گئے وہ بھی بیان کئے گئے ہیں[۳:۱۵۴؛ ۱۸۱؛ ۶:۲۵؛ ۸:۳۱؛ ۹:۶۱؛ ۱۵:۶؛ ۱۶:۲۴، ۱۰۳؛ ۲۱:۵؛ ۲۳:۲۵، ۷۰؛ ۲۵:۵؛ ۲۶:۲۷؛ ۳۴:۸، ۴۶؛ ۳۶:۴۷؛ ۳۷:۳۶؛ ۳۸:۴؛ ۴۰:۲۴؛ ۴۳:۲۲تا۳؛ ۴۴:۱۴؛ ۵۱:۳۹، ۵۲؛ ۵۲:۲۹تا۳۰؛ ۵۴:۹، ۲۵تا۲۶؛ ۶۸:۲، ۵۱؛ ۶۹:۴۱تا۴۲؛ ۸۱:۲۲]۔ ملحدوں کا ہمیشہ سے یہ کہنا ہے، اور اب وہ اسے فلسفیانہ اور سائنسی شکل میں پیش کرنے لگے ہیں کہ مادہ اور وقت دائمی عناصر ہیں انہیں کبھی فنا نہیں؛ کسی فرد کی زندگی ختم ہونے سے انسانی زندگی ختم نہیں ہوتی یہ ہمیشہ جاری رہتی ہے، یا کبھی قدرتی قوانین کے تحت وقت اسے تباہ کردیتا ہے، اس میں کسی خاص خدائی عمل کا دخل نہیں ہے، اور کسی حتمی فیصلہ یا جزا وسزا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ دلیل کسی قابل اعتماد علم کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ صرف ایک مفروضہ ہے۔ مستقبل بعید کے بارے میں حسی مشاہدے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکتا لیکن اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے اور دماغ کی اعلیٰ قوتوں سے غور وفکر کرکے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ الہام، حواس سے ماوراء تفکر وتعقل کے نچوڑ، تصوراتی قوت اور بصیرت ووجدان سے فن کے میدان میں بہت سارے ایسے نتائج نکالے گئے ہیں جنہیں تسلیم کیا گیا ہے۔ انسان کی روحانی قوتوں کے بہت سے راز دریافت ہوچکے ہیں اور روحانی قوتوں کے اثرات روز بہ روز واضح ہوکر سامنے آتے رہے ہیں۔ انسان کے اندر روحانی اور عقلی طاقتیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں اور انسان کی عقلیت کو کسی بھی دوسری مخلوق کی سمجھ بوجھ سے بہت زیادہ بلند کرتی ہیں۔ مزید برآں، اللہ تعالیٰ کے پیغامات سے اسے ہدایت کی روشنی بھی ہمیشہ ملتی رہی ہے۔

قرآن یہاں یوم محشر کی ایک متاثر کن تصویر پیش کرتا ہے جو اس سے پہلے ذکر کردہ منظر ناموں سے مختلف رنگ لئے ہوئے ہے۔ تمام لوگ اپنے اعمال نامے سامنے دیکھ کر عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ گھمنڈی لوگ ایک بار پھر ذلیل ہوں گے، ان پر لعنت کی جائے گی اور وہ آگ میں جھونکے جائیں گے۔ ان کے تمام اندازے اور حساب کتاب غلط ثابت ہوجائیں گے اور آخرت میں انہیں اسی طرح نظر انداز کردیا جائے گا جس طرح انھوں نے آخرت کے امکان کو نظر انداز کیا تھا، اور انھوں نے جن باتوں کا مذاق اڑایا ہوگا وہی باتیں اس دن انہیں گھیر لیں گی۔ دنیا کی اس زندگی میں متکبروں کا تکبر کتنا جھوٹا اور کھوکھلا ہے، اور زندگی میں ان کی موج مستی کتنی جھوٹی اور چھوٹی ہے جس کے لئے وہ اپنا مستقبل داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔ جب وہ منصف حقیقی کا سامنا کریں گے تو انہیں یہ سب سمجھ میں آجائے گا کہ وہ تو عزیز وحکیم ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَ هُوَ اَعْلَمُ
بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ
هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ
اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾

تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔ ان کے علم کی یہی انتہا ہے تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور اس سے بھی خوب واقف ہے جو رستے پر چلا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے (اور اس نے خلقت کو) اس لئے (پیدا کیا ہے) کہ ایمان لانے والوں کو ان کے عمل کی جزاء دے اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلا دے۔ جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے، جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ، جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔

(۲۹:۵۳ تا ۳۲)

جو لوگ ایک اللہ پر اور آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اللہ سے متعلق کسی بھی بات کو مستقل طور سے مسترد اور نظر انداز کرتے ہیں اور صرف اس زندگی کی مختصر مدت والی خوشیوں ولذتوں کے مقابلے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ان کے درمیان کوئی نقطہ اشتراک ڈھونڈنا ایک کارلا حاصل اور وقت کا زیاں ہے کیوں کہ دونوں کے نقطہ نظر اور آئندہ امکانات میں زبردست فرق ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ اپنی عقلی اور روحانی جستجو کو صرف خود پسندی اور دنیا پرستی تک محدود رکھنے سے آدمی مادی اور ظاہری مسرتوں سے اوپر اٹھ کر کچھ بھی دیکھنے یا سمجھنے کے لئے لائق نہیں ہوتا اور اس کی معلومات وفکرمندی کا دائرہ اسی تک محدود رہتا ہے۔ اس کے برخلاف، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا بندہ / رکھنے والی بندی لوگوں کے اعمال کے اخلاقی اور سماجی پہلوؤں کے بارے میں فکرمند ہوتا / ہوتی ہے، چنانچہ وہ برے یا بے حیائی کے کاموں سے بچتا ہے چاہے وہ مادی لذت کتنی ہی معمولی اور وقتی ہو۔ تاہم جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور آخرت کے حساب کتاب کی فکر رکھتے ہیں، فرشتے یا معصوم نہیں بن جاتے، کیوں کہ وہ انسان ہی ہیں جن سے کچھ خطائیں ہوسکتی ہیں؛ "۔۔۔ اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اَڑے نہیں رہتے" [۳:۱۳۵]۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان سے اس کی انسانی سکت سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا، اس کی ہدایت حقیقت پر مبنی ہے، کیوں کہ اسی نے انسان کو مختلف مراحل میں پیدا کیا ہے اور وہ انسان کی ضرورتوں اور مجبوریوں کو جانتا ہے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا یہ کبھی نہیں سوچتا کہ وہ پوری طرح مکمل ہے یا درجہ انسانیت سے اوپر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد کی نیتوں اور احتیاطوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ کوئی فرد اگر اپنی تعریف یا اپنی معذرت میں اپنے لئے جواز پیش کرے تو یہ بے مطلب بات ہوگی۔ جو اللہ کا تقویٰ رکھتا ہے اسے خود احتسابی سے کام لینا چاہئے اور اپنی انسانی کمزوریوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ ١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ ٢
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ ٣ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ ٤ وَّ
بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ ٥ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ ٦ وَّ
كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۗ ٧ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ
اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۗ ٨ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
الْمَشْـَٔمَةِ ۗ ٩ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۚ ١٠ اُولٰٓئِكَ
الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ ١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ١٢ ثُلَّةٌ مِّنَ
الْاَوَّلِيْنَ ۙ ١٣ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۗ ١٤ عَلٰى سُرُرٍ
مَّوْضُوْنَةٍ ۙ ١٥ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ١٦ يَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ ١٧ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ
كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ ١٨ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا
يُنْزِفُوْنَ ۙ ١٩ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ ٢٠ وَ لَحْمِ
طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۗ ٢١ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ۙ ٢٢ كَاَمْثَالِ
اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ ٢٣ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٢٤ لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۙ ٢٥ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا
سَلٰمًا ٢٦ وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۗ ٢٧ فِيْ
سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ ٢٨ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ ٢٩ وَّ ظِلٍّ
مَّمْدُوْدٍ ۙ ٣٠ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ ٣١ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ ٣٢
لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ ٣٣ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۗ ٣٤
اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ ٣٥ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ ٣٦
عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ ٣٧ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ ٣٧ لِّاَصْحٰبِ
الْيَمِيْنِ ۗ ٣٨ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ ٣٩ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ
الْاٰخِرِيْنَ ۗ ٤٠ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ
الشِّمَالِ ۗ ٤١ فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ۙ ٤٢ وَّ ظِلٍّ مِّنْ

جب واقع ہونیوالی واقع ہوجائے، (اور) اس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں۔ کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔ جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں، پھر غبار ہوکر اڑنے لگیں، اور تم لوگ تین گروہوں میں ہوجاؤ۔ تو داہنے ہاتھ والے! (سبحان اللہ)، داہنے ہاتھ والے کیا (ہی چین میں) ہوں گے۔ اور بائیں ہاتھ والے! (افسوس)، بائیں ہاتھ والے کیا (گرفتارِ عذاب) ہوں گے۔ اور جو آگے بڑھنے والے ہیں! (ان کا کیا کہنا)، وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں، وہی (اللہ کے) مقرب ہیں، نعمت بھری جنتوں میں۔ اگلے لوگوں میں سے یہ بہت ہوں گے، اور پچھلوں میں سے کم ہوں گے۔ (لعل و یاقوت وغیرہ سے) جڑے ہوئے تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔ نوجوان خدمت گزار جو ہمیشہ (ایک ہی حالت میں) رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے، آبخورے اور آفتابے (یعنی پیالے) اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔ اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔ اور ان کی پسند کے میوے، اور ان کی طلب پورا کرنے والا پرندوں کا گوشت۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں، جیسے (حفاظت سے) تہ کئے ہوئے (آب دار) موتی۔ یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔ وہاں وہ نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ سوائے اس کے کہ سلامتی سلامتی بولیں گے۔ اور داہنے ہاتھ والے! (سبحان اللہ)، داہنے ہاتھ والے کیا (ہی عیش میں) ہوں گے۔ بے خار کی بیریوں میں، اور تہ بتہ کیلوں، لمبے لمبے سایوں، پانی کے جھرنوں، اور کبھی ختم نہ ہونے والے، بے روک ٹوک ملنے والے بہ کثرت پھلوں کے درمیان اونچی اونچی مسندوں میں بیٹھے ہوں گے۔ ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ (کنوارہ) بنادیں گے، (جو اپنے شوہروں سے) بے انتہا پیار کرنے والی اور (ان کی) ہم عمر (ہوں گی)۔ (یہ انعام) داہنے ہاتھ والوں کے لئے (ہے جو) بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں، اور بہت سے پچھلوں میں سے۔ اور بائیں ہاتھ

يَّحۡمُوۡمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ
ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ۚ﴿۴۵﴾ وَ كَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ
الۡعَظِيۡمِ ۚ﴿۴۶﴾ وَ كَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ
عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾
قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَ الۡاٰخِرِيۡنَ ۙ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى
مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ
الۡمُكَذِّبُوۡنَ ۙ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ۙ﴿۵۲﴾
فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۚ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ مِنَ
الۡحَمِيۡمِ ۚ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ؕ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمۡ
يَوۡمَ الدِّيۡنِ ؕ﴿۵۶﴾

والے! (افسوس)، بائیں ہاتھ والے کیا (ہی عذاب میں) ہیں۔ (یعنی دوزخ کی) لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں، (جو) نہ ٹھنڈا (ہے) نہ خوش گوار۔ یہ لوگ اس سے پہلے عیش میں پڑے ہوئے تھے، اور گناہِ عظیم پر پر اڑے ہوئے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں (ہی ہڈیاں رہ گئے) تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہوگا؟۔ اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟ کہہ دو کہ بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقرر وقت پر جمع کئے جائیں گے، پھر تم اے جھٹلانے والے گمراہو! تھوہر کے درخت کھاؤ گے اور اسی سے پیٹ بھرو گے، اور اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ اور پیو گے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔ جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔ (۵۶: ۱ تا ۵۶)

درج بالا آیات آخرت کی زندگی کا ایک جیتا جاگتا منظر نامہ پیش کرتی ہیں، جو اس دنیا کی زندگی کے یقینی خاتمہ کے بعد شروع ہونی ہے۔ یہ سچائی اور حق کی ایک گھڑی ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے پورے ہو جائیں گے: ''(یہ وہ دن ہے کہ) اس سے تو غافل ہو رہا تھا اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے''[۵۰: ۲۲]۔ یہ منظر نامہ یہ دکھاتا ہے کہ وہ ناگزیر وقت زمین اور پہاڑوں کو ہلا دئے جانے کے وقت سے بالکل متصل ہوگا۔ لوگوں کو ان کی ذرہ برابر یا ذرہ سے بھی کم نیکی یا برائی کا بدلہ دیا جائے گا[۱۰: ۶۱؛ ۳۴: ۳؛ ۹۹: ۷ تا ۸]، چنانچہ کچھ لوگ ہوں جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا، کچھ لوگ درمیانی راہ والے ہوں گے، جب کہ کچھ لوگ اللہ کے فضل سے اچھے اعمال میں بڑھے ہوئے ہوں گے [۳۵: ۳۲]۔ آخرت کی راحتوں یا تکلیفوں کی تفصیل کو زبانی نہیں سمجھا جا سکتا، انسانی دماغ اپنی موجودہ سکت میں آخرت کی زندگی کو کبھی بھی اپنے احاطہ ادراک میں نہیں لے سکتا، نہ اس کا موازنہ دنیا کی زندگی سے کیا جا سکتا ہے۔ قرآن آخرت کی خبریں اس زبان میں پیش کرتا ہے جو اس دنیا میں ہم اپنے تجربات سے سمجھ سکتے ہیں، کیوں کہ یہی زبان ہے جس سے ہمیں مخاطب کیا جا سکتا ہے۔ البتہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی سوچ وفکر کو بلند کرے اور اس دنیا میں جن چیزوں کا عادی ہے ان سے اوپر اٹھ کر سوچے، کیوں کہ آخرت کی زندگی میں انسان اور دنیا کی حالت موجودہ حالت سے مختلف ہوگی[فرق کے لئے دیکھیں ۵۶: ۴؛ ۱۴: ۴۸؛ ۵۶: ۶۰ تا ۶۱]۔

جن خوبصورت عورتوں کا قرآن میں مختلف مقامات پر، اور ان آیتوں میں بھی، آخرت کی نعمتوں کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، انہیں اس دنیا میں بیویوں کے مقام پر رکھ کر سمجھا جا سکتا ہے، جو سب کی سب وہاں جوان ہوں گی، اور جسمانی و روحانی اعتبار سے خوبصورت ہوں گی جیسا کہ اوپر کی آیات ۳۵ تا ۳۷ میں اشارہ دیا گیا ہے۔ فاضل عالم دین حسن البصریؒ جنت میں ملنے والی حوروں سے مراد ان عورتوں سے لیتے ہیں جو ''انسانی نسل کی صالح عورتیں'' ہوں گی۔ طبری اور ابن کثیر نے ان آیتوں کی تفسیر میں کئی حدیثیں نقل کی ہیں جن کے مطابق صالح خواتین نوجوان بنا کر اٹھائی جائیں گی، خواہ موت کے وقت وہ کتنی ہی بوڑھی ہو چکی ہوں، اور اسی طرح صالح مرد بھی آخرت کی زندگی میں ہمیشہ جوان ہی رہیں گے۔ جنتی جوڑے ایک دوسرے سے جنسی لذت تو حاصل کریں گے لیکن نسل کی پیداواری کا سلسلہ وہاں نہیں ہوگا۔

چنانچہ جن لوگوں کی اس دنیا میں شادیاں نہیں ہوئیں وہ بھی آخرت میں ایسی صحبتوں سے لطف اندوز ہوں گے کیوں کہ جنت میں جن لوگوں کو انعام ملے گا ان کے درمیان عام تعلقات ہوں گے [۱۵:۴۷؛ ۳۹:۷۳ تا ۷۴]، اور دنیا کی اس زندگی میں جو لوگ خاندان اور کنبہ میں رہنے والے ہوں گے ان کے درمیان وہاں قریبی تعلقات ہوں گے۔ [۱۳:۲۳؛ ۳۶:۵۶؛ ۴۰:۸؛ ۵۲:۲۱]۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان (کے ایمان) کا نُور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم کو بشارت ہو (کہ آج تمہارے لئے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بڑی کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظرِ (شفقت) کرو کہ ہم بھی تمہارے نُور سے روشنی حاصل کریں، تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور (وہاں) نُور تلاش کرو پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کی اندرونی جانب رحمت ہے اور بیرونی جانب عذاب (واذیت)۔ تو (منافق لوگ مومنوں سے) کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے لیکن تم نے خود اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور (ہمارے حق میں حوادث کے) منتظر رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لاطائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اور اللہ کے بارے میں تم کو (شیطان) دغا باز دغا دیتا رہا، تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ کافروں ہی سے (قبول کیا جائے گا)۔ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے (کہ) وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ (۵۷:۱۲ تا ۱۵)

دنیا کی اس زندگی میں جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے سامنے اپنی جواب دہی پر یقین کیا، آخرت کی زندگی میں ان لوگوں کی خوشیوں اور جن لوگوں نے ہٹ دھرمی کے ساتھ حق کا انکار کیا، آخرت کی زندگی میں انہیں پیش آنے والی مصیبتوں کا ایک موازنہ ان آیات میں پیش کیا گیا ہے۔ موخر الذکر لوگوں کی اذیتیں ان لوگوں کو دیکھ کر نفسیاتی طور پر اور زیادہ بڑھیں گی جو جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعامات سے متمتع ہو رہے ہوں گے، اور یہ دیکھ کر کڑھیں گے کہ یہ لوگ وہی ہیں جن کا وہ دنیا کی زندگی میں مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں بے وقوف سمجھتے تھے [۲:۲۱۲؛ ۶:۱۰؛ ۱۱:۳۸؛ ۲۱:۴۱؛ ۸۳:۲۹ تا ۳۶]۔

یہ بات اہم ہے کہ وہاں اہل ایمان اور منافقین ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور ان میں بات چیت ہو سکے گی، بلکہ ان کے

درمیان جو دیوار حائل ہوگی اس میں ایک ''دروازہ'' بھی ہوگا، جب کہ اچھے اعمال کرنے والے مومنوں اور ایمان لانے سے انکار کرنے والوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور ان سے مکالمہ ایک تیسرے واسطے سے ہوگا[۷:۴۴ تا۵۱]۔ منافقین حق کو جانتے ہیں اور یہ فریب دیتے ہیں کہ ایمان بھی لے آئے ہیں، لیکن اپنے ہاتھوں سے وہ اپنے اور مومنوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردیتے ہیں کہ ''دن کے شروع میں ایمان لاتے ہیں اور شام کو پھر جاتے ہیں''[۳:۷۲]۔ جس دروازے سے وہ دوسری طرف نکل جاتے ہیں وہ تو موجود ہے، لیکن جیسا کہ دنیا میں وہ ہمیشہ دونوں طرف سے فائدہ اٹھانے چاہتے تھے، اس کا موقع وہ کھودیں گے اور آخرت میں ان کی اس حالت سے ان کی نفسیاتی اذیت اور زیادہ بڑھے گی۔ مذکورہ بالا آیات میں منافقین کو ان لوگوں کے مترادف یا ان لوگوں میں شامل بتایا گیا ہے جن کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ ''جن کے دل میں مرض ہے''[۲:۱۰؛ ۵:۵۲؛؛ ۸:۴۹؛ ۹:۱۲۵؛ ۲۲:۵۳؛ ۲۴:۵۰؛ ۳۳:۱۲، ۳۲، ۶۰؛ ۴۷:۲۰، ۲۹؛ ۷۴:۳۱]، اور اگر اس کا مطلب دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہونا ہی ہے تو دوسرے لوگوں میں خود کو فریب دینے والے، عقیدے میں کمزور یا وہم وگمان پر چلنے والے خبطی لوگ ہوسکتے ہیں۔ دیوار کے دروازے کا حوالہ ان لوگوں کو ایک موقع دینے کے لئے ہوسکتا ہے کہ جنھوں نے اپنے اور مومنوں کے درمیان دیوار کھڑی کرلی ہے کہ وہ اس دیوار یا رکاوٹ کو ہٹادیں اور دنیا کی زندگی میں شاید کسی مناسب وقت پر وہ مومنوں کے ساتھ آملیں، اگر وہ کسی دنیاوی لالچ میں اور اپنے آپ یا دوسروں کے ذریعہ کسی دھوکے میں آگئے ہوں، خاص طور سے شیاطین جن یا شیاطین انس کے فریب میں آکر انھوں نے خود کو مومنوں سے الگ کرلیا ہو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

مومنو! ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مُردوں (کے جی اٹھنے) کی امید نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں۔ (۶۰:۱۳)

یہاں قرآن ان لوگوں کی ایک تصویر پیش کرتا ہے جو ڈھٹائی کے ساتھ حق کا انکار کرتے ہیں اور اللہ و آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ آخرت میں وہ کسی مدد کی امید نہیں کرسکتے، جس طرح دنیا کی اس زندگی میں قبروں میں مدفون مردوں سے کسی مدد کی امید نہیں کی جاسکتی۔ موت اور دفن کے ساتھ ان لوگوں کی زندگی اور امید کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ مومنوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنا سرپرست اور ولی نہ بنائیں کہ ان کا مستقبل اہل ایمان کے مستقبل سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان انصاف اور دوسروں کی خیرخواہی کے لئے ابھارتا ہے جو کہ خود پسندی اور مادی قدروں کی ضد ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ

ہم کو روزِ قیامت کی قسم، اور نفس لوامہ کی قسم (کہ سب لوگ اٹھا کر) کھڑے کئے جائیں گے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے؟ ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کردیں۔ مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے آگے خودسری کرتا جائے۔ پوچھتا ہے کہ

الْقِيٰمَةِ ۝٦ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝٧ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ وَ
جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝٩ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ
اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝١١ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ
الْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ
اَخَّرَ ۝١٣ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ وَّ لَوْ اَلْقٰى
مَعَاذِيْرَهٗ ۝١٥

قیامت کا دن کب ہوگا؟ جب آنکھیں چندھیا جائیں، اور چاند گہنا جائے، اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں۔ اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ کر جاؤں؟ بے شک کہیں پناہ نہیں، اس روز تیرے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے۔ اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیئے جائیں گے۔ بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے، اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔ (۷۵:۱ تا ۱۵)

نفس لوامہ یعنی ملامت کرنے والا نفس جس کا ذکر اوپر کی آیت [۷۵:۲] میں ہوا ہے، اور نفس امارہ یعنی برائی پر اکسانے والا نفس جس کا ذکر آیت [۱۲:۵۳] میں آیا ہے اور نفس مطمئنہ [۸۹:۲۷] تحلیل نفس کے فلسفہ میں تین قسم کی نفسیات کی طرف توجہ دلاتے ہیں: "id", "superego", "ego"۔ آئی ڈی جبلی قوتوں کا خزانہ ہے جو انسان کے تحت الشعور کی گہرائیوں میں پیوست ہے اور مسرت کے احساسات (اصول مسرت - "pleasure principle") اس پر غالب ہوتے ہیں، یہ ایک ایسی چیز ہے جو جبلی قوتوں سے حاصل ہونے والی سب سے پہلی تسکین ہے۔ دوسری انتہاء پر، ''سپرا یگو'' ہے جو گھر اور سماج کی تعلیم و تربیت سے فروغ پاتا ہے، اور ایک داخلی محتسب کی طرح کام کرتا ہے اور شعوری و غیر شعوری ضمیر ہے۔۔ پھر سب سے آخری چیز ''ایگو'' ہے جسے فرائڈ نے ''آئی ڈی'' کا ایک حصہ بتایا ہے جو بیرون شخصیت کے عوامل سے رابطہ میں آنے سے حرکت میں آتا ہے، اور ان احساسات کا ہجوم ہوتا ہے جسے عام طور سے باخبری اور ہوشمندی کہا جاتا ہے، اور تین متضاد قوتوں: بیرون شخصیت سماجی ماحول کے مطالبات یا حقائق، جنسی تقاضے (جن کا تعلق ''جنسی جبلت'' سے ہے، جسے فرائڈ نے خاص طور سے شہوت کے جذبہ سے تعبیر کیا ہے، لیکن وہ مختلف انسانی جبلتوں کو محیط ہے)، اور ''سپرا یگو'' کے درمیان توازن بنائے رکھنے والا دماغی عامل ہوتا ہے [دی نیو کولمبیا انسائکلو پیڈیا، ص۔ ۲۲۳۵]۔ املامت کرنے والا نفس انسان کا ضمیر ہے، جو فرد کے اندر کی آواز ہے اور اسے ذمہ داری و جوابدہی کا احساس دلاتی ہے اور حتمی فیصلہ ہونے سے پہلے اپنا کام کرتی ہے وہ حتمی فیصلہ'' جب انسان خود اپنے خلاف گواہی دے گا اور معذرتیں پیش کرے گا''۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ہڈیوں کو دوبارہ جوڑ دے، جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ ہڈیوں کے پور پور اس طرح سے بنا دے کہ ہر فرد کے پورے الگ الگ ہوں، جس کی بدولت انسانی تہذیب ترقی پاتی چلی جاتی ہے۔ انسان آخرت کی زندگی کا پتہ دینے والے روحانی اور عقلی رموز و کنایات کو نظر انداز کرتا ہے، اور کم نظری، ناعاقبت اندیشی اور خود پسندانہ عیش و مستی میں اپنا وقت اور صلاحیتیں ضائع کرتا ہے۔ یہ دنیا اور اس کی تمام معلوم خوبیاں اس کے خاتمے کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور ایک نئی دنیا کا پتہ دیتی ہیں جو اس کے بعد قائم ہوگی، اور تب کسی کے لئے حساب کتاب سے بچنے کا کوئی موقع نہیں ہوگا اور ہر ایک کو اللہ کے انصاف اور جزاء و سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي
الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝١٨ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ
اَبْوَابًا ۝١٩ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠ اِنَّ

بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ غٹ کے غٹ آ موجود ہوگے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ

جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ
فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾
اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا
يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَ كُلَّ
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا
عَذَابًا ﴿٣٠﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَ
اَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ
عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا
الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ
الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ
لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ
شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا
قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ
الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

ریت ہو کر رہ جائیں گے۔ بے شک دوزخ (سرکشوں کی) گھات میں ہے، کہ سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے۔ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں نہ ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے نہ (کچھ) پینا (نصیب ہوگا)، سوائے گرم پانی اور بہتی پیپ کے۔ (یہ) بدلا ہے پورا پورا۔ یہ لوگ حسابِ (آخرت) کی امید ہی نہیں رکھتے تھے، اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے رہتے تھے۔ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا تھا۔ سو (اب) مزا چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔ بے شک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے۔ (یعنی) باغ اور انگور، اور ہم عمر نوجوان عورتیں، اور شراب کے چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ (خرافات)۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صِلہ ہے انعامِ کثیر۔ وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں میں ہے سب کا رب ہے، بڑا مہربان ہے۔ کسی کو اس سے بات کرنے کا یارا نہ ہوگا۔ جس دن روح (الامین) اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو (اللہ) الرحمن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔ یہ دن برحق ہے پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنالے۔ ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے آگاہ کر دیا ہے، جس دن ہر شخص ان (اعمال) کو جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوتا۔ (۷۸:۱۷تا۴۰)

قرآن کی جو آیات مکہ میں نازل ہوئیں ان میں یوم حساب اور اخروی انجام کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس وقت یہ خاص طور سے ضروری تھا کہ آخرت پر ایمان کو مضبوط کیا جائے اور اہل ایمان کی روح کو پختہ کیا جائے۔ تاکہ تمام طرح کی مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود وہ جس چیز پر ایمان لائے ہیں اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جائیں اور ثابت قدم رہیں۔ قرآن انہیں بتاتا ہے کہ وہ دن قریب ہے جب حق کو تکبر کے ساتھ جھٹلانے والوں کے ساتھ تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا اور دنیا کی یہ زندگی چاہے کتنی بھی طویل ہو آخرت کی زندگی کے مقابلے بہت ہی مختصر ہے۔

ایک اور تفصیل جو یوم حساب کی تصویر کو اور زیادہ واضح کرتی ہے یہ ہے کہ اس دن روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے: اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی بول نہیں سکے گا اور کوئی بھی نا معقول بات نہیں کہے گا [نیز دیکھیں: ۲۱:۲۷تا۲۸]۔ مزید برآں، اس دنیا کی زندگی کے خاتمے اور ایک نئی زندگی شروع ہونے کی نشانیاں بھی ان آیات میں دی گئی ہیں: ''آسمان کھول دیا جائے گا اور دروازے دروازے بن جائے گا''، یہ ایک ایسا حوالہ ہے جس سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ آسمان کے راز انسانی آنکھوں کے سامنے کھل جائیں گے۔

جہنم جو کہ بدکاروں کا ٹھکانہ ہے، ان کی منتظر ہوگی جو ڈھٹائی کے ساتھ حق کا انکار کرتے ہیں۔ جہنمیوں کو جو مشروب ملے گا وہ بہت گرم ہوگا، اور اس کی رنگت کے لئے 'غساق' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا سادہ سا مطلب ہے "کالی رات کی طرح بہت ہی گہری رنگت کا"۔ لیکن اس کا ایک مطلب "برفیلا ٹھنڈا" بھی ہوسکتا ہے۔ جہنم کے خاص مناظر کا، جو کہ سب کے سب انتہائی تباہ کن ہیں، جنت سے موازنہ [۷۶: ۱۳] انسانی نفس کے تضادات اور اس کی بداعمالیوں کے مناسب صلہ کو جتانے کے لئے ہے، جیسے یہ کہ اپنے پسندیدہ لوگوں کے لئے انتہائی نرم رویہ اور دوسروں کے لئے انتہائی غیظ و غضب، یہ دونوں رویے نامناسب ہیں۔ جو لوگ ایسے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ اذیتیں اٹھائیں گے، لیکن ان کی یہ ساری اذیتیں ان کی غلط اعمال کا برابر سرابر بدلہ ہوں گی جو انھوں نے پچھلی زندگی میں کئے ہوں گے: نہ تو یہ ان کے اعمال سے کم ہوں گی نہ زیادہ [۶: ۱۶۰]۔ دوسری طرف، جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہوں گے اور آخرت کی زندگی کا یقین کیا ہوگا وہ اپنے بہترین اعمال کا بھرپور بدلہ پائیں گے اور اللہ نے جو وعدے ان سے کئے تھے وہ ان کے لئے پورے ہوں گے۔ وہ ذائقہ بخش غذاؤں اور پرمحبت سنگتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور وہاں کوئی نازیبا، لغو اور جھوٹی بات نہیں سنیں گے، ایسی لغو اور تکلیف دہ باتیں جن سے دنیا میں کبھی بچا نہیں جاسکتا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے ہمیشہ اپنی جواب دہی کا خیال رکھا ہوگا، اور جو کچھ انھوں نے کیا اس کی پوری قدر ہوگی اور زیادہ سے زیادہ صلہ انہیں ملے گا [۲:۲۶۱؛ ۶:۱۶۰؛ ۲۸:۸۴؛ ۴۲: ۲۳]، کیوں کہ اللہ کے فضل اور رحم و کرم کی کئی حد نہیں ہے، [۳۹:۱۰؛ ۴۰:۴۰]۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَ
اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا
الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِىْ خَلَقَكَ
فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾
كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ
لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا
تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ
لَفِىْ جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَ مَا هُمْ
عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾
ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ
نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب تارے جھڑ پڑیں گے، اور جب دریا بہہ (کر ایک دوسرے میں مل) جائیں گے، اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی، تب ہر شخص معلوم کر لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔ اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟ (وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا اور (تیری قامت کو) معتدل رکھا، اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، عالی قدر (تمہاری باتوں کے) لکھنے والے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ بے شک نیکوکار نعمتوں (کی جنت) میں ہوں گے، اور بدکردار دوزخ میں۔ جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے، اور اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟ پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟ جس روز کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف اللہ ہی کا ہوگا۔ (۸۲:۱ تا ۱۹)

یہ پوری سورۃ جو مکہ میں نازل ہوئی، یہ منظر نامہ پیش کرتی ہے کہ دنیا کی یہ زندگی آخر کار ختم ہوجائے گی اور اس کے بعد یوم حساب

قائم ہوگا اور آخرت کی زندگی شروع ہوگی۔ اس کائنات کا نظام جو کہکشاؤں، ستاروں، سیاروں اور سمندروں کی شکل میں نظر آتا ہے بکھر جائے گا، قبریں اکھڑ جائیں گی، اور انسان یہ سمجھ لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے اور کیا کچھ گنوا دیا ہے۔ اوپر کی آیتوں میں اس چیز کا بھی حوالہ دیا گیا ہے کہ انسان کو کتنی متوازن شکل میں پیدا کیا گیا ہے، جس میں اس کی جسم کی ساخت، متناسب بناوٹ اور اس کی خوبصورتی، نیز اس کی عقلی، روحانی اور نفسیاتی لیاقتیں جو انسان کو خود اپنے آپ کو اور اپنی دنیا کو فروغ دینے کا اہل بناتی ہیں۔ انسان کا خالق جس نے انسان کا پیکر بنایا اور اپنی لیاقتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کو متناسب جسم دیا، اور اسے تہذیب وتمدن کو فروغ دینے کے لائق بنایا، اسے جس طرح سے اور جس شکل میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ آخرت اور یوم حساب کی تفصیلات اور اس کا بیان اگر چہ انسانی فہم کی استعداد سے پرے ہیں تاہم نزول وحی کے وقت جو سوال اٹھائے گئے ان کی تکرار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عقلی اور روحانی لیاقتیں ایک آنے والی زندگی کے تصور کی طرف رہنمائی کر سکتی ہیں جہاں انصاف کی تکمیل ہو، امن ہو، محبت اور انسان کی تمام آرزوؤں کی تکمیل ہو اور وجود باری تعالیٰ کی کاملیت اور اکملیت ثابت ہو۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝١ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝٢ وَ اِذَا
الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝٣ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۝٤ وَ
اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝٥ يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ
اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝٦ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيْنِهٖ ۝٧ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝٨ وَّ
يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝٩ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝١٠ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝١١ وَّ يَصْلٰى
سَعِيْرًا ۝١٢ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝١٣ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ
لَّنْ يَّحُوْرَ ۝١٤ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝١٥

جب آسمان پھٹ جائے گا، اور اپنے پروردگار کا فرمان بجا لائیگا اور واجب بھی یہی ہے۔ اور جب زمین ہموار کر دی جائیگی، اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور (بالکل) خالی ہو جائے گی، اور اپنے پروردگار کے ارشاد کی تعمیل کرے گی اور اس کو لازم بھی یہی ہے (تو قیامت قائم ہو جائے گی)۔ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے، سو (ایک دن) اس سے جا ملے گا۔ تو جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے حساب آسان لیا جائے گا، اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں جا گرے گا۔ یہ اپنے اہل (وعیال) میں مست رہتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ (اللہ کی طرف) پھر کر نہ جائے گا۔ ہاں ہاں اس کا پروردگار اس کو دیکھ رہا تھا۔ (۸۴: ۱ تا ۱۵)

یہ آیات دنیا کی اس زندگی کے خاتمے اور ایک نئی زندگی کی شروعات کی کچھ نشانیاں بھی پیش کرتی ہیں۔ آسمان ٹکڑوں میں بٹ جائے گا اور زمین ایک ہموار ہو جائے گی اور جو کچھ اس میں دفن ہے اسے نکال باہر کرے گی۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس کائنات کے اسرار ورموز آسمان کے پھٹنے اور زمین کے دفینے باہر نکل آنے سے ظاہر ہو جائیں گے۔ دنیا کی اس زندگی میں انسان کو ایک دوسرے زاویہ سے بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ مخلوق جو ایک حسین اور متوازن پیکر میں ڈھلی ہوئی ہے اور جسے عقلی، نفسیاتی اور روحانی قوتیں بخشی گئی ہیں، تکلیف و مشقت سے گزرتی رہے گی جب کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جائے اور ایک نئی زندگی شروع ہو جس میں انسان کی آرزوؤں کی تکمیل ہو اور اللہ کی رحمت و فضل کا مکمل ظہور ہو، چنانچہ نیک عمل لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو انہیں کوئی مشقت اور تھکان نہیں جھیلنی ہوگی [۳۵:۳۵]۔ دنیا کی اس

زندگی میں انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر، یا انسان اور انسانی معاشرے مشقت و تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے لگاتار طبعی اور اخلاقی تبدیلیوں اور اتار چڑھاؤ سے گزرتے رہتے ہیں کیوں کہ وہ اس پوری دنیا کا ہی حصہ ہیں جہاں تبدیلی کبھی تھمتی نہیں۔فرد اور سماج مختلف پہلوؤں سے ترقی اور تبدیلی کے مراحل سے گزرتا ہے جس طرح پوری کائنات میں تبدیلیاں لگاتار جاری رہتی ہیں۔

لیکن آخرت کی زندگی میں نیک عمل لوگوں کو کسی ناانصافی یا نقص کی وجہ سے کوئی دکھ درد، دقت اور دیگر اخلاقی یا جسمانی اذیتیں پیش نہیں آئیں گی۔ بلکہ انہیں ان کی نیکی اور صالحیت (راست روی) کا صلہ ملے گا، کیوں کہ وہاں انصاف پوری طرح نافذ ہوگا۔تمام بدکار لوگ اپنی بداعمالیوں کا براانجام بھگتیں گے، حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس دنیا کے مزے اٹھاتے رہیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ کبھی نہیں اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی جواب دہی نہیں ہوگی۔اگر اس دنیا کی زندگی میں تبدیلی فطرت کا ایک قانون ہوسکتی ہے تو آخرت میں بھی کائناتی اور انسانی زندگی میں ''کیفیاتی تبدیلی'' کی توقع کی جاسکتی ہے۔انسانی آرزوؤں کی تکمیل اور انصاف، امن ومحبت کے تعلق سے اللہ کے وعدے پورے ہونا اس خیال کے مقابلے زیادہ قابل فہم اور معقول بات ہے کہ موت ہی اصل انجام ہے، ان کا بھی جنھوں نے اس دنیا میں دقتیں اور پریشانیاں جھیلیں اور ان کا بھی جنھوں نے غیر منصفانہ طریقے سے دنیا کے مزے لوٹے۔انسان اپنے ان تمام اعمال کے لئے جو اس نے دنیا کی اس زندگی میں انجام دئے، اپنے خالق اور آقا کے سامنے جواب دہ ہوگا، اور سب کے ساتھ یقینی طور سے انصاف کیا جائے گا۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ ﴿۱۰﴾

بے شک اللہ اس کے اعادے (یعنی پھر پیدا کرنے) پر قادر ہے۔ جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے تو انسان کی کچھ پیش نہ چل سکے گی اور نہ کوئی اس کا مددگار رہوگا۔ (۸۶:۸ تا ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی ایک اور خصوصیت پر اس آیت میں زور دیا گیا ہے۔ ہر وہ چیز جسے انسان نے اس دنیا میں اپنی عقلی اور جسمانی صلاحیت سے چھپانے کی کوشش کی ہوگی وہ اس دن وہاں سامنے لے آئی جائے گی تاکہ فیصلہ کے دن صحیح صحیح فیصلہ ہو [۲:۲۸۴؛ ۴:۱۴۹؛ ۵:۱۱؛ ۱۶:۴۰؛ ۱۸:۶۹]۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق (بہ روایت بخاری، مسلم، ابن حنبل، ابوداؤد، الترمذی، النسائی اور ابن ماجہ)، اللہ تعالیٰ کا انصاف نیت کی بنیاد پر ہوگا اور یہ صرف ظاہری ثبوتوں تک ہی محدود نہیں ہے جیسا کہ انسانی انصاف کے لئے ضروری ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کی اصل نیت کو جانتا ہے اور ان تمام چیزوں سے باخبر ہے جو کسی خاص حالات میں کسی موقع پر پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی کسی ایسے شخص کو مسترد نہیں کرتی جس نے صرف برائی کا ارادہ کیا ہو لیکن پھر اپنا ذہن بدل لیا ہو، جب کہ اس کے برعکس اسے اپنا ارادہ بدل دینے کا ثواب ملے گا (مفہوم حدیث، بہ روایت بخاری ومسلم)۔لیکن بعض متعین معاملوں میں کوئی فرد کچھ غلط کام کرتا ہے یہ جانے بغیر کہ وہ غلط ہے، یا کوئی ایسا کام کرتا ہے جسے وہ فائدے مند سمجھتا ہے، لیکن وہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا انصاف ہر ایک کی نیت کو دیکھتا ہے اور صحیح وغلط کے علم کی بنیاد پر اور اس عمل کا جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کی بنیاد پر ہوتا ہے [۴:۱۱۵؛ ۷:۴۵؛ ۲۵:۲۳]۔ دوسری طرف، کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے جو دیکھنے میں اچھا ہو، لیکن اس کے پیچھے اپنے کسی غلط مقصد یا نیت کو چھپائے تو تمام پوشیدہ نیتیں اور سوچیں اس دن فاش ہوجائیں گی اور منصف حقیقی ان کی بنیاد پر اپنا فیصلہ کرے گا جو ان پوشیدہ نیتوں کو جانتا ہے: ''وہ اُن کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے، وہ تو دلوں تک کی باتوں سے آگاہ ہے۔'' [۵:۱]؛ ''وہ آنکھوں کی خیانت

کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)'' [۱۹:۴۰]۔ اس امتحان میں کسی انسان کے بس میں یہ نہیں ہوگا کہ وہ کوئی بات چھپا سکے، کسی دھوکے اور فریب سے کام لے سکے یا اسے کہیں سے کوئی مدد ہی مل جائے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤
تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ
ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧ وُجُوْهٌ
يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ
جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ
مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّزَرَابِيُّ
مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦

بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی (قیامت کا) حال معلوم ہوا ہے؟ اس روز بہت سے منہ (والے) ذلیل ہوں گے۔ سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی ان کو پلایا جائے گا اور خاردار جھاڑ کے سوا ان کے لئے کوئی کھانا نہیں (ہوگا)، جو نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے۔ اور بہت سے منہ (والے) اس روز شادماں ہوں گے، اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش، بہشتِ بریں میں (ہوں گے)۔ وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے، اور آبخورے (قرینے سے) رکھے ہوئے (ہوں گے)، اور گاؤ تکئے قطار (میں) لگے ہوئے، اور نفیس مسندیں بچھی ہوئی (ہوں گی)۔ (۸۸:۱ تا ۱۶)

ان آیات میں قیامت اور حساب کتاب کے دن کو ''ڈھانپ لینے والے واقعہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ ذلت و رسوائی اور مسرت و اطمینان، اور سزاء و انعام کی ظاہری اور نفسیاتی علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ جنت کے آرام اور خوشیوں کو دکھانے کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس طرح کی راحتیں اور عیش اسلام سے پہلے کے عرب میں کچھ خاص طبقوں میں معروف تھے، جب کہ اس کے برعکس عمومی طور پر پورے جزیرۃ العرب میں بنجارہ گردی والی زندگی کا چلن تھا۔ [ماقبل اسلام کے عرب، اور خاص طور سے مکہ و مدینہ کی زندگی کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: محمد عزت دروازا کی 'عصر الرسول قبل البعث؛ جواد علی کی المصطفٰی فی تاریخ العرب قبل الاسلام؛ کیمبرج ہسٹری آف اسلام جلد ۱؛ فلپ ہٹی: ہسٹری آف دی عربس]۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝٢١ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَ
الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝٢٢ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ
يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝٢٣
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝٢٤ فَيَوْمَئِذٍ لَّا
يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝٢٥ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝٢٦
يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

نہیں، جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی، اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ کر آ موجود ہوں گے، اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر (اس وقت) متنبہ ہونے (سے) اسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)؟ کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی کے لئے) کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا (کسی کو) عذاب دے گا، اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔ اے اطمینان پانے

مَّرْضِيَّةً ۝٢٨ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ۝٢٩ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝٣٠ والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔ (۸۹:۲۱ تا ۳۰)

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا انسان (مرد ہو یا عورت) اپنے اندر توازن، استحکام اور سکون محسوس کرتا ہے کیوں کہ اس کا مطمحِ نظر اور اس کی جستجو کم نظری، خود غرضی اور مادی لذتوں کے حصول تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ یہ چیزیں اس کی زندگی میں ایک حد تک ہی ہوتی ہیں، لیکن انتہائی سکون، تحفظ، تسکین و تسلی اس وقت حاصل ہوگی جب اس زندگی کا سفر ختم ہو جائے گا، اور آخرت کی زندگی میں دائمی کامیابی کا حتمی ہدف حاصل ہو جائے گا۔ اس وقت مومن اپنے رب کی طرف واپس جائے گا ''اپنے آپ سے مطمئن اور اپنے رب سے راضی''، اور اس سے کہا جائے گا کہ ''داخل ہو جا جنت میں اللہ کے سچے بندوں کے ساتھ۔ یہ سب سے بڑی حصولیابی، انعام اور کامیابی وکامرانی ہوگی۔

دوسری طرف، جن لوگوں نے ہٹ دھرمی کے ساتھ حق کا انکار کیا اور برے اعمال انجام دئے، وہ آخرت کی زندگی میں عذاب و اذیت میں مبتلا ہوں گے۔ اس عذاب و اذیت کا ذکر بیڑیوں اور آگ کے حوالے سے کیا گیا ہے جس سے اس اذیت ناک حالت کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جس کا ہم اس زندگی میں تجربہ کرتے ہیں کہ اسی طرح مستقبل کی زندگی میں ملنے والے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس عذاب یا اس انعام کی اصل نوعیت وحقیقت ہمارے تصور اور خیال سے ماوراء ہے: ''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اُن کیلئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ اُن اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے'' [۳۲:۱۷]۔ رسول اللہ ﷺ نے ان نعمتوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: ''نہ انہیں کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے ذہن میں کبھی ان کا خیال آیا'' [طبری: الکبیر]۔ یہ بات بالکل واضح اور قابل فہم ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے انعامات یا عذاب کو الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔

الرازی نے، جو کہ مافوق الفطرت معاملوں میں الفاظ کے راست اور مستعمل معنوں سے ہٹ کر ان کا مطلب تلاشنے کے خواہاں رہتے تھے، آیات ۷۳:۱۲ تا ۱۳ کی تفسیر میں جہنم کی بیڑیوں کی تشریح کرتے ہوئے اسے دنیا کی زندگی میں کئے گئے کاموں کے نتائج سے تعبیر کیا ہے، کیوں کہ عذاب میں مبتلا شخص دنیاوی اور جسمانی لذتوں میں گھرا ہوا تھا جنھوں نے اسے انجام کار کو دیکھنے سے روکے رکھا، اور یہ بیڑیاں اور ہتھ کڑیاں اسے سمجھ میں آ جائیں گی اور ماضی کی اذیت ناک یادیں بن جائیں گی، جن سے چھٹکارا یا جن کی تلافی ممکن نہ ہوگی۔ یہ اس بیان کردہ تصویر کو سمجھنے کا ایک ڈھنگ ہے، لیکن یقینی طور سے محض یہی ایک تعبیر نہیں ہے، طوق یا بندھن کا مطلب قید، یا کسی ایسی چیز کی طلب جو ممنوع ہو یا ملنا ناممکن ہو، یا کسی دروازے کا بند ہو جانا، اور کوئی موقع نہ پانا بھی ہوتا ہے۔ دنیاوی اور جسمانی خواہشات کی یہ روحانی بیڑیاں جو آخر کار فریب ثابت ہوئیں، آخرت میں روحانی آگ بھڑکائیں گی اور اس طرح عذاب میں مبتلا ہونے والا انسان (مرد یا عورت) اپنے ماضی وحال کی تلخیوں کو محسوس کرے گا یا کرے گی، گویا یہ کیفیت گلے کی ہڈی بن جائے گی نہ نگل سکیں نہ اگل سکیں۔۔ ان لوگوں کو سب سے زیادہ رنجیدہ کرنے والی اذیت یہ ہوگی کہ وہ اللہ کے نور سے محروم ہو جائیں گے، اور جن لوگوں پر اللہ کا فضل ہوگا ان کی سنگت سے بھی محروم ہوں گے۔ تاہم، یہ انسانی عقل پر منحصر ہے کہ جو کچھ ہمارے احاطہ ادراک سے باہر ہے ان کے بارے میں قرآن جو کچھ کہتا ہے اسے لسانی اصولوں کے مطابق ہر ممکن اور معتبر طریقے سے سمجھیں اور کسی ایک خاص مطلب پر ہی زور نہ دیں اگر اس کے حق میں دلائل اور ثبوت نہ ہوں اور قرآن سے یا صحیح حدیث سے اس کی کوئی یقینی شہادت نہ ملے۔

وَ الَّيۡلِ اِذَا مَا يَغۡشٰى ﴿١﴾ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ وَ مَا
خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الۡاُنۡثٰٓى ﴿٣﴾ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى ﴿٤﴾ فَاَمَّا
مَنۡ اَعۡطٰى وَ اتَّقٰى ﴿٥﴾ وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلۡيُسۡرٰى ﴿٧﴾ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰى ﴿٨﴾ وَ كَذَّبَ
بِالۡحُسۡنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى ﴿١٠﴾ وَ مَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ
مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾ اِنَّ عَلَيۡنَا لَلۡهُدٰى ﴿١٢﴾ وَ اِنَّ لَنَا
لَلۡاٰخِرَةَ وَ الۡاُوۡلٰى ﴿١٣﴾ فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا
يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى ﴿١٥﴾ الَّذِىۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٦﴾
الَّذِىۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٦﴾ الَّذِىۡ يُؤۡتِىۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَ
مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ
رَبِّهِ الۡاَعۡلٰى ﴿٢٠﴾ وَ لَسَوۡفَ يَرۡضٰى ﴿٢١﴾

رات کی قسم جب (دن کو) چھپا لے، اور دن کی قسم جب چمک اٹھے۔ اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کئے کہ تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔ تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے سختی میں پہنچائیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ ہمیں تو راہ دکھا دینا ہے، اور آخرت اور دنیا ہماری ہی چیزیں ہیں۔ سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔ اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا ابد بخت ہے، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ (اس سے) بچا لیا جائے گا، جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو، اور (اس لئے) نہیں (دیتا کہ) اس پر کسی کا احسان (ہے) جس کا وہ بدلہ اتارتا ہے، بلکہ اپنے رب الاعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔

(۹۲:۱ تا۲۱)

رات اور دن کی ترتیب، عرض بلد کے مطابق ان کے وقفوں میں فرق، طول البلد کے مطابق اوقات کی تقسیم میں ان کی یکسانیت، اور زندگی پر بالعموم اور انسانی زندگی پر بالخصوص ان دونوں کے اثرات دنیا کے عجائبات میں سے ہیں [۲۵:۴۷؛ ۷۸:۹ تا۱۱]۔ مذکر اور مونث کے درمیان فرق بھی ایک عجوبہ ہے جس سے مخلوقات میں پیداواری عمل جاری ہوتا ہے، اور مادی اشیاء میں یہ چیز دوسرے انداز سے اسی طرح پائی جاتی ہے: ''اور ہر چیز کو ہم نے جوڑوں میں پیدا کیا [۵۱:۴۹]، ''وہی ہے جس نے ہر چیز کا جوڑا بنایا'' [۴۳:۱۲؛ نیز دیکھیں ۱۳:۳؛ ۳۶:۶؛ ۷۵:۳۹]۔ آیت [۴۳:۱۲] کی تشریح میں رازی نے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن میں ''جوڑوں'' سے مراد فطرت میں عام طور سے پائے جانے والا تضاد ہوسکتا ہے، جیسے رات اور دن ایک دوسرے کی ضد ہیں، کالا اور سفید ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ الرازی تو یہاں تک گئے ہیں کہ جوڑے سے مراد وہ عناصر ہیں جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں جیسے دایاں اور بایاں، آگے اور پیچھے، اوپر اور نیچے، ماضی اور مستقبل۔ دباؤ اور حرارت میں بلند اور پست، بجلی میں پازیٹو اور نگیٹیو۔ اسی طرح زندگی کی انتہا اس کی ابتداء کے متوازی ہے، اور اس دنیا کی زندگی اور دنیا کے بعد آنے والی نئی زندگی ایک دوسرے کے تکمیلی یا ایک ہی مسلسل زندگی کے دو مرحلے ہوسکتے ہیں۔ صرف اللہ ہی ایسی ہستی ہے جس کا کوئی ثانی نہیں، کوئی اس کا متوازی، یا اس کی ہستی کو مکمل کرنے والا نہیں: ولم یکن له کفوا احد، کوئی اس کا مماثل نہیں ہے [۱۱۴:۴]۔

انسانی عمل وسلوک میں فرد اور سماج کے حوالے سے تنوع پایا جاتا ہے۔ ہر فرد بھلائی اور سہولت یا برائی اور دشواری کی راہ میں اپنے اقدامات کے لئے ذمہ دار ہے۔ جب کوئی فرد حق اور اچھائی کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور اس پر چلتے

رہنا اس کے لئے آسان کردیتا ہے۔ اسی طرح، جو فرد برائی کی طرف قدم بڑھاتا ہے، اس کے لئے سخت راستہ کھول دیا جاتا ہے جس پر وہ کسی دشواری کے بغیر چلتا چلا جاتا ہے۔ انسان کو پسند کی آزادی دی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ صرف رہنمائی کرتا ہے؛ وہ کسی شخص کو مجبور نہیں کرتا یا اسے کسی خاص سمت میں چلنے کے لئے دھکیلتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تئیں انتہائی شکرگزاری اور اس کا تقویٰ یہ ہے کہ اچھا عمل کیا جائے اور دوسروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جائے، کسی احسان کا بدلہ حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی رضا پانے کے لئے۔ دوسروں کے تئیں جو ایثار کیا جائے گا اس سے آدمی کو انتہا درجے کی مسرت واطمینان حاصل ہوگا۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝٢ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝٧ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝٨

جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی، اور زمین اپنے (اندر) کے بوجھ نکال ڈالے گی، اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ اس روز وہ اپنے حالات بیان کردے گی کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا (ہوگا)۔ اس دن لوگ گروہ گروہ ہوکر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں، تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھی بُرائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔ (۹۹:۱تا۸)

اس زندگی کے خاتمے کی ایک اور علامت جو زمین سے تعلق رکھتی ہے، جس طرح دوسری علامتیں آسمان، سورج، چاند، ستاروں، سیاروں، پہاڑوں اور سمندر سے متعلق بیان ہوئی ہیں [۷۵:۷تا۹؛ ۸۱:۱تا۶؛ ۸۲:۱تا۴؛ ۸۴:۱تا۵]۔ دوسرے مقامات پر قرآن زمین کے پھٹنے اور اپنے اندر کی چیزیں نکال باہر کرنے کا ذکر کرتا ہے [غالباً آتش فشاں، ۸۴:۳تا۴]، اور قبروں کے اکھڑ جانے کا بیان کرتا ہے [۸۲:۴]، لیکن اوپر کی آیات میں زوردار زلزلہ کا ذکر ہے جو اچانک آجائے گا اور اپنی تباہ کاری میں ہر اس چیز کو پیچھے چھوڑ دے گا جو ہمارے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سننے کے لئے انسان بکھرے ہوئے، نفسا نفسی کے عالم میں سامنے آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں ذرہ برابر نیکی یا بدی کو نہیں چھوڑا جائے گا [۲۱:۴۷؛ ۴:۴۰]، نہ کسی فرد کی نہ جماعت کی [۳:۵۷تا۶۷؛ ۱۱۳تا۱۱۵؛ ۲۲:۱۷]، ہر ایک کو سابقہ زندگی میں اس کے ذریعہ کئے گئے ہر کام یا کہی گئی ہر بات کی اصل قدر وقیمت اور اہمیت دکھادی جائے گی، حالانکہ انھوں نے اپنی زندگی میں اسے چھپانے یا اس کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝٦ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝٧ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝٨ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝١٠ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ ۝١١

کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس (اور ناشکرا) ہے، اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔ وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جو (مُردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لئے جائیں گے اور جو (بھید) دلوں میں ہیں وہ ظاہر کردیئے جائیں گے۔ بے شک ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب واقف ہوگا۔

(۱۰۰:۶تا۱۱)

یہ آیات دوسری باتوں کے علاوہ اس بات کو جتاتی ہیں کہ فیصلہ کے دن، جو کچھ انسانوں نے اپنے دل اور دماغوں میں پوشیدہ رکھا ہوگا، ظاہر ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے انسان کے اعمال نامہ میں دکھائے گا تا کہ اس کا حساب چکایا جائے، یہ بات دوسری کئی آیات میں آئی ہے [جیسے ۲:۲۸۴؛ ۱۶:۴۰؛ ۶۹:۱۸]۔ اس طرح انسان کو اس کی جواب دہی کی ذمہ داری یاد دلائی گئی ہے کیوں کہ انسان اکثر اپنے رب کا ناشکرا بن جاتا ہے۔ دنیاوی لذتوں اور مال ومتاع سے محبت انسان کے اندر اکثر خودغرضی، لالچ، ہوس، تکبر، فضول خرچی، پیدا کردیتی ہے اور اسے عیش پسندی میں مبتلا کردیتی ہے۔ پھر وہ دوسروں کی ضرورت سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور اپنی سماجی ذمہ داریوں کو بھول جاتا ہے۔ [مثال کے لئے دیکھیں: ۳:۱۰، ۱۴؛ ۹:۳۴ تا ۳۵؛ ۱۱:۱۱۶؛ ۱۶:۱۷؛ ۱۸:۳۴؛ ۱۹:۷۷؛ ۲۳:۳۳؛ ۳۴:۳۴ تا ۳۵؛ ۴۳:۳۳؛ ۴۸:۱۱؛ ۵۶:۴۵ تا ۴۶؛ ۵۷:۲۰؛ ۶۸:۱۰ تا ۱۴؛ ۸۹:۲۰؛ ۱۰۲:۱ تا ۲؛ ۱۰۴:۱ تا ۳]۔ مادی اور دنیاوی آسودگی کو اللہ کی ہدایت اور انسانی ذمہ داری نیز آخرت میں جواب دہی کی فکر کے ساتھ برتنا چاہئے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان انسان کے اندر انفرادی طور پر بھی اور سماج میں مجموعی طور پر بھی توازن اور استحکام کو برقرار رکھتا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾
يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾ وَ تَكُوْنُ
الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ
مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ
مَا هِيَهْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ۠﴿۱۱﴾

کھڑکھڑانے والی۔ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ (وہ قیامت ہے) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہوجائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اُون۔ توجس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے اس کی ماں (گہوارہ) ہاویہ ہے، اور تم کیا جانو کہ ہاویہ کیا ہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (۱۰۱:۱ تا ۱۱)

قیامت کے دن کی متعدد کیفیتیں اور خاصیتیں قرآن میں بتائی گئی ہے تا کہ انسان کو اس کے احوال کا کچھ اندازہ ہوسکے اور اس کے ہولناک اثرات کو وہ کچھ محسوس کرسکیں، اسی لئے قیامت کے حالات کو مختلف ناموں سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کا دن ہے، فیصلہ کی گھڑی ہے، آخرت ہے، یہ نہ ٹلنے والی ساعت یا آفت ہے [۵۶:۱]، یہ یوم الحق ہے، سچائی کے کھل جانے کا دن، یا حقوق کی بازیابی کا دن [۶۹:۱ تا ۳]، چھا جانے والی آفت ہے [۷۹:۳۴]، کان پھاڑ دینے والی آواز ہے [۸۰:۳۳]، اور صور پھونکنے کا دن ہے، جیسا کہ اوپر کی آیت میں ذکر ہوا ہے۔ یہ صحیح صحیح پیمانہ اور ترازو قائم ہونے کی تصویر جس میں ذرہ بھر نیکی یا برائی کا وزن تولنے سے نہیں رہ پائے گا، قرآن میں جگہ جگہ پیش کی گئی ہے [جیسے ۴:۴۰؛ ۷:۸ تا ۹؛ ۲۳:۱۰۲ تا ۱۰۳؛ ۹۹:۷ تا ۸]۔ لیکن اس کے باوجود اس کی صحیح صحیح کیفیت کوئی نہیں جان سکتا کہ ترازو کیسا ہوگا اور اس میں اعمال کس طرح تولے جائیں گے، اس دن جو کچھ بھی ہوگا وہ ہمارے تصور اور فہم سے بالاتر ہے، لیکن ایسے الفاظ سے اس کا اظہار کیا جاسکتا ہے جن سے ہم مانوس ہوں تا کہ اسے ہم اپنے انسانی اور دنیاوی تجربات کے مطابق سمجھ سکیں۔ انسان جن کے اندر تکبر اور غرور کا مادہ پایا جاتا ہے وہ اس دن بکھرے ہوئے کیڑوں مکوڑوں کی طرح نکلیں گے، اسی طرح جس طرح پہاڑ جنہیں قرآن میں مضبوطی سے جمے ہوئے'' کہا گیا ہے [۱۳:۳؛ ۱۵:۱۹؛ ۱۶:۱۵؛ ۲۱:۳۱؛ ۲۷:۶۱؛ ۳۱:۱۰؛ ۴۱:۱۰؛ ۵۰:۷؛ ۷۷:۲۷] روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوئے ہوں گے۔ اس دن جن لوگوں پر رحمت ہوگی وہ عیش میں ہوں گے، اور آگ کا گہوارہ،

جوگنہ گاروں کو اپنی آغوش میں لے لے گا، اس سے آخرت میں انجام اور بدلہ کا تصور دلایا گیا ہے، جو لوگوں کے ان برے اعمال کا نتیجہ ہوگی جو انھوں نے دنیا میں کئے۔

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۖ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ؕ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ

ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے۔ جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ (اور) خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہر گز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟ ۵۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر جا لپٹے گی۔ (اور) وہ اس میں بند کر دیئے جائیں گے۔ (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

(۱۰۴:۱تا۹)

یہاں قرآن کے قاری کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہتان تراشی، طعن و تشنیع اور چغل خوری یا عیب جوئی کا تعلق مال جمع کرنے اور گن گن کر رکھنے کی حرص سے ہے اور اس خیال سے وابستہ ہے کہ مال کی فراوانی سے حیات لافانی حاصل ہو جائے گی۔ مال کی محبت اور مال کو ہی سب کچھ سمجھنے سے گھمنڈ پیدا ہوتا ہے اور ایسا انسان دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، دوسروں پر طنز کرنا، ان کے اندر عیب نکالنا اور غیبت و چغل خوری کرنا اس کی عادت بن جاتی ہے [نیز دیکھیں: ۶۸:۱۰ تا ۱۴]۔ بے شمار مال و دولت کی حرص اور کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی کی ہوس ہی اس دنیا میں کچھ لوگوں کی فکر کا محور ہے، ان کا حشر ''ہڈیوں کو چکنا چور کر دینے والا'' ہوگا جو مال و دولت کی حرص کو کچل کر ختم کر دیگا [۹:۳۴ تا ۳۵]، اور جس کی آتشیں لپٹیں وہاں تک پہنچیں گی جو زندگی کی علامت ہے: یعنی انسان کا دل۔ چنانچہ جو لوگ بے حساب دولت جمع کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں اور حیات لافانی کے خواہش مند ہیں وہ ان دونوں چیزوں سے اس دہکتی ہوئی چکنا چور کر دینے والی آگ میں محروم ہو جائیں گے۔

❀ ❀ ❀